تاریخِ تفسیر و اُصولِ تفسیر

ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ

Marfat.com

Marfat.com

21667
DATA ENTERED

تاریخ تفسیر و اصولِ تفسیر

ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

297.122701 Tahir Mustafa, Dr. Muhammad
Tareekh Tafseer-o-Asool-e-Tafseer/
Dr. Muhammad Tahir Mustafa.- Lahore:
Al-Faisal Nashran, 2013.
312p.

1. Tafseer - Asool I. Title Card.

ISBN 969-503-886-7

مارچ 2013ء

محمد فیصل نے

آر۔آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت:-/350روپے

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore. Pakistan
Phone: 042-7230777 & 042-7231387
http: www.alfaisalpublishers.com
e.mail: alfaisalpublisher@yahoo.com

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	ابواب	مضامین	نمبر صفحہ
1	پہلا باب	قرآن اور تفسیر کا باہمی ربط	7
2	دوسرا باب	فن تفسیر اور تاویل	14
3	تیسرا باب	تفسیر کی اقسام	21
4	چوتھا باب	تفسیر قرآن کریم کے ماخذ	32
5	پانچواں باب	تفسیری ادب کا ارتقاء	41
6	چھٹا باب	برصغیر پاک وہند کی تفسیری خدمات	72
7	ساتواں باب	حقیقت وحی	81
8	آٹھواں باب	جمع وتدوین قرآن	93
9	نواں باب	قرآن مجید کی آفاقیت	108
10	دسواں باب	نظم قرآن	123
11	گیارہواں باب	چند اہم تفاسیر کے امتیازی خصائص	134
12	بارہواں باب	چند اہم اصول تفسیر	197
13	تیرہواں باب	علم اصول تفسیر کا ارتقاء	212
14	چودھواں باب	اصول تفسیر کی اہم کتب کا تعارف	220
15	پندرھواں باب	الفوز الکبیر فی اصول تفسیر	238
16	سولھواں باب	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	241
17	سترہواں باب	شاہ ولی اللہ کے نزدیک قرآن مجید کے علوم پنجگانہ	247
18	اٹھارہواں باب	غرائب القرآن - اخفاء کا سبب اور حل	260
19	انیسواں باب	مسئلہ ناسخ ومنسوخ	265

Marfat.com

20	بیسواں باب	علم اسباب النزول	271
21	اکیسواں باب	فہم قرآن میں مشکلات کے اسباب	278
22	بائیسواں باب	قرآن مجید کے اسلوب بدیع	293
23	تیئیسواں باب	اعجاز قرآن	299
24	چوبیسواں باب	فنون تفسیر	305

Marfat.com

پہلا باب

قرآن اور تفسیر کا باہمی ربط

قرآن حکیم کلام الٰہی ہے۔ اس کا موضوع انسان ہے۔ یہ انسانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت، مینارہ نور اور منبع علوم وفنون ہے۔ یہ اگر پہاڑوں پہ نازل ہوتا تو وہ اس کی ہیبت سے ریزہ ریزہ ہو جاتے، اگر سمندروں پہ نازل ہوتا تو ان میں تلاطم خیز لہریں بپا ہو جاتیں، اگر درختوں پہ نازل ہوتا تو وہ دوڑنے لگتے، اگر کنکریوں پہ نازل ہوتا تو وہ لبیک کہہ اٹھتیں۔ مگر یہ کائنات کے سب سے بڑے انسان ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ پر اس لیے نازل کیا گیا کہ باقی تمام انسانوں کو خالقِ کائنات کی مرضی کے مطابق فکر وعمل کی روشنی میسر آ جائے۔ یہ پاک کلام اشرف المخلوقات کی ظاہری اور باطنی زندگی کو خالق کی مرضی اور خواہش کے تابع رکھنے کے لیے نازل ہوا ہے۔ اس میں صرف نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کی تلقین نہیں ہے بلکہ اس میں انسانوں کے مادی، روحانی، فکری، تہذیبی، مذہبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، عدالتی، اخلاقی، سائنسی، اخروی، غرض زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں رہنمائی ہے۔ اس میں تاریخی واقعات ہیں جن میں قدیم اقوام اور قبیلوں کے قصے نیز ان کی کامیابیوں اور بربادیوں کی داستانیں ہیں۔ اس میں نصیحت ہے اور انسانوں کو انسانوں سے ہمدردی، محبت، شفقت، غم خواری اور احساس کا درس ہے۔ پہلے حقوق، پھر سزا کی بات ہے۔ اپنوں اور بے گانوں سے لازوال محبت اور رواداری کی تلقین ہے۔ اس سب کچھ کے ساتھ انسان کے ظاہری اور باطنی جسمانی اعضاء تک کے حسنِ استعمال کی ہدایات موجود ہیں۔

اس کلام کی عظمت اور رفعت کی گواہی اس کے نازل کرنے والے نے خود دی ہے۔ ارشادات عالیہ ہیں۔

☆ یہ "قرآن" یعنی دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ (سورۃ الاسرا۔۹)

☆ یہ قرآن "الکریم" یعنی بہت بڑی کرامت اور بزرگی والا ہے۔ (سورۃ الواقعہ۔۷۷)

☆ یہ قرآن "العظیم" یعنی بڑی عظمت اور شان والا ہے۔ (سورۃ الحجر۔۸۷)

Marfat.com

☆ یہ قرآن ''الحکیم'' یعنی حکمت و دانائی سے بھرپور ہے۔ (سورۃ یٰسین۔۲)

☆ یہ ''الفرقان'' یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہے۔ (سورۃ الفرقان۔۱)

☆ یہ ''الکتاب المبین'' یعنی حق کو واضح کرنے والی کتاب ہے۔ (سورۃ الزخرف۔۲)

☆ یہ ''کلام اللہ'' یعنی اللہ کا کلام ہے۔ (سورۃ التوبہ۔۶)

☆ یہ ''نور'' یعنی روشنی ہے۔ (سورۃ المائدہ۔۱۵)

☆ یہ ''ھدیٰ ورحمۃ'' یعنی ہدایت اور رحمت ہے۔ (سورۃ یونس۔۵۷)

☆ یہ ''شفا'' یعنی جسمانی اور روحانی دکھوں کا علاج ہے۔ (سورۃ یونس۔۵۷)

☆ یہ ''موعظہ'' یعنی نصیحت ہے۔ (سورۃ یونس۔۵۷)

☆ یہ ''ذکر'' یعنی یاددہانی ہے۔ (سورۃ الانبیاء۔۵۰)

☆ یہ ''مبارک'' یعنی برکت والا ہے۔ (سورۃ الانبیاء۔۵۰)

☆ یہ ''حکمت بالغہ'' یعنی ایسی حکمت ہے جو نصیحت کے مقصد کو پورا کرتی ہے۔

(سورۃ القمر۔۵)

☆ یہ ''مہیمن'' یعنی نگہبان و گواہ ہے۔ (سورۃ المائدہ۔۴۸)

☆ یہ ''صراط مستقیم'' یعنی نجات و کامیابی کا سیدھا راستہ ہے۔ (سورۃ الانعام۔۱۵۳)

☆ یہ ''فصلی'' یعنی اس کی ہر بات محکم ہے۔ (سورۃ الاعلیٰ۔۱۵)

☆ یہ ''نباء عظیم'' یعنی اس کی ہر خبر بڑی ہے۔ (سورۃ ص۔۶۷)

☆ یہ ''احسن الحدیث'' یعنی بہترین باتوں پر مشتمل ہے۔ (سورۃ الزمر۔۲۳)

☆ یہ ''تنزیل'' یعنی آسمان سے نازل کیا گیا ہے۔ (سورۃ الشعرا۔۱۹۲)

☆ یہ ''عربیا'' یعنی عربی زبان میں ہے۔ (سورۃ یوسف۔۲)

☆ یہ ''بصائر'' یعنی عبرت و بصیرت کا مجموعہ ہے۔ (سورۃ الجاثیہ۔۲۰)

☆ یہ ''بیان'' یعنی اس کی ہر بات واضح ہے۔ (سورۃ آل عمران۔۱۳۸)

☆ یہ ''العلم'' یعنی علم کا منبع ہے۔ (سورۃ البقرہ۔۱۲۰)

☆ یہ ''الحق'' یعنی سراسر حقیقت پر مبنی ہے۔ (سورۃ یونس۔۱۰۸)

☆ یہ ''یہدی'' یعنی ہدایت کا مینار ہے۔ (سورۃ الاسراء۔۹)

Marfat.com

☆ یہ ''تبصرہ'' یعنی لوگوں کے لیے بصیرت کا خزانہ ہے۔ (سورۃ ق۔۸)

☆ یہ ''العروۃ الوثقی'' یعنی ہدایت اور عمل کے لیے مضبوط حلقہ ہے۔ (سورۃ البقرہ۔۲۵۶)

☆ یہ ''عدل'' یعنی عدل وانصاف کا پیمانہ ہے۔ (سورۃ الانعام۔۱۱۵)

☆ یہ ''امر'' یعنی حکم الٰہی ہے۔ (سورۃ الطلاق۔۵)

☆ یہ ''ھدی وبشریٰ'' یعنی ہدایت اور خوش خبری ہے۔ (سورۃ البقرہ۔۹۷)

☆ یہ ''بشیر'' یعنی خوشخبری دینے والا ہے۔ (سورۃ البقرہ۔۱۱۹)

☆ یہ ''نذیر'' یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہے۔ (سورۃ البقرہ۔۱۱۹)

☆ یہ ''مطہرہ'' یعنی پاکیزہ ہے۔ (سورۃ العبس۔۱۴)

☆ یہ ''کتاب لاریب فیہ'' یعنی شک وشبہ سے بالاتر کتاب ہے۔ (سورۃ البقرہ۔۲)

یہ مقدس کتاب جہاں ابدیت کی حامل ہے وہاں عصریت بھی اس کی ایک خاص خوبی ہے۔ اس میں ہر زمانے، ہر معاشرت، ہر ثقافت، ہر علاقے، ہر قوم اور ہر دور کے تقاضوں اور مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔

ان تمام حقائق کو مدنظر رکھ کر قرآن کریم صرف ایسی صورت میں ہدایت کا نور ثابت ہوسکتا ہے جب اس کے متن کا پیغام اور مقصد ومدّعا تفسیر اور تشریح کی صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہو۔

تفسیر قرآن کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہ پیغام الٰہی چونکہ سراسر انسان کی ہدایت کے لیے ہے اس لیے یہ انسانیت کے تمام طبقوں تک پوری تشریح وتوضیح کے ساتھ پہنچنا چاہیے اور کسی کو یہ عذر پیش کرنے کی جرأت نہ ہو کہ اس پیغام کی زبان عربی ہے اور اسے اہل عرب تو سمجھ سکتے ہیں مگر اہل عجم اس کے فہم سے معذور ہیں لہٰذا اس کی تفہیم کے اقدام اور اہتمام ہر زبان میں ہونے چاہئیں۔

بات یہ ہے کہ اگر ہمارا کوئی دوست یا رشتہ دار غیر ملک سے کوئی ٹیلی گرام یا تار بھیجتا ہے اور اس ٹیلی گرام کا متن ایسی زبان میں ہے جو ہماری زبان سے مختلف ہے۔ اس صورت میں ہم اس پیغام کو بند کر کے نہیں رکھ دیتے بلکہ ہر صورت میں اس پیغام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ جاننے کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان سطور میں ہمارے لیے پیغام کیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے

Marfat.com

دوست یا کسی رشتہ دار کے پیغام کو جاننے اور سمجھنے کی تو پوری کوشش کرتے ہیں مگر وہ پیغام جو ہمارے خالق نے ہمارے لیے بھیجا ہے اس کو سمجھنے اور جاننے میں غفلت برتتے ہیں اور سو عذر و بہانے تراشتے ہیں کہ اس کی زبان عربی ہے۔ ہم اپنی ضرورت کے مطابق ہر دوسری زبان کو سمجھتے ہیں مگر حیرت اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس ہدایت کے پیغام کو سمجھنا ہم اپنی ضرورت خیال نہیں کرتے؟

خالق کائنات نے یہ جو ہمیں تھوڑی سی زندگی دی ہے آخرت میں باقاعدہ اس کا حساب لینا ہے کہ دنیا کی زندگی کو کس طرح اور کن کن مشغولیات و مصروفیات میں گذارا۔ فرماں برداری میں گذارا یا کہ نافرمانی میں، اطاعت میں گذارا یا کہ بغاوت میں۔ جس طرح دنیا کی تمام عدالتوں کا یہ متفقہ اصول ہے کہ ''قانون سے ناواقفیت جرم کرنے کا جواز نہیں ہوتی۔'' اسی طرح قیامت کے دن اللہ رب العزت کی عدالت میں بھی یہ عذر ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا کہ الہ العلمین! ہم نے مانا آج ہم مجرم ہیں اور جرم ہم سے اس لیے سرزد ہوتے رہے کہ ہمیں آپ کی طرف سے جاری کردہ قانون اور ہدایت کی کتاب سے ناواقفیت رہی اور وہ ناواقفیت اس لیے رہی کہ اس کتاب کی زبان عربی تھی جب کہ ہماری مادری زبان کچھ اور تھی۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کا موضوع انسان ہے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ انسان سے متعلق جس قدر بھی رہنمائی کی ضرورت ہے وہ اس پاک کلام میں مہیا کر دی گئی ہے اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انسان کے دنیا میں بھیجنے کا مقصد کیا ہے۔ اسے یہاں کس طرح زندگی بسر کرنا ہے۔ اس کا نظام معاشرت، معیشت، سیاست اور تمدن کیا ہونا چاہیے۔ اس کی مادّی اور روحانی غذا کیا ہونی چاہیے۔ اس کے اردگرد کا ماحول کس قدر پاکیزہ ہونا چاہیے۔ اس کو ظاہری اور باطنی آلودگیوں سے کس طرح پاک وصاف رہنا چاہیے۔ یہ وہ تمام معلومات و ہدایات ہیں جن کو جاننے کی کوکھ سے علم تفسیر نے جنم لیا تاکہ ہر انسان دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے ہدایت ربانی کی روشنی میں صراط مستقیم پا سکے۔

علم تفسیر کی ضرورت واہمیت اور غرض وغایت

قرآن مجید وہ صحیفۂ ہدایت ہے جو انسانیت کے مادی، روحانی، فکری، تہذیبی، تمدنی اور اجتماعی معاملات میں رہنمائی کا اصل ماخذ ہے۔ کسی ریاست کے لیے سیاسی نظام کی ضرورت ہو یا

Marfat.com

انسانوں کی معاشی فلاح کے لیے کسی اقتصادی نظام کی ضرورت ہو، وراثت کا معاملہ ہو یا قرض اور لین دین کے اصول، خالق کائنات سے قرب حاصل کرنے کے لیے اس کے بندوں سے پیار کرنے کے اصول و آداب ہوں یا اس رحیم و کریم ذات کا شکر بجالانے کے لیے عبادات کی توضیح، حلال و حرام کا تعین ہو یا نکاح و طلاق، مہر و رضاعت اور عدت و خلع کے ضابطے ان تمام امور کے بارے میں اس پاک کلام کی رہنمائی سدا بہار ہے۔ اس کی سچائیاں لازوال اور ناقابل تنسیخ ہیں۔

دوسری طرف غور کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کلام کا اسلوب کسی دوسرے کلام کے اسلوب سے مماثلت نہیں رکھتا۔ اس میں فصاحت و بلاغت اور زبان دانی کی باریک بینی اور لطافت ہے۔ اس میں بدیع اور اعجاز ہے۔ عدد کلمات، آیات، سورتوں اور سجدات کا علم ہے۔ ایک لفظ کے دو سے چوبیس تک معانی ہیں۔ اصول فقہ ہے جس میں حقیقت و مجاز، محکم و متشابہ اور امر و نہی کا ذکر ہے۔ تمام شریعت قرآن سے ماخوذ ہے۔ اس کلام رب کائنات میں تاریخی واقعات ہیں جن میں قدیم اقوام اور قبیلوں کے قصے، اُن کی کامیابیوں اور بربادیوں کی داستانیں، ان کے وطن اور آثار وغیرہ کا ذکر ہے اور یہ سب عبرت اور خوف کا سامان ہے۔ اس کے علاوہ نصیحت و عاقبت، حساب اور جزاء و سزا نیز ستاروں کے بروج کا بیان ہے۔ علم طب، ہندسہ اور علم جہاد کا بھی درس اور پیغام ہے۔ جغرافیائی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور تاریخی علوم کے اصولوں کا ذکر ہے۔

ان تمام حقائق کو مدنظر رکھ کر قرآن کریم اسی صورت میں رشد اور ہدایت کا نور ثابت ہو سکتا ہے جب انسانیت اور معاشرت کے تمام ارتقائی تقاضوں کو بھانپ کر آیات قرآنی اور احکام الٰہی کی تشریح، تفسیر اور تعبیر ہو۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی کتاب مطالب، اس کے احکام اور حکمت کو اس طرح کھول کر بیان کیا جائے کہ عام مسلمان ان کو بآسانی سمجھ کر اپنے لیے عمل کا راستہ متعین کر سکیں۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کائنات میں تمام اشخاص یکساں فہم و قابلیت کے مالک نہیں ہوتے۔ ان کی استعداد اور صلاحیتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کوئی کج فہم ہے تو کوئی زود فہم، کوئی ذکی ہے تو کوئی غبی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بات یا کلام کو سمجھنے میں ہر انسان یکساں نہیں ہوتا۔ پھر عام لوگوں کا کلام تو الگ رہا جب معاملہ اللہ کے کلام کا ہو جس کی جامعیت، ہمہ گیری اور وسعت کا کچھ ٹھکانہ نہیں ہے جس میں بے شمار مطالب، وضاحت، بلاغت، اوصاف اور معنی و بدیع کا ایک چمن۔

Marfat.com

کھلا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے کلام کی تشریح وتفسیر ایک ضروری امر ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔

قرآن کریم کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ اصول وکلیات کی کتاب ہے جس میں جزئیات اور فروعی باتیں بہت کم بیان کی گئی ہیں۔ایسی صورت میں بھی ظاہر ہے کہ ان اصول وکلیات کی تشریح اور جزئیات وتفصیلات کی وضاحت وتفسیر ضروری امر بن جاتا ہے۔اس کے علاوہ قوانین واحکام کی تفصیلی صورت، حدود وقیود اور ان کا اطلاق واضح طور پر متعین ہونا چاہیے۔اس ضرورت کو بھی علم تفسیر ہی پورا کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہم سب کی انفرادی اور اجتماعی ترقی کے راز کا بھی مسلمہ اصول ہے کہ قرآنی تعلیمات پر عمل قرآن کے فہم وتدبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔یہ کتاب جس رشد وہدایت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس کا معجزانہ اسلوب بیان جن حکمتوں کا جامع ہے جب تک ان سے آگاہی حاصل نہ کی جائے تب تک ان کی پیروی کا امکان نہیں ہے۔یہ اسی صورت ممکن ہے کہ ہم قرآنی الفاظ کے معانی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

عصر حاضر میں عربی زبان وادب کے ساتھ جو ہمارا خاص تعلق باقی نہیں رہا اس کے پیش نظر بھی تفسیر قرآن کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔کتاب الٰہی جو بنی نوع انسان کے لیے اصلاح وفلاح اور اس کے اعزاز واکرام کو برقرار رکھنے کے لیے نازل ہوئی ہے علم تفسیر اس کے خزینۂ ہائے علمی کی کنجی ہے جس کے بغیر قرآنی علوم ومعارف کا باب وا نہیں ہوسکتا۔بے شک لوگ قرآنی الفاظ کو دن میں ہزاروں مرتبہ دہراتے رہیں لیکن ان کا معنی ومفہوم اور مقصد ومدعا تفسیر کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔

تفسیر قرآن۔پیغمبرانہ ذمہ داری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری تعلیم اور تفسیر قرآن بھی تھی جس کی طرف اس کلام الٰہی نے خود اشارہ کیا ہے۔

و یعلمھم الکتاب (سورۃ البقرہ۔۱۲۹)

اور تا کہ انھیں کتاب کی تعلیم دے۔

Marfat.com

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

و انزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم و لعلکم یتفکرون

(سورۃ النحل۔۴۴)

اور ہم نے تمھاری طرف یہ ذکر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے لیے اس کی (تعلیم و تفسیر کی خاطر) وضاحت کرو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے تاکہ لوگ خود بھی غور و فکر کریں۔

انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللّٰه.

(سورۃ النساء۔۱۰۵)

(اے نبی) ہم نے یہ کتاب تمھاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تم اُس (راہ) کے مطابق جو اللہ نے تمھیں دکھائی ہے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ تفسیر قرآن خود منشائے الٰہی ہے تاکہ ہر سطح کے انسان اس پاک کتاب سے استفادہ کر سکیں۔ انسانی استفادے کی اس احتیاج کو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے پورا کیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر کلام متکلم کی عظمتوں اور کمالات کا حامل ہوتا ہے۔ قرآن کریم بھی چونکہ کلام الٰہی ہے اور یہ بھی اپنے متکلم یعنی حق تعالیٰ کی بے پناہ عظمتوں، خوبیوں اور کمالات کا حامل ہے لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر عام و خاص کلام الٰہی کی محکم و متشابہ عظمتوں اور رفعتوں کو خود ہی سمجھ جائے اور کسی معلم و مفسر کے بغیر اس پر حق تعالیٰ کی منشاء واضح ہو جائے۔ جب صحابہ کرامؓ خود قدم قدم پر رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے قرآن کی تشریح و توضیح کے طالب تھے تو اس کے بعد کسی کو کیا حق باقی رہتا ہے کہ وہ از خود قرآن کے رموز کو سمجھنے کا دعویٰ کر سکے۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے محض اپنی بصیرت اور علمی و فکری صلاحیتوں کو کافی سمجھنا طفل تسلی ہے اور سراسر مثل سراب ہے۔ اس کے لیے آفتاب نبوت کی روشنی میں رہنمائی ضروری ہے۔

❀❀❀

Marfat.com

دوسرا باب

فن تفسیر اور تاویل

تفسیر کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

لفظ تفسیر کا مادہ ''فسر'' (ف۔س۔ر) ہے۔ ''فسر'' کے لفظی معنی کھول دینا، ظاہر کرنا اور واضح کرنا کے ہیں۔ اس علم میں کیونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لیے اسے علم تفسیر کہتے ہیں۔

تفسیر شریعت کا ایک اصطلاحی عنوان ہے۔ لغتِ عربیہ اور قواعد صرف ونحو کی رو سے محض قرآن کا ترجمہ کر دینے یا اجمالی مفہوم بیان کر دینے کو تفسیر نہیں کہا جا سکتا بلکہ تفسیر کا مفہوم یہ ہے کہ کلام الٰہی کے مطلب ومفہوم کے ساتھ یہ بھی بیان کیا جائے کہ نزول آیات کا سبب کیا ہے، زمانہ نزول میں حالات کیا تھے اور یہ بھی کہ آیات مکیہ ہیں یا مدنیہ، محکم ہیں یا متشابہ، ناسخ ہیں یا منسوخ، خاص ہیں یا عام، مطلق ہیں یا مقید، مجمل ہیں یا مفصل۔ مزید یہ کہ آیات کی دلالت حلت پر ہے یا حرمت پر، واجب پر ہے یا مستحب پر، آیات کا مضمون نوید پر ہے یا وعید پر، ان میں عبرت مقصود ہے یا صرف آگہی۔ غرض الفاظِ قرآن کے ان تمام پہلوؤں کو واضح کر دینے کا نام تفسیر ہے۔ لہٰذا تفسیر کے انہی معانی ومفاہیم کو مدنظر رکھتے ہوئے علمائے قرآن نے تفسیر کی درج ذیل اصطلاحی تعریفیں کی ہیں۔

علامہ زرکشیؒ کہتے ہیں:

''تفسیر وہ علم ہے جس سے قرآن کریم کا فہم حاصل ہو اور اس کے معانی کی وضاحت ہو اور اس سے اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جا سکے[1]۔

ابوحیان صاحب بحرالمحیط نے تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

ھو علم یبحث فیه عن کیفیة النطق با لفاظ القرآن و مد لولاتھا

Marfat.com

واحکامها الافرادية و التركيبية و معانيها التى تحمل عليها حالة التراكيب وتتماست لذالك[۲]

علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، ان کے مفہوم، ان کے انفرادی وترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں نیز ان معانی کا تکملہ، ناسخ ومنسوخ، شان نزول اور مبہم قصوں کی توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

علم تفسیر کے اجزاء

ابن حیان کی مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں علم تفسیر کے مندرجہ ذیل اجزاء سامنے آتے ہیں۔

۱۔ الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے

یعنی الفاظ کو کس طریقے سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کی توضیح کے لیے قدیم عربی مفسرین اپنی تفسیر میں آیت کے ساتھ اسی کی قرأتیں بھی تفصیل سے واضح کرتے تھے اور اسی مقصد کے لیے ایک مستقل علم قرأت ایجاد کیا۔

۲۔ الفاظ قرآن کے مفاہیم

یعنی الفاظ کے لغوی معنی اخذ کرنا۔ اس کام کے لیے علم لغت سے پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے اور اسی بناء پر تفسیر کی کتابوں میں علمائے لغت کے حوالے اور عربی ادب کے شواہد بکثرت ملتے ہیں۔

۳۔ الفاظ کے انفرادی احکام

یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کا مادہ کیا ہے۔ یہ موجودہ صورت میں کس طرح آیا ہے۔ اس کا وزن کیا ہے اور اس وزن کے معانی وخواص کیا ہیں۔ ان باتوں کے تعین کے لیے علم صرف کی ضرورت پڑتی ہے۔

Marfat.com

۴۔الفاظ کے ترکیبی احکام

یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ وہ دوسرے لفظ کے ساتھ مل کر کیا معنی دے رہا ہے۔اس کی لغوی ترکیب کیا ہے، اس پر موجود حرکات کیوں آئی ہیں اور یہ کون سے معنی پر دلالت کررہی ہیں۔اس کام کے لیے علم نحو اور علم معانی سے مدد لی جاتی ہے۔

۵۔ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی

یعنی پوری آیت اپنے سیاق وسباق کے حوالے سے کیا معنی دے رہی ہے۔اس مقصد کے لیے آیت کے مضامین کے لحاظ سے مختلف علوم سے مدد لی جاتی ہے۔بعض اوقات علم ادب اور علم بلاغت سے بھی کام لیا جاتا ہے، بعض اوقات علم حدیث سے اور بعض اوقات اصول فقہ سے بھی رجوع کیا جاتا ہے۔

۶۔معانی کے تکملے

یعنی آیاتِ قرآنی کا پس منظر اور جو بات قرآن کریم میں مجمل ہے اس کی تفصیل۔اس غرض کے لیے زیادہ تر علم حدیث سے کام لیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اقوال واعمال سے قرآنی احکام کی کس پیرائے میں وضاحت وصراحت کی لیکن اس کے علاوہ بھی میدان اتنا وسیع ہے کہ اس میں دنیا کے ہر علم وفن کی معلومات آسکتی ہیں[۳]۔

تاویل کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

لفظ تاویل کا مادہ ''اول'' ہے جس کے معنی رجوع کرنا ہے۔لہٰذا جو شخص تاویل کرتا ہے وہ کلام کو اس کے متعدد معنی میں سے کسی ایک کی جانب رجوع کرتا ہے۔اگرچہ احتمال ان تمام معانی کا ایک ہوتا ہے لیکن وہ ان میں سے کسی ایک کو مراد لیتا ہے۔

قرآن حکیم میں ''تاویل'' کا لفظ آیات قرآنی کے حقیقی معنوں کے تعین، کسی واقعے کی اصل حقیقت، نتیجہ وانجام اور تعبیر خواب کے لیے استعمال ہوا ہے مثلاً:

۱۔ فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله
(سورۂ آل عمران۔۷)

Marfat.com

ترجمہ: جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ اس میں سے متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں فتنے تلاش کرنے کے لیے اور اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے۔

اس آیت میں تاویل کا لفظ تفسیر و تعبیر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلاo (سورۃ النساء۔۵۹)

ترجمہ: پھر اگر تمھارا کسی چیز میں تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو تو یہ طریقہ اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔

اس آیت میں تاویل کا لفظ نتیجہ اور انجام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۳۔ ھل ینظرون الا تاویلہ (سورۃ الاعراف۔۵۳)

ترجمہ: اب کیا یہ لوگ اس (کتاب کے بتائے ہوئے) انجام کے سوا کسی اور انجام کا انتظار کر رہے ہیں۔

۴۔ بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ (سورۂ یونس۔۳۹)

ترجمہ: بلکہ انھوں نے اسی چیز کو جھٹلا دیا ہے جس کا یہ احاطہ نہیں کر سکتے اور جس کا انجام ان کے سامنے نہیں آیا۔

مندرجہ بالا دونوں آیتوں میں تاویل سے ایسے واقعہ کا ظہور پذیر ہونا مراد ہے جس کی کسی رسول یا نبی نے اطلاع دی ہو۔

۵۔ وکذالک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث (سورۂ یوسف۔۶)

ترجمہ: اور (جیسا کہ تو نے خواب میں دیکھا ہے) اسی طرح تیرا رب تجھے منتخب کرے گا اور تجھے باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھائے گا۔

۶۔ لا یاتیکما طعام ترزقانہ الانبأ تکما بتاویلہ (سورۂ یوسف۔۳۷)

ترجمہ: (یوسف نے کہا) نہیں آئے گا تمھارا وہ کھانا جو تمھیں یہاں دیا جاتا ہے مگر میں اس کے آنے سے پہلے تمھیں تعبیر بتا دوں گا۔

۷۔ وما نحن بتاویل الاحلام بعالمین (سورۂ یوسف۔۴۴)

Marfat.com

ترجمہ: اور ہم اس طرح کے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

سورۂ یوسف کی ان تینوں آیات میں تاویل سے مراد تعبیر خواب ہے۔

تفسیر اور تاویل میں فرق

غالباً تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک ''تفسیر'' اور ''تاویل'' کے مفہوم میں کوئی خاص فرق نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ دونوں الفاظ مترادف معانی کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ تب تک علمائے قرآن کریم خود تاویل کا لفظ تفسیر کے ہم معنی کے طور پر استعمال کرتے اور وہ قرآن کریم کی آیت وما یعلم تاویلہ الا اللہ (سورۂ آل عمران ۔۷) کو اس ضمن میں دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ لیکن اس کے بعد علمائے اصول اس لفظ کو ایک خاص اصطلاح اور معنی میں استعمال کرنے لگے۔ مثلاً:

۱۔ ''تفسیر'' قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ کی انفرادی تشریح کا نام ہے۔ اور ''تاویل'' جملے کی مجموعی تشریح کا۔

۲۔ ''تفسیر'' الفاظ قرآن کے ظاہری معنی بیان کرنے کو کہتے ہیں اور ''تاویل'' اصل مراد کی توضیح کو۔

۳۔ ''تفسیر'' اس آیت کی ہوتی ہے جس میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہو اور ''تاویل'' کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی جو مختلف تشریحات ممکن ہیں ان میں سے کسی ایک کو دلیل کے ساتھ اختیار کر لیا جائے۔

۴۔ ''تفسیر'' یقین کے ساتھ تشریح کرنے کو کہا جاتا ہے اور ''تاویل'' تردد کے ساتھ تشریح کرنے کو۔

۵۔ ''تفسیر'' الفاظ کے مفہوم بیان کر دینے کا نام ہے اور ''تاویل'' اسی مفہوم سے نکلنے والے سبق اور نتائج کی توضیح کا نام ہے[۴]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر اور تاویل کے مابین امتیاز کے بارے میں تفصیل کے ساتھ علماء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

☆ ابو عبیدہ اور ایک اور گروہ کہتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ یہاں تک

Marfat.com

کہ ابن حبیب نیشاپوری نے اسی موقف کی تائید کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارے زمانے میں ایسے مفسر پیدا ہوئے ہیں اگر ان سے تفسیر اور تاویل کے مابین فرق کو دریافت کیا جائے تو انھیں اس کا کچھ جواب نہیں سوجھ پڑے گا۔

☆ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام تر چیز ہے اور اس کا زیادہ تر استعمال لفظوں اور مفردات الفاظ میں ہوا کرتا ہے اور تاویل کا استعمال اکثر معانی اور جملوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ پھر تاویل کا زیادہ تر استعمال صرف کتب الٰہیہ کے بارے میں ہوتا ہے جب کہ تفسیر کا لفظ کتب الٰہیہ کے ساتھ ساتھ دوسری کتابوں کی تشریح و توضیح کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

☆ علامہ ابو طالب ثعلبی کہتے ہیں کہ تفسیر لفظ کی وضع کو بیان کرنے کا نام ہے اور ''تاویل'' کسی لفظ کے اندرونی مدعا کی تفسیر کا نام ہے۔

☆ ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ ''تاویل'' آیت کو ایسے معانی کی طرف پھیرنے کا نام ہے جو اس کے ماقبل اور مابعد کے ساتھ موافق ہوں اور آیت ان معنوں کی متحمل ہو پھر وہ معنی استنباط کے طریق سے بیان کیے جائیں کہ کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں۔ اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ تفسیر اصطلاح میں نزول آیات، ان کے شان نزول، ان کے قصوں اور اسباب نزول کو کہتے ہیں اور اس بات کو جاننے کو بھی تفسیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں کہ آیات قرآن کے مکی و مدنی، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفصل، حرام و حلال اور عبرت و امثال ہونے کی ترتیب معلوم ہو۔ ؎

☆ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہوتا ہے اور تاویل کا تعلق درایت کے ساتھ۔

☆ بعض مفسرین کا قول ہے کہ ترتیب عبارت سے جو مفہوم مقصود ہو اس کے بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں۔ اس کے برعکس عبارت سے جو مفہوم اشارتاً معلوم ہوتا ہے اس کے کشف و اظہار کا نام تاوِیل ہے۔

Marfat.com

المختصر! تاویل میں یہ بات پیش نظر ہوتی ہے کہ ایک لفظ میں جس قدر معانی کی گنجائش ہے ان میں سے ایک معانی کو دلیل کی بنیاد پر ترجیح دی جائے۔ ترجیح کا انحصار اجتہاد پر ہوتا ہے۔ اجتہاد کے سلسلہ میں اس کے مناسب وسائل و ذرائع سے مدد لی جاتی ہے۔ مثلاً یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس مفرد لفظ کے معنی لغت عرب میں کیا ہیں اور سیاق و سباق کے لحاظ سے یہاں کون سے معنی زیادہ صادق آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ زرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ مصر، ج ۱، ص ۱۳۔

۲۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ مصر، ج ۲ ص ۱۷۴۔

۳۔ محمد تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ص ۳۲۴۔

۴۔ محولہ بالا

۵۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن (اردو) ادارہ اسلامیات لاہور، ج ۲، ص ۴۲۵۔

Marfat.com

تیسرا باب

تفسیر کی اقسام

علم تفسیر ایک قدیم فن ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کی ابتداء صدر اسلام سے ہی ہو چکی تھی۔ دور رسالت ﷺ میں صحابہ کو نزول آیات کے اسباب اور موقع کے لحاظ سے ان کا مقصد و مدعا نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہو جاتا تھا۔

اس کے بعد جب صحابہ کا دور آیا تو انھوں نے تفسیر قرآن کے حوالے سے صرف توقیفی باتیں ہی کہیں یعنی جو انھیں بتائی گئی تھیں یا جن کی روایت اور نقل رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ان تک پہنچی تھی اور تفسیر کا یہی طرز اسلوب دور تابعین تک رائج رہا۔

اس کے بعد حالات و زمانہ کے ارتقاء میں ایسا دور بھی آیا کہ تفسیر قرآن کے بارے میں اختلاف رائے ہونے لگا کہ تفسیر کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات یعنی احادیث اور اس سے متعلق صحابہ و تابعین کی روایات پر ہی اکتفا کیا جائے یا کہ تفسیر میں وقت اور حالات کے اعتبار سے مفسر خود بھی اپنی رائے شامل کر سکتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں مفسرین ایک طبقہ اس موقف کا حامی تھا کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں صرف ماثور و منقول پر ہی اکتفا کیا جائے اور قرآن حکیم کے معانی کی بابت اپنی طرف سے ایک لفظ کہنا بھی گناہ ہے۔ اس طبقے نے اس نظریے کے تحت جو تفسیری سرمایہ محفوظ کیا اسے تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جس کا موقف تھا کہ حالات و زمانہ کے تغیر اور ارتقاء کے اعتبار سے انسانی زندگی کی تہذیب و تمدن میں آنے والی تبدیلیوں کے بارے میں قرآنی احکام کی تفسیر و تشریح میں اپنی رائے دینا وقت کی ضرورت ہے۔ اس نظریے کے تحت جو تفسیری سرمایہ مرتب ہوا اسے تفسیر کی دوسری بڑی قسم تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے۔

اب ہم تفسیر کی ان دونوں اقسام پر قدرے تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

Marfat.com

ا۔ تفسیر بالماثور یا تفسیر بالروایت

تفسیر بالماثور سے مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر خود قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ سے ہی کی جائے۔ بعض علماء اقوال تابعین کو بھی تفسیر بالماثور میں شامل کرتے ہیں۔

تفسیر بالماثور کا ارتقاء

"تفسیر بالماثور کا ارتقاء اس کے دونوں ادوار۔ دور روایت اور عہد تابعین تک جاری رہا۔ جہاں تک دور روایت کا تعلق ہے تو اس میں نبی کریم ﷺ خود مشکلات قرآن کی وضاحت فرمادیا کرتے تھے یا پھر صحابہ باہم اس کو ایک دوسرے سے نقل اور روایت کرتے اور آگے تابعین تک پہنچا دیتے۔

تابعین میں بعض ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے کہ جنھوں نے تفسیر قرآن کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ ان کو اس غرض سے آنحضرت ﷺ کی جتنی احادیث ملیں ان کو جمع و مرتب کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ اقوال صحابہ کو بھی یکجا کیا۔

اس کے بعد تبع تابعین کا دور آیا تو انھوں نے تابعین کے اقوال و آثار کو مدون و مرتب کیا اور اسی طرح تفسیر بالماثور کا سرمایہ بڑھتا گیا کہ ہر طبقہ اپنے سابقین کے اقوال و آثار کو روایت کرتا چلا گیا۔

اس کے بعد عہد تدوین کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے تفسیر بالماثور ہی مدون ہوئی۔ اس کا ارتقاء تدریجاً ہوا کیونکہ اصحاب الحدیث نے اس تفسیر کی بنیاد رکھی تھی اور انھوں نے اپنی مساعی جمیلہ میں تفسیر قرآن کو روایات جداگانہ کے طور پر مرتب نہیں کیا تھا بلکہ کتب حدیث میں ہی تفسیری روایت کے لیے ایک باب مختص کر دیا جاتا تھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار کو یکجا کر دیا جاتا تھا۔ آگے چل کر علم تفسیر حدیث سے الگ ہو گیا اور اس کو جداگانہ تالیف کا موضوع قرار دیا گیا۔ اس ضمن میں اولین رسالہ غالباً وہ ہے جس کو علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

پھر اس کے بعد قرآن کے سلسلہ میں ایسی ضخیم و عظیم کتابیں مرتب ہوئیں جنھوں نے سابقہ

11219

Marfat.com

تفسیری ذخیرے کو اپنے دامن میں سمولیا۔ ان میں وہ تمام تفسیری اقوال شامل کر لیے گئے جو صحابہ و تابعین کرام سے بھی مروی تھے۔ اصحاب الماثور نے جو شاندار تفسیری ذخیرہ چھوڑا اس کی ایک جھلک درج ذیل ہے۔

ا۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن	طبری، محمد بن جریر بن یزید
۲۔	بحر العلوم	سمرقندی، نصر بن محمد بن ابراہیم
۳۔	الکشف والبیان عن تفسیر القرآن	ثعلبی، ابو اسحٰق احمد بن ابراہیم
۴۔	معالم التنزیل	بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود
۵۔	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	اندلسی، ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عطیہ
۶۔	تفسیر القرآن العظیم	ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل
۷۔	الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن	الثعالبی، ابو زید عبد الرحمن بن محمد
۸۔	الدر المنثور فی التفسیر الماثور	سیوطی، جلال الدین، ابو الفضل عبد الرحمن

تفسیر بالماثور کے رجحان سے لکھی جانے والی یہ وہ کتابیں ہیں جنھیں ہر اہل علم جانتا ہے لیکن ان کے علاوہ متعدد کتابیں وہ ہیں جو دست برد زمانہ کے ہاتھوں ناپید ہوگئیں۔ آج حوالے کے طور پر ان کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔

۲۔ تفسیر بالرائے یا تفسیر بالدرایت

لفظ "الرائے" کا اطلاق اجتہاد اور قیاس پر کیا جاتا ہے۔ اس لیے قیاس کے قائلین کو اصحاب الرائے کہا جاتا ہے۔ اس طرح تفسیر بالرائے سے مراد وہ تفسیر ہے جو اجتہاد کی مدد سے کی جائے۔ یعنی کسی آیت کی تشریح و توضیح میں قیاس اور فہم و فراست کے مطابق اپنی رائے کو شامل کیا جائے۔

تفسیر بالرائے سے متعلق علماء قرآن کا موقف

تفسیر بالرائے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء قرآن کے اقوال مختلف رہے ہیں۔

Marfat.com

مخالفین تفسیر بالرائے کے دلائل

علماء کی ایک جماعت اس میں تشدد سے کام لیتی ہے اور تفسیر بالرائے کی بالکل اجازت نہیں دیتی۔ ان کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ کسی شخص کے لیے خود اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی عالم، ادیب، فقیہ اور ماہر نحو وصرف کیوں نہ ہو۔ پس قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں احادیث نبویہ اور آثار صحابہؓ وتابعین کی جانب ہی رجوع کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں مانعین تفسیر بالرائے پر مشتمل علماء کا طبقہ یہ دلائل دیتا ہے:

۱۔ قرآن حکیم کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی جانب محدود علم کے ساتھ ایک بات کو منسوب کرنا ہے اور یہ ممنوع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی رائے سے تفسیر کرنے والے کو کلی طور پر اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ آیت سے اللہ کی مراد کیا ہے بلکہ وہ اپنے ظن کی بنیاد پر ایک بات کہتا ہے اور ظن کی اساس پر کچھ کہنا گویا بغیر دلیل و برہان کے اللہ کی ذات پر ایک الزام عائد کرنا ہے۔ اور اس کی حرمت قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:

ولا تقف ما ليس لك به علم (سورۃ الاسراء۔۳۶)

ترجمہ: اور ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمھیں علم نہیں۔

۲۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم (سورۃ النحل۔۴۴)

ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ پر قرآن اتارا کہ لوگوں کے لیے آپ اس کی وضاحت بیان فرمائیں۔

مخالفین تفسیر بالرائے اس سے دلیل قائم کرتے ہیں کہ اس آیت میں توضیح اور تفسیر قرآن کے فرض کو آنحضرت ﷺ کی جانب منسوب کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کو قرآن حکیم کی تشریح وتوضیح کا کوئی حق نہیں ہے۔

۳۔ مخالفین تفسیر بالرائے اپنے موقف کے حق میں ان احادیث کو بھی بنیاد بناتے ہیں جو

Marfat.com

قرآن حکیم میں رائے زنی کرنے کی ممانعت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً

☆ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھ سے وہی حدیث روایت کرو جس کا تمھیں یقین ہو۔ جس شخص نے مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھا اس نے اپنا گھر جہنم میں بنایا اور جس نے قرآن میں رائے زنی سے کام لیا اس نے بھی اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالیا۔[1]

☆ حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی درست بات کہی تب بھی غلطی کھائی۔[2]

۴۔ مانعین تفسیر بالرائے کی چوتھی دلیل صحابہ و تابعین کے وہ اقوال و آثار ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ علمائے سلف تفسیر قرآن کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اور اس میں رائے زنی سے احتراز کرتے تھے مثلاً

☆ ابو ملکیہ روایت کرتے ہیں کہ جناب صدیق اکبرؓ سے قرآن حکیم کے کسی حرف کی تفسیر پوچھی گئی۔ فرمایا "جب مراد الٰہی کے خلاف میں قرآن کے کسی حرف کی تفسیر کروں تو کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہو گا، کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی، میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا۔"

☆ حضرت سعید بن المسیبؓ سے جب حلال و حرام سے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے مگر جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو خاموش رہتے گویا کچھ سنا ہی نہیں۔

☆ امام شعبی فرمایا کرتے تھے "جب تک زندہ ہوں تین چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ قرآن، روح، رائے و قیاس۔"

☆ اصمعی لغت و نحو کے جلیل القدر امام ہونے کے باوجود تفسیر قرآن سے احتراز کرتے تھے۔ جب کسی لفظ کے معنی دریافت کیے جاتے تو کہتے "عرب کہتے ہیں کہ اس کے معنی فلاں فلاں ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتاب و سنت میں کون سے معانی مراد ہیں۔"[3]

Marfat.com

۵۔ ابن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کرنے والا وہی شخص ہوگا جو کلام اللہ کی مراد بیان کرنے میں نہ صحابہ کی تفاسیر و اقوال کو ملحوظ رکھے اور نہ اصول شریعت اور قواعد عربیہ کی رعایت کرے بلکہ ان سب سے آزاد ہو کر اپنے افکار و خیالات کی ترجمانی کرتا ہو۔

۶۔ امام قرطبیؒ بیان کرتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کا منشاء اپنے خاص معتقدات اور خیالات کی جانب رجحان اور ان سے متاثر ہونا ہوتا ہے۔ فطرتاً خیالات کا رجحان انسان کو اپنی خواہشات کی جانب مائل کرتا ہے اور اس قسم کے جذبات مجبور کیا کرتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کو انسان اپنے ذوق اور خیالات کے مطابق بنائے۔ تو ایسی صورت میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیر ارادی طور پر آیات قرآنیہ کے مفہوم اور تعین میں اس کے ذاتی ان خیالات کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے جو اس کا خود اختیار کردہ مسلک ہے۔ وہ شخص طرح طرح کے تکلفات اختیار کر کے کسی نہ کسی طرح قرآن کی آیات اپنی خواہش اور مسلک کی طرف پھیرنے کی کوشش کرے گا جیسا کہ باطل پرست لوگ بعید از قیاس و تاویلات اختیار کرتے ہیں۔ جس سے ان کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعتقادی امور کی ان تاویلات کے ذریعے تائید کریں۔ بہرکیف یہ دونوں صورتیں تفسیر بالرائے کی ہیں۔ اول صورت کا حاصل جهل عن الحق اور ضلال و گمراہی ہے اور دوسری صورت تلبیس بین الحق و الباطل اور کتمان حق یعنی باطل کو بشکل حق ظاہر کرنا ہے اور اصل حق کو چھپانا ہے۔[۱۲]

۷۔ یہ بھی تفسیر بالرائے کی ایک شکل ہے کہ کسی آیت کے کوئی ایسے جدید معنی اختراع اور ایجاد کیے جائیں جس کی طرف نہ تو آنحضرت ﷺ نے کوئی اشارہ فرمایا ہو اور نہ ہی صالحین اور ائمہ متقدمین میں سے کسی کا ذہن اس عجیب و غریب معنی کی طرف گیا ہو۔ یہ تفسیر و تشریح بھی اصول شریعت کے لحاظ سے الحاد اور تحریف ہے کیوں کہ قرآن کے ایسے معنی جب آنحضرت ﷺ نے بھی نہ کیے اور صحابہ جن کی زندگیاں ہی قرآن و حدیث کی

Marfat.com

خدمت میں گزریں وہ بھی اس طرح کے مفہوم کو بیان نہ کر سکے اور اب کئی سو برس کے بعد لوگوں پر وہ معنی منکشف ہونے لگے ہوں، یہ انتہائی غیر منطقی بات ہے۔

موافقین تفسیر بالرائے کے دلائل

۱۔ موافقین تفسیر بالرائے (تفسیر بالرائے کو جائز اور صحیح سمجھنے والے) کہتے ہیں کہ ظن بھی علم کی ایک قسم ہے اور ظن اس وقت ممنوع ہوتا ہے جب قطعی و یقینی علم تک پہنچنا ہو مگر جہاں یقین کا کوئی امکان نہ ہو وہاں ظن جائز ہو سکتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے ظن کی بنیاد پر اجتہاد کرنے والے کو اجر و ثواب کی نوید سنائی ہے۔ مثلاً جب آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو دریافت کیا کہ آپ پیش آمدہ امور کا فیصلہ کیسے کریں گے۔ حضرت معاذؓ نے کہا، ''کتاب اللہ کی روشنی میں'' فرمایا، ''اگر کتاب میں اس کا حل موجود نہ ہوا تو......؟ کہا سنت رسول کے مطابق، فرمایا اگر اس میں بھی وہ مسئلہ موجود نہ ہوا تو......؟ معاذؓ کہنے لگے کہ میں اجتہاد سے کام لوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو شاباش دی اور فرمایا ''اللہ کا شکر ہے جس نے میرے تربیت یافتہ کو احکام خداوندی پر چلنے کی توفیق دی۔''

۲۔ موافقین تفسیر بالرائے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یقیناً سورۂ نحل کی آیت نمبر (۴۴) میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تشریح قرآن کا حکم دیا ہے۔ مگر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ آپ ﷺ نے پورے قرآن کی تفسیر نہیں کی جو تفسیر آپ ﷺ سے منقول ہے یقیناً اس میں کسی دوسرے کی رائے معتبر نہیں ہے مگر جس آیت کی تشریح آپ ﷺ نے نہیں کی اہل علم اس میں اجتہاد سے کام لے سکتے ہیں اور اس کی دلیل خود اسی سورۂ نحل کی آیت نمبر ۴۴ کے آخر میں موجود ہے کہ ولعلھم یتفکرون۔

۳۔ موافقین تفسیر بالرائے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ جن احادیث میں قرآن حکیم کے معنی و مفہوم میں رائے زنی سے منع کیا گیا ہے وہ ایسی رائے زنی ہے جو دلیل و برہان کے بغیر ہو۔ جہاں تک دلیل کے ساتھ رائے کا تعلق ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ ایسی

Marfat.com

رائے زنی یقیناً نا قابل اعتبار ہے جو صرف الفاظ قرآن کے معنی کی بنیاد پر کی جائے۔

۴۔ تفسیر بالرائے کو جائز قرار دینے والوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ علمائے سلف محض تقویٰ کے پیش نظر تفسیر بالرائے سے احتراز کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں قرآن کی تفسیر کرنے کے معنی اس امر کی شہادت دینا ہے کہ الفاظ قرآن میں مرادِ الٰہی یہی ہے لہٰذا وہ صرف اس اندیشہ کے پیش نظر تفسیر قرآن کی جسارت نہیں کرتے تھے کہ شائد ان کی تشریح میں مرادِ الٰہی وہ نہ ہو جو حق ہے۔

۵۔ موافقین کا موقف یہ بھی ہے کہ خود کتاب الٰہی کے اندر اس میں تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے:

افلا يتدبرون القرآن ام على قلوب اقفالها (سورۂ محمد۔۲۴)

ترجمہ: یہ قرآن پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔

دوسری جگہ پر ہے:

كتاب انزلنه اليك مبارك ليدبروا اياته (سورۂ ص۔۲۹)

ترجمہ: یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا تاکہ اس کی آیات میں غور و فکر کیا جائے۔

۶۔ صحابہ کرام جب قرآن حکیم کے معنی و مطالب پڑھتے تو اس میں باہم اختلاف بھی کرتے تھے کیوں کہ کچھ معانی و مطالب آنحضرت ﷺ نے بیان کیے تھے اور بعض انھوں نے اپنی ذاتی محنت و کاوش سے معلوم کیے تھے۔ اگر تفسیر بالرائے ممنوع ہوتی تو صحابہ کرامؓ خود غور و غوض کے ساتھ اختلاف معانی کا شکار نہ ہوتے۔

۷۔ ✓ موافقین تفسیر بالرائے کہتے ہیں کہ اگر تفسیر قرآن کا انحصار صرف روایت پر ہوتا تو نبی کریم ﷺ حضرت ابن عباسؓ کے حق میں یہ دعا نہ فرماتے کہ "اے اللہ ان کو دین کا فہم عطا فرما اور ان کو قرآن کی تاویل کا علم سکھا دے۔"

۸۔ امام غزالی اس ضمن میں کہتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنی عقلی استطاعت کے مطابق قرآن کریم سے استنباط مسائل کرے۔ قرآن عزیز کے

Marfat.com

معانی ومطالب کے فہم وادراک کا میدان نہایت وسیع ہے یہ غلط ہے کہ منقول تفسیر پر فہم وادراک کی حد ختم ہوجاتی ہے۔ ؎

اختلاف کی حقیقت

مخالفین اور موافقین تفسیر بالرائے کے دلائل سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تفسیر قرآن کے دو بنیادی فکر ہیں۔ پہلا فکر یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں اپنی طرف سے کچھ کہنے میں پرہیز کرنا چاہیے (تفسیر بالماثور) جس طرح کے صدر اوّل اور اس کے متصل لوگوں کا رویہ تھا۔ دوسرے مکتبہ فکر کا موقف یہ ہے کہ تفسیر قرآن ایک بڑی فراخ جولانگاہ ہے اور سلف سے جو تفسیر منقول ہے اس کے ساتھ مزید فہم وادراک کا دروازہ بند نہیں ہوگیا۔ (تفسیر بالرائے)

تاہم مانعین ومخالفین نے جس تشدد سے کام لیا اگر اس کے اسباب ووجوہ پر غور کیا جائے اور ساتھ ہی یہ دیکھا جائے کہ جن لوگوں نے تفسیر بالرائے کی اجازت دی ہے انھوں نے اس ضمن میں کون سی شرائط عائد کی ہیں جن کا پایا جانا تفسیر بالرائے کرنے والے میں ضروری ہے۔ اگر فریقین کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ دونوں افکار کے درمیان پایا جانے والا اختلاف محض لفظی ہے حقیقی نہیں۔

تفسیر بالرائے میں لفظ ''رائے'' کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک رائے وہ ہے جو کلام عرب کے موافق اور کتاب وسنت سے ہم آہنگ ہو اور اس میں تفسیر کی تمام ضروری شرائط کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ اس قسم کی رائے بلاشبہ درست اور جائز ہے۔ جن علماء نے تفسیر بالرائے کی اجازت دی ہے ان کی مراد اسی قسم کی رائے ہے۔

۲۔ دوسری قسم کی رائے وہ ہے جو قوانین عربیت کے خلاف ہو اور شرعی دلائل سے میل نہ کھاتی ہو اور اس میں تفسیر کی ضروری شرائط کا فقدان ہو۔ اس قسم کی رائے بلاشبہ ممنوع و مذموم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''تم کتاب اللہ کی طرف دعوت دینے والی ایسی قوموں کو بھی پاؤ گے جو بذات خود کلام الٰہی کو پس پشت ڈال چکے ہیں۔ ایسے حالات میں تم نے علم ودلیل کے دامن کو تھامے رکھنا ہے اور بدعات وتکلفات سے احتراز کرنا ہے۔

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد گرامی ہے:

"مجھے دو آدمیوں سے ڈر لگتا ہے، ایک وہ شخص جو قرآن عزیز کی غلط تاویل کرتا ہو اور دوسرا وہ جو بادشاہ کو اپنے بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہو۔"

یہ اقوال اسی قسم کی تفسیر کے بارے میں منقول ہیں جس میں قوانین لغت اور شریعہ کو اپنی ذاتی رائے اور اپنے مذہب و مسلک کے تابع بنا دیا گیا ہو۔ جن لوگوں نے تفسیر بالرائے سے منع کیا ہے وہ اسی قسم کی تفسیر ہے۔ امام ابن تیمیہ مخالفین و مانعین تفسیر بالرائے کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ائمہ سلف سے اس ضمن میں جو بھی اقوال منقول ہیں وہ اسی قسم کی تفسیر سے متعلق ہیں جو علم اور برہان کے بغیر ہو۔" جہاں تک لغت اور شریعت کے مطابق تفسیر کا تعلق ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں اور ان کے لیے یہ اقوال علم و تحقیق پر مبنی ہے۔ جو بات انھیں معلوم نہ ہوتی وہ اس کے بارے میں خاموشی اختیار فرماتے اور یہی بات اہل علم کے لیے واجب بھی ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اس کے بارے میں سکوت سے کام لیا جائے اور جو معلوم ہو اس کا برملا اظہار کر دیا جائے، اسے چھپایا نہ جائے خود نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

"جس سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اسے چھپایا تو روز قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔"

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے کی دو اقسام ہیں۔

ایک جو مذموم اور ناروا ہے، دوسری جو جائز اور درست ہے۔

پہلی قسم یقیناً ممنوع اور حرام ہوسکتی ہے اور دوسری قسم کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ و معانی میں غور و خوض اور اس سے احکام و مسائل کا استنباط سرے سے ہی چھوڑ نہیں دینا چاہیے کیونکہ قرآن حکیم نے خود جگہ جگہ اپنے اندر غور و فکر اور تدبر کی دعوت دی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اصول تفسیر کا عالم ہو وہ ان اصولوں کے مطابق قرآن میں غور و خوض اور احکام و مسائل کا استنباط کر سکتا ہے۔

Marfat.com

اصحاب الرائے کے گروہ نے اصول تفسیر کے مطابق قرآن وسنت کے حقیقی مضمرات کی نشاندہی کی ہے، فکری اور کلامی نکتہ سنجیوں کو نکھارا ہے اور تعبیر وتشریح کے دائروں میں وسعت پیدا کی ہے کیونکہ ہر نئے دور کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس میں پیش آمدہ مسائل کا قرآنی فکر کے مطابق حل پیش کیا جائے۔ یہ تاریخ کا ایک ناگزیر مرحلہ ہے کہ ہر دور اپنے ساتھ نئے مسائل لاتا ہے اور نئی ذہنی الجھنیں پیدا کرتا ہے۔ اصحاب الرائے تاریخ کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے فکر و تجسس کے جواہر کو جن کتابوں میں جمع کیا ان کی مختصر فہرست اس طرح ترتیب دی جاسکتی ہے۔

۱۔ مفاتیح الغیب	رازی، محمد بن عمر بن حسین، کنیت ابوعبید اللہ
۲۔ انوار التنزیل واسرار التاویل	بیضاوی، قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر
۳۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل	نسفی، حافظ عبدُ اللہ بن احمد
۴۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل	خازن، شیخ علاؤ الدین علی بن محمد ابراہیم
۵۔ البحر المحیط	ابوحیان، علامہ، اندلسی
۶۔ غرائب القرآن ورغائب القرآن	نیشاپوری، نظام الدین حسن بن محمد خراسانی
۷۔ جلالین	جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطی
۸۔ سراج المنیر	خطیب شربینی
۹۔ ارشاد العقل السلیم الیٰ الکتاب الکریم	ابوالسعود، محمد بن عمادی
۱۰۔ روح المعانی	آلوسی، سید محمود آفندی کنیت ابوالثنا، لقب شہاب الدین اور نسبت آلوسی بغدادی

حوالہ جات

۱۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ من ضحاک سلمی، الجامع الصحیح۔

۲۔ محولہ بالا۔

۳۔ حریری، غلام احمد، پروفیسر، تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۱۳۷۔

۴۔ کاندھلوی محمد مالک، مولانا، منازل العرفان فی علوم القرآن، ناشران قرآن مجید، اردو بازار لاہور، ص ۲۷۰۔

۵۔ الاحیاء، ج ۳، ص ۱۳۶۔

۶۔ حریری، غلام احمد، پروفیسر، تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۲۴۱۔

❀❀❀

Marfat.com

چوتھا باب

تفسیر قرآن کریم کے ماخذ

تفسیر قرآن حکیم کے ماخذ سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے ہم کسی آیت کی تفسیر معلوم کر سکتے ہیں۔اس ضمن میں ہمیں سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن حکیم کی آیات دو قسم کی ہیں۔

پہلی قسم کی آیات اتنی صاف، واضح اور آسان ہیں کہ جو کوئی اِن کو پڑھے گا ان کا مطلب فوراً سمجھ جائے گا۔اس لیے ایسی آیات کی تفسیر میں کسی اختلاف رائے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ایسی آیات کی تفسیر کا ماخذ صرف ''لغت عرب'' ہے۔ان کا مطلب سمجھنے کے لیے عربی زبان پر ماہرانہ نظر اور عقل سلیم کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

دوسری قسم ان آیات کی ہے جن میں کوئی اجمال، ابہام یا تشریحی دشواری پائی جاتی ہے، یا ان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ان کے پورے پس منظر کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یا ان سے دقیق قانونی مسائل یا گہرے اسرار و معارف منسلک ہوتے ہیں۔ایسی آیات کی تشریح کے لیے محض زبان دانی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بہت سی معلومات اور فہم کے کئی دوسرے ذرائع کی ضرورت ہے۔اس لحاظ سے تفسیر قرآن کے چھ بنیادی ماخذ ہیں۔

پہلا ماخذ: خود قرآن حکیم

تفسیر قرآن کا پہلا ماخذ خود قرآن حکیم ہے یعنی اس کی بہت سی آیات خود بھی دوسری آیات کی تفسیر اور وضاحت کر دیتی ہیں۔ایک جگہ کوئی بات مبہم انداز میں کہی جاتی ہے تو دوسری جگہ اسی ابہام کو دور کر دیا جاتا ہے مثلاً:

ا۔ اهدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیهم (سورۂ فاتحہ۔۵۔۶)

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت کیجیے ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا انعام کیا۔

Marfat.com

یہاں پر یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ جن لوگوں پر انعام کیا گیا ان سے کون لوگ مراد ہیں، لیکن دوسری جگہ ارشاد ہے:

ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں

فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين و الصديقين و الشهدآء والصلحين٥ (سورۃ النساء۔۶۹)

شہداء اور صالحین کے ساتھ

اسی طرح سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه (سورۃ البقرہ۔۳۷)

ترجمہ: پس آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔

لیکن یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ کلمات کیا تھے۔ دوسری جگہ پر ان کلمات کی وضاحت کردی گئی:

قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنكونن من الخاسرين ٥

(سورۃ الاعراف۔۲۳)

ترجمہ: انہوں نے (آدم وحوانے) کہا اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس آیت کی تفسیر مطلوب ہے اگر اس کے ظاہری معنی محدود بھی معلوم ہوں لیکن اس کا سیاق وسباق، مفہوم ومطالب کی پوری وضاحت کردیتا ہے۔

وان سالتموهن متاعا فسئلوهن من ورآء حجاب (سورۃ الاحزاب۔۵۳)

ترجمہ: اور (اے مسلمانو) جب تم ان (ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔

اس آیت کے بارے میں بعض ناواقف لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ صرف ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہے۔ حالانکہ اس آیت کا اگلا جملہ وضاحت کررہا ہے کہ اس حکم کا اطلاق تمام عورتوں پر ہوتا ہے۔

ذلكم اطهر لقلوبكم وقلوبهن (سورۃ الاحزاب۔۵۳)

Marfat.com

ترجمہ: یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے بھی اور ان کے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی کا سبب ہے۔

اب ظاہر ہے کہ دلوں کی پاکیزگی صرف ازواج مطہراتؓ ہی کے لیے مطلوب نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان عورتوں سے مطلوب ہے۔ لہٰذا آیت کے حکم کو محض ازواج مطہراتؓ سے مخصوص کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

دوسرا ماخذ: احادیث نبویہ

تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ آنحضرت ﷺ کی احادیث ہیں۔ قرآن حکیم نے خود متعدد مقامات پر واضح فرمایا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اس دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد یہی تھا کہ آپ قول وفعل سے آیات قرآنی کی تفسیر فرمائیں۔

وانزلنا الیك الذكر لتبین للناس ما نزل الیهم (سورۃ النحل۔۴۴)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل کیا کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرمائیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ آپ ﷺ کا مقصد بعثت یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے قرآن کریم کی توضیح فرمائیں۔

یہاں خود قرآن کریم نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ سرکار کائنات حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ دنیا کو قرآن کریم کی ہدایات اور اس کے اسرار و معارف سے آگاہ کریں اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے سکھلائیں۔

اس لیے خود قرآن حکیم سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات تفسیر قرآن کا اہم ترین ماخذ ہیں۔

یوں بھی اس بات کے لیے کسی لمبی چوڑی منطق کی ضرورت نہیں کہ کسی آسمانی کتاب کی صحیح تشریح اس سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے جس پر وہ کتاب نازل ہوئی۔ اس دنیا میں اس شخص سے بڑا احمق کوئی نہیں ہوسکتا جو یہ کہے کہ قرآن حکیم نازل تو آنحضرت ﷺ پر ہوا ہے لیکن اس کی تفسیر زیادہ

Marfat.com

میں جانتا ہوں۔

بعض لوگ یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی اہمیت تو مسلمہ ہے مگر چونکہ وہ ارشادات ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچے اس لیے ہم ان پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ اس مغالطے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف آنحضرت ﷺ کو قرآن کریم کا معلم بنا کر بھیجا اور بار بار واضح فرمایا کہ آپ کو کتاب اللہ کی تشریح و توضیح کے لیے بھیجا جا رہا ہے اس لیے قیامت تک مسلمانوں کا فرض ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کی پیروی کریں لیکن آپ ﷺ کی تعلیمات و تشریحات کو قیامت تک باقی رکھنے کا کوئی محفوظ انتظام نہیں ہو سکا۔ کیا یہ بات کوئی ایسا شخص کہہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ پر ایمان رکھتا ہو؟

بعض لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے زمانے کے لیے معلم القرآن تھے لیکن ہمارے زمانے میں آپ ﷺ کی تعلیمات کی (معاذ اللہ) ضرورت نہیں رہی۔ اس احمقانہ بات کا رد پہلے تو اسی حقیقت سے ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام جن کی مادری زبان عربی تھی جو اس کے ایک ایک لفظ کا لغوی اور محاوراتی مفہوم بھی جانتے تھے جو نزول قرآن کے پورے ماحول سے نہ صرف باخبر تھے بلکہ اس سے عملاً گزر رہے تھے اور جو ایک ایک آیت کے پورے پورے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے انھیں اپنے رسول ﷺ کی تعلیم اور تربیت کے بغیر قرآن سمجھ نہ آ سکا اور ان کے مقابلے میں اس زمانے کے لوگ جن کی مادری زبان عربی ہے نہ نزول قرآن کا ماحول ان کے سامنے ہے اور نہ اس کے پس منظر سے وہ آگاہ ہیں ان کو قرآن کریم کی تفسیر جاننے کے لیے کسی پیغمبر کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے......؟ اگر انسان میں عقل و خرد، عدل و انصاف اور فہم و بصیرت کی ذرا برابر بھی رمق موجود ہو تو اس بے سروپا بات پر کون یقین کر سکتا ہے......؟

یہ ایک بڑا مفصل موضوع ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات جن ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں وہ کس قدر قابل اعتماد ہیں۔ اس موضوع پر اطمینان کے لیے علم حدیث اور فن اسماء الرجال کے علم پر پورے پورے کتب خانے موجود ہیں۔ اگر سچے دل سے ان علوم کا مطالعہ کیا جائے تو انسان اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کو یونہی رہتی دنیا تک

Marfat.com

واجب الاتباع قرار نہیں دیا بلکہ پہلے اس کی حفاظت کا انتظام فرمایا ہے۔ حدیث کے دوسرے علوم کو ایک طرف رکھ کر تدوین حدیث کے دوران جنم لینے والے علم اسماء الرجال کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ ہمارے محدثین کا ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے کہ جس کی نظیر دنیا میں کوئی قوم پیش نہیں کر سکی۔ آنحضرت ﷺ سے لے کر ہمارے زمانے تک جس کسی شخص نے کوئی حدیث بیان کی اسماء الرجال کی کتابوں میں اس کا پورا کچا چٹھا بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ کہاں پیدا ہوا؟ اس کا عام کردار کیسا تھا؟ حافظہ کس درجہ کا تھا؟ کس کس سے حدیث کا علم حاصل کیا؟ کن کن راویوں سے اس کی ملاقات ہوئی؟ وہ خود روایت کو بیان کرتے ہوئے احتیاط کو کس حد تک مدنظر رکھتا تھا۔ اس کے ہم عصر اور بعد کے علماء نے اس کے بارے میں کیا رائے ظاہر کی۔ آج بھی حدیث کی کسی کتاب میں جس حدیث کے جس راوی کا نام چاہے نکال لیجئے، اسماء الرجال کی کتابوں میں اس کے متعلق مذکورہ بالا سوالات کا جواب مل جائے گا۔ اس کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کی احادیث سے انکار و اعراض ایک ایسا طرز عمل ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ البتہ یہ درست ہے کہ احادیث کے موجودہ ذخیرے میں صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات ملتی ہیں۔ لہٰذا جو روایت جہاں مل جائے اسے پڑھ کر کوئی فیصلہ کر لینا درست نہیں بلکہ اصول حدیث کے مطابق اسے اچھی طرح جانچنے اور چھاننے کی ضرورت ہے کہ وہ ان اصولوں پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔ خاص طور پر تفسیر کی کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں ان کی چھان پھٹک اس لیے زیادہ ضروری ہے کہ بیشتر مفسرین نے اپنی کتابوں میں ہر کسی کی روائتیں جمع کر دی ہیں لہٰذا ان روایات سے ٹھیک ٹھیک استفادہ وہی کر سکتا ہے جو علم حدیث اور اس کے متعلقات پر ماہرانہ نگاہ رکھتا ہو اور جسے صحیح و سقیم روایات کو پرکھنے کے اصول معلوم ہوں۔

تیسرا ماخذ: اقوال صحابہ

جن حضرات نے قرآن کریم کی تعلیم براہ راست آنحضرت ﷺ سے حاصل کی وہ صرف صحابہ کرامؓ ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات نے اپنی پوری زندگی اسی کام کے لیے وقف کی ہوئی تھی کہ قرآن حکیم، اس کی تفسیر اور متعلقات کو براہ راست آپ ﷺ کے اقوال و افعال سے حاصل

Marfat.com

کریں۔ یہ حضرات اہل زبان بھی تھے اور نزول قرآن کے ماحول سے پوری طرح باخبر بھی لیکن انھوں نے اپنی زبان دانی پر بھروسہ کرنے کی بجائے قرآن حکیم کو سبقاً سبقاً آپ ﷺ سے پڑھا۔ مشہور تابعی امام عبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے جو حضرات قرآن حکیم کی تعلیم دیا کرتے تھے مثلاً حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ نے ہمیں بتایا کہ وہ جب دس آیتیں حضور نبی کریم ﷺ سے سیکھتے تو اس وقت تک ان سے آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کی تمام علمی و عملی باتوں کا علم نہ حاصل کرلیں۔"[1]

چنانچہ مسند احمد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

"جب کوئی شخص سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نگاہوں میں وہ بہت قابلِ احترام ہو جاتا تھا۔"[2] موطا امام مالک میں روایت ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمرؓ آٹھ سال تک صرف سورۃ بقرہ یاد کرتے رہے۔"[3]

سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کوئی اس قدر ضعیف الحافظہ نہیں تھے کہ سورۂ بقرہ کے محض الفاظ یاد کرنے کے لیے آٹھ سال خرچ ہو جائیں، یقیناً یہ مدت اس لیے صرف ہوئی کہ وہ الفاظ قرآن کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر اور جملہ متعلقات کا بھی علم حاصل کرتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس کے بارے میں اور کہاں نازل ہوئی اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ چلے جو کتاب اللہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہو تو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی احادیث کے بعد تفسیر قرآن کا تیسرا اہم ماخذ صحابہ کرامؓ کے اقوال ہیں، جنھوں نے محنت و جانفشانی سے قرآن کریم کی تفسیر سیکھی تھی۔ لیکن یہاں بھی چند امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

Marfat.com

۱۔ صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال میں بھی صحیح وسقیم ہر طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔ لہٰذا ان اقوال کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اصول حدیث کے مطابق ان کی جانچ پڑتال ضروری ہے۔

۲۔ صحابہ کرام کے اقوال اس وقت حجت ہوں گے جب آنحضرت ﷺ سے آیت کی کوئی صریح تفسیر کسی مستند طریقے سے ثابت نہ ہو۔ اگر آپ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر صحیح احادیث میں موجود ہو تو اقوال صحابہ کی حیثیت محض تائیدی ہوگی اور اگر کوئی قول آپ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کے برعکس ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ جہاں آنحضرت ﷺ سے کوئی تفسیر مستند روایات میں منقول نہ ہو اور صحابہ کرامؓ کی بیان کی ہوئی تفسیروں میں کوئی اختلاف بھی ہو تو وہاں اقوال صحابہ کو ہی اختیار کیا جائے گا۔

۴۔ جہاں صحابہ کی بیان کردہ تفسیروں میں کوئی اختلاف ہو وہاں اول یہ دیکھا جائے گا کہ ان مختلف اقوال میں کوئی ہم آہنگی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہم آہنگی ہو سکتی ہے تو اس پر عمل ہوگا اور اگر اختلاف ناقابل تطبیق ہو تو ایک مجتہد جس قول کو دلائل کے لحاظ سے مضبوط پائے اسی کو اختیار کر سکتا ہے۔[۴]

چوتھا ماخذ: اقوال تابعین

تابعین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا۔ اس مسئلے میں علماء کا کچھ اختلاف ہے کہ تفسیر میں تابعین کے اقوال حجت ہیں یا نہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اس سلسلے میں بہترین محاکمہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تابعی اگر کوئی تفسیر کسی صحابی سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابہ کرام کی تفسیر کا ہے اور اگر وہ خود اپنا قول بیان کرے تو یہ دیکھا جائے کہ دوسرے کسی تابعی کا قول اس کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر کوئی قول اس کے خلاف موجود ہو تو اس وقت تابعی کا قول حجت نہیں ہوگا بلکہ اس آیت کی تفسیر کے لیے قرآن کریم، لغت عرب، احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے گا اور اگر تابعین میں اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلاشبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الاتباع ہوگی۔[۵]

Marfat.com

پانچواں ماخذ: لغت عرب

جس آیت کا مفہوم بدیہی طور واضح ہو اور جس کے مفہوم میں کوئی الجھن، اشتباہ یا ابہام و اجمال نہ ہو اور نہ اسے سمجھنے کے لیے کسی تاریخی پس منظر کو جاننے کی ضرورت ہو وہاں عربی لغت ہی تفسیر کا واحد ماخذ ہے لیکن جہاں کوئی ابہام و اجمال پایا جا رہا ہو یا جو آیت کسی واقعاتی پس منظر سے وابستہ ہو یا اس سے فقہی احکام مستنبط کیے جا رہے ہوں وہاں محض لغت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی صورت میں تفسیر کی اصل بنیاد خود قرآن کریم، سنت نبویہ اور آثار صحابہ و تابعین پر ہوتی ہے لیکن ان ماخذ کے بعد لغت عرب کو بھی سامنے رکھا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان ایک وسیع زبان ہے اور اس میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہیں اور ایک ایک جملے کے متعدد مفہوم ہو سکتے ہیں۔ اسی بناء پر بعض حضرات نے 'مطلق لغت' کو مستقل ماخذ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ بلکہ امام محمدؒ سے یہ قول منسوب ہے کہ وہ لغت کے ذریعے قرآن کریم کی تفسیر کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ لیکن علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا مقصد تفسیر میں لغت کا بالکل ہی نظر انداز کرنا نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ کسی آیت کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر ایسے معانی نہ بیان کیے جائیں جو قلیل الاستعمال اور غریب لغوی تحقیقات پر مبنی ہوں۔ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم عرب کے عام محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے لہٰذا جس جگہ قرآن و سنت یا آثار صحابہ میں کسی لفظ کی تفسیر موجود نہ ہو وہاں آیت کی وہ تفسیر کی جائے گی، جو اہل عرب کے عمومی محاورات میں سمجھی جاتی ہو۔ ایسے مواقع پر اشعار عرب سے استدلال کر کے کوئی ایسے قلیل الاستعمال معنی بیان کرنا بالکل غلط ہے جو لغت کی کتابوں میں تو لکھے ہوئے ہیں لیکن عام بول چال میں استعمال نہیں ہوتے۔

چھٹا ماخذ: عقل سلیم

عقل سلیم کی ضرورت یوں تو دنیا کے ہر کام کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ پچھلے پانچ ماخذ سے استفادہ بھی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہاں اس کو ایک مستقل ماخذ کے طور پر ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے اسرار و رموز اور معارف و مسائل ایک بحر زخار کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں کسی بھی دور میں یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اب ان کی انتہا ہو گئی ہے اور اس

Marfat.com

سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اسرار وحقائق پر غور وفکر کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم وعقل اور حیثیت وانابت کی دولت سے نوازا ہے وہ تدبر کے ذریعے نئے سے نئے حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہر دور کے مفکرین اور مفسرین اپنے اپنے فہم کے مطابق ان حقائق میں اضافہ کرتے آئے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کی دعا آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے فرمائی تھی۔

اللهم علمه التاويل و فقهه فى الدين

ترجمہ: یا اللہ اسے قرآن کی تفسیر وتاویل کا علم اور دین میں سمجھ عطا فرما۔

لیکن یہاں پر یاد رہے کہ عقل وفہم سے مستنبط کیے ہوئے وہی حقائق واسرار معتبر ہیں جو دوسرے شرعی اصول یا دوسرے پانچ ماخذ سے متصادم نہ ہوں اور اگر اصول شریعہ کو توڑ کر قرآن کی تفسیر میں کوئی نکتہ بیان کیا جائے تو دین میں اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ [۶]

حوالہ جات

۱۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان، ج ۲، نوع ۷۸۔

۲۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان، ج ۲، نوع ۷۸۔

۳۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان، ج ۲، نوع ۷۸۔

۴۔ تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن، ص ۳۴۰۔

۵۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۵، بحوالہ علوم القرآن ص ۳۴۱۔

۶۔ محمد تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن، ص ۳۵۳۔

❁❁❁

Marfat.com

پانچواں باب

تفسیری ادب کا ارتقاء

ارتقائے تفسیر کا پہلا مرحلہ

تفسیری ادب کے ارتقاء کا پہلا مرحلہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے دور سے شروع ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر نبوت کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ آپ اپنے قول وفعل سے لوگوں کے سامنے قرآنی آیات کی تشریح اور تفسیر بیان کریں۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات میں آپ ﷺ کی اس ذمہ داری سے متعلق واضح ارشادات بھی موجود ہیں۔

☆ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم و لعلھم یتفکرون
(سورۃ النحل ۔ ۴۴)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (نصیحت) اتارا تا کہ اس میں جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں تا کہ وہ اس میں سوچیں۔

☆ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتب و الحکمۃ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون (سورۃ البقرہ ۔ ۱۵۱)

ترجمہ: جس طرح تم لوگوں میں سے ہم نے رسول بھیجا تا کہ وہ تم کو ہماری آیات پڑھ کر سنائے اور تم کو فہم ودانائی اور کتاب الٰہی کی باتیں بتلائے اور تم کو ان باتوں کی بھی تعلیم دے جن کو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

☆ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ (سورۃ آل عمران ۔ ۱۶۴)

ترجمہ: حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا جو ان لوگوں کو قرآن کی آیات پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب وحکمت کی

Marfat.com

تعلیم دے۔

☆ وما ارسلنا من رسول الابلسان قومه ليبين لهم (سورۃ ابراہیم۔۴)

ترجمہ: ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے اپنی قوم کی زبان دے کر بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے اچھی طرح بیان کر دے۔

ان آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن حکیم کی زبانی اور عملی تفسیر کا فرض بھی سونپا تھا اور آپ ﷺ نے اپنے اس فرض کو بحسن وخوبی نبھا کر دکھایا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دین، حق کی اصل صورت میں انسانوں کو دعوت عمل دے رہا ہے۔

قرآن حکیم میں اگر حکم ہوا:

اقیموا الصلوٰۃ (سورۃ البقرہ۔۴۳) [نماز قائم کرو]

تو قرآن کے اس حکم کی تفسیر آنحضرت ﷺ نے یوں فرمائی۔

صلوا کمار ایتمونی۔[1] [تم ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو]

چنانچہ قرآن حکیم نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے شارح ہونے کی حیثیت سے پیش کیا کہ آپ کلام اللہ کے اجمال کی تفصیل اور اطلاق کی تشریح فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ توضیح وتشریح صرف کلام اللہ کے الفاظ کی قرأت کر کے نہیں ہوتی بلکہ قول وعمل کے ذریعے تفسیر ضروری ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری تھی کہ آپ ﷺ اپنے حسن عمل سے اس کلام کو نازل کرنے والے کا منشاء و مقصود ظاہر کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وفعل کے ذریعے سے قرآن کی تفسیر کی تو ہمیں پتہ چلا کہ ''اقیموا الصلوٰۃ'' کا مفہوم کیا ہے۔ صلوٰۃ یعنی نماز کی رکعتیں اور ذکر وتسبیحات کیا ہیں، قیام و سجدہ کیا ہے اور دیگر امور کی تفصیلات کیا ہیں۔

شارح قرآن حکیم نے شرح کی تو ہمیں پتہ چلا ''واتو الزکوٰۃ'' (سورۃ البقرہ۔۴۳) کا مطلب کیا ہے، اس کا نصاب کیا ہے، زکوٰۃ کن پر واجب ہے اور اس کی باقی شرائط کیا ہیں۔

اس مفسر اعظم نے بتلایا تو ہم پر یہ راز کھلا کہ ''ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا'' (سورۃ آل عمران۔۹۷) کا مطلب کیا ہے۔ حج کے مناسک اور آداب

Marfat.com

کیا ہیں، سعی اور طواف کیا ہے۔

الغرض حضور اکرم ﷺ کی ذات ہی وہ چشمہ صافی ہے جس سے احکام الٰہی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ قرآن حکیم مجموعہ قوانین اور اسلامی طرزِ زندگی کے اصول و قوائد کا جامع ہے۔ حدیث نبوی نے ہی اس کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توضیح کی ہے۔ خود قرآن نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے شارح اور ترجمان ہیں۔

آپ ﷺ کی مجلس وعظ و نصیحت اور تعلیم و ارشاد کی مجلس ہوتی تھی۔ قرآنی احکام کے مطابق آپ ﷺ لوگوں کے اخلاق درست کرتے تھے۔ آپ کی ہر حدیث قرآن کی تفسیر ہے لیکن بعض اوقات آپ عین قرآنی آیات کی تشریح و توضیح فرماتے تھے، جسے آئمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں کتاب التفسیر کے عنوان سے منقول بھی کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کو عرب ہونے کی وجہ سے قرآن کے معانی و مطالب معلوم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی، تاہم بعض مقامات پر جہاں زیادہ اجمال یا ابہام ہوتا صحابہ خود رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیتے تھے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے۔

> "نبی کریم ﷺ مجمل آیات کی تشریح فرماتے۔ ناسخ و منسوخ کے مابین امتیاز قائم فرماتے اور صحابہ کو بھی اس سے آگاہ کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہ آیات کے اسباب نزول اور موقع محل سے آشنا تھے۔ انھوں نے یہ سب کچھ آپ ﷺ ہی سے معلوم کیا تھا۔"[۲]

خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سارا نبوی دور قرآن کریم کی تفسیر کا دور ہے۔ کیونکہ اس سارے دور میں قرآن مجید حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور آپ ﷺ ساتھ ہی ساتھ نازل ہونے والی آیات کا مطلب و مدعا لوگوں کو بتاتے رہے۔

تفسیر رسول ﷺ کے چند نمونے

۱۔ حضرت عدی بن حیانؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ میں "مغضوب علیھم" سے مراد یہودی ہیں جب کہ "الضالین" سے مراد نصاریٰ ہیں۔[۳]

Marfat.com

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کی آیت ''حافظوا علی الصلوٰت و الصلوٰۃ الوسطی ''(سورۃ البقرہ۔۲۳۸) سے مراد عصر کی نماز ہے۔[۴]

۳۔ حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم (سورۃ الانعام۔۸۲)

تو لوگوں پر نہایت ناگواری گزری۔ صحابہ نے عرض کیا ''حضور ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہیں کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''آیت کا مطلب وہ نہیں ہے جو تم نے سمجھا ہے۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی'' ''ان الشرك لظلم عظیم ''(سورۂ لقمان۔۱۳) یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔[۵]

۴۔ حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے برسر منبر یہ آیت پڑھی۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة (سورۃ الانفال۔۶۰)

(کفار کے مقابلے کے لیے) جتنی قوت ہو سکے تیار کر کے رکھو۔

آپ ﷺ نے فرمایا اس آیت میں قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔[۶]

۵۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ''حج اکبر کا دن کون سا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ذوالحجہ کی دسویں تاریخ''۔[۷]

۶۔ حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے آیت قرآنی ''والزمهم كلمة التقوى ''میں ''كلمة التقوى'' سے کلمہ طیبہ مراد ہے۔[۸]

کیا آنحضرت ﷺ نے پورے قرآن کی تفسیر فرما دی تھی؟

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے سامنے کیا پورے قرآن کی تفسیر فرما دی تھی یا قرآن حکیم کے کچھ حصہ کی تفسیر بیان کی تھی؟

علمائے کرام اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے

Marfat.com

پورے قرآن کی تفسیر فرما دی تھی اور بعض کا خیال ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قرآن کے کچھ حصہ کی تفسیر بیان فرمائی تھی۔ اول الذکر فریق کے حامی ابن تیمیہ ہیں جب کہ موخر الذکر فریق کے حامی امام جلال الدین سیوطی ہیں۔

فریق اوّل کے دلائل

۱۔ جو فریق اس موقف کا حامی ہے کہ آپ ﷺ نے پورے قرآن کے معانی بیان فرما دیے تھے ان کا خیال ہے کہ سورۃ النحل کی آیت "وانزلنا الیك الذكر لتبین للناس ما نزل الیھم" اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں کے لیے واضح کر دیں میں "لتبین" کے معنی الفاظ و معانی دونوں کو کھول کر بیان کرنا ہے۔ لہٰذا قرآن کی اس ہدایت کے مطابق لازمی آپ ﷺ نے پورے قرآن کو وضاحت سے بیان کر دیا ہوگا۔

۲۔ مشہور تابعی عبداللہ بن حبیب ابو عبدالرحمٰن اسلمی بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ ہمیں قرآن پڑھانے والوں مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ، نے بتایا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ سے دس آیات پڑھ لیتے تو اس وقت تک سے آگے نہ پڑھتے جب تک ان آیات کے معنی سے آگاہ نہ ہو جاتے۔ اس طرح انھوں نے آنحضور ﷺ سے قرآن کریم کے ساتھ علم و عمل بھی سیکھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک سورت حفظ کرنے یا سیکھنے میں کافی مدت لگا دیا کرتے تھے۔ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سورہ بقرہ حفظ کرنے میں آٹھ سال لگا دیے۔

۔ جب کوئی قوم کسی فن کی کوئی کتاب پڑھتی ہے تو اس کا مطلب بھی سمجھتی ہے مثلاً طب یا علم حساب کی کتاب بغیر سمجھ کر پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا پھر کتاب الٰہی کے بارے میں کیسے ممکن ہے کہ صحابہ نے اس کو بلا سوچے سمجھے پڑھ لیا ہوگا جب کہ اس کتاب پر دنیاوی و اخروی فلاح و نجات کا بھی انحصار ہے۔

Marfat.com

فریق ثانی کے دلائل

دوسرا فریق جو یہ رائے رکھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سارے قرآن کی نہیں بلکہ قرآن کے کچھ کچھ حصوں کی تفسیر فرمائی تھی، اس کے یہ دلائل ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو پورے قرآن کے معنی بیان کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس کے بندے خود قرآن میں غور و فکر سے کام لیں۔[۹]

۲۔ اگر نبی کریم ﷺ پورے قرآن کے معانی صحابہ کو سکھا دیتے تو خاص طور پر ابن عباسؓ کے حق میں یہ دعا نہ فرماتے کہ ''اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔'' بلکہ تمام صحابہ قرآن کے جملہ معانی سے آگاہ ہوتے اور اس حوالے سے سب صحابہ کا مساوی درجہ ہوتا۔[۱۰]

مسلک اعتدال

اس ضمن میں قرین عقل و قیاس بات یہ ہے کہ مسلک اعتدال ان دونوں کے بین بین ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کے اکثر حصہ کے معانی بیان فرما دیے تھے۔ جیسا کہ کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے، مگر سارے قرآن کی تفسیر بیان نہیں فرمائی۔ اس موقف کی حمایت میں ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ تفسیر کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ قرآن کریم کے وہ معانی جن کا تعلق عربی زبان کے فہم و ادراک کے ساتھ ہے۔

۲۔ قرآن کا وہ حصہ جس کے نہ جاننے کی وجہ سے کسی کو معذور قرار نہیں دیا جا سکتا، یعنی عام طور پر بہ سہولت خود ہی سمجھ آ جاتا ہے۔

۳۔ وہ تفسیر جو علماء کا حصہ ہے اور وہ بخوبی اس سے آگاہ ہیں۔

۴۔ وہ تفسیر جس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[۱۱]

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کے اس حصہ کی تفسیر بیان نہیں فرمائی جس کا تعلق کلام عرب کی معرفت و ادراک کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ قرآن خود ان کی زبان میں نازل ہوا تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے اس حصہ کی توضیح نہیں فرمائی تھی جو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور اس کے نہ جاننے کی وجہ سے کسی کو معذور قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے ان چیزوں پر بھی روشنی نہیں ڈالی جن کا علم صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے مثلاً قیام قیامت، حقیقت روحِ اور دیگر غیبی حقائق جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مطلع نہیں کیا تھا۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے بعض ان غیبی حقائق کی توضیح ضرور فرمائی تھی جو لوگوں سے پوشیدہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سے باخبر کر دیا تھا اور ان کے اظہار و بیان کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح تفسیر کی تیسری قسم جس کا تعلق علماء کے اجتہاد و استنباط کے ساتھ ہے آپ ﷺ نے اس پر بھی روشنی ڈالی تھی اور جہاں جہاں الفاظ قرآن میں اخفا اور التباس تھا آپ ﷺ نے اس کو بھی دور کر دیا تھا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے درمیان بعض آیات کی تاویل میں رونما ہونے والا اختلاف بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے پورے قرآن کے معنی بیان نہیں فرمائے تھے۔ اگر ان آیات سے متعلق ان صحابہ کے پاس کوئی ٹھوس وضاحت موجود ہوتی تو اختلاف کی کوئی گنجائش نہ ہوتی اور اگر اختلاف ہوتا بھی تو آنحضرت ﷺ کی طرف سے تفسیر آجانے کے بعد وہ اختلاف دور ہو جاتا۔

وحی غیر متلو تفسیر قرآن بھی ہے

حضرت مقدامؓ بن معد روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے فرمایا مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل ایک اور چیز...... عنقریب ایک سیر شکم آدمی مسند سے ٹیک لگائے یوں کہے گا کہ قرآن کا دامن تھامے رکھو جو چیز اس میں حلال ہو اس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہوا سے حرام خیال کرو۔ سن لو پالتو گدھا تمہارے لیے حلال نہیں اور کچلیوں سے کھانے والے درندے بھی حرام ہیں۔ زمین کے گری پڑی چیز بھی حلال نہیں الا یہ کہ اس چیز کا مالک اس سے بے نیاز ہو۔ جو شخص مہمان کے طور پر کسی کے یہاں جائے اس کی مہمانی ان پر لازم ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے معنی کہ "مجھے کتاب جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے" یہ ہیں کہ مجھے کتاب الٰہی کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر وتوضیح بھی بارگاہ الٰہی سے عطا ہوئی ہے۔ اس کے پیش نظر آپ ﷺ قرآنی آیات کی تقسیم و تخصیص فرماتے تھے اور اس کی تشریح و توضیح فرماتے تھے۔

Marfat.com

حضرت مقدامؓ کی روایت کردہ حدیث سے ایک اور معنی کا بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اس ارشاد کہ ''مجھے کتاب جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے'' سے مراد وحی غیر متلو (جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) ہے۔جس کی تصدیق و تائید قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وما ینطق عن الھوی ٥ان ھو الا وحی یوحی (سورۃ النجم۔۳۔۴)

ترجمہ: اور (ہمارا نبی) اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتا بلکہ یہ وہی کچھ بولتا اور کہتا ہے جو کہ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اگر ہم اس بات پر ایمان رکھیں کہ آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قرآنی ہدایات اور تعلیمات، مرضی الٰہی کے مطابق تھا تو پھر قرآن حکیم کی اس آیت نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ کا اپنے لب مبارک کو جنبش دینا اور خفیف سے لے کر دقیق لفظ تک منہ سے نکالنا یہ سب کچھ اس کے مطابق تھا جو کچھ آپ ﷺ کے قلب مبارک میں وحی کیا جاتا تھا۔ نیز اسی آیت نے یہ بھی ثابت کیا کہ وحی کی ایک قسم وہ ہے جو کتاب کا حصہ ہے۔جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں اور وحی کی دوسری قسم وہ ہے جو صرف آپ ﷺ کے قلب مبارک میں اتاری جاتی تھی۔ وہ کتاب کا حصہ نہیں تھا اس کا نزول امت کے لیے بطور قرآن نہیں بلکہ محض آپ ﷺ کی اپنی ذات کے لیے تھا جس کے مطابق آپ ﷺ صحابہ کو کچھ کہتے یا بتاتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا حرف اور لفظ بھی منشائے الٰہی کے مطابق تھا وہ بھی ایک دوسری قسم کی وحی تھی بلکہ وحی متلو (کتاب) کی تشریح تھی۔ اسی آیت قرآن سے تفسیر میں حدیث کی حجت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

✓ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں کوئی تفسیر کی کتاب تو نہیں لکھی گئی تاہم آنحضرت ﷺ سے ایک تفسیر منسوب ہے جو شیخ ابوالحسن محمد بن قاسم الفقیہ کی روایت ہے۔ اس کتاب کا نام ''تفسیر النبیؐ'' ہے۔ بعض علماء نے اسے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تفسیر کا نام دیا ہے جیسا کہ عبدالصمد صارم ازہری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تفسیر کا مجموعہ (تفسیر عباسی) بعد میں تفسیر الٰہی کے نام سے مشہور ہوا۔

Marfat.com

ارتقائے تفسیر کا دوسرا مرحلہ
(پہلی صدی ہجری)

تفسیری ادب کے ارتقاء کا دوسرا مرحلہ دورِ صحابہ پر مشتمل ہے۔

صحابہ کرامؓ قرون اولیٰ کی وہ مقدس ترین جماعت ہے جسے قرآن حکیم کے معانی و مطالب براہ راست صاحب قرآن سے سیکھنے کا شرف نصیب ہوا۔ اصحاب رسول ﷺ خود اہل زبان بھی تھے اور نزول قرآن کے ماحول سے پوری طرح باخبر بھی۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے سبقاً سبقاً قرآن حکیم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا تھا اور پیغمبر اعظم ﷺ نے ان کو جہاں جہاں بھی اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے بھیجا وہ اللہ کے اس آفاقی پیغام کو متن اور معانی و مفہوم کے ساتھ لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

صحابہ کرامؓ نے پہلے اپنی زندگیوں کو اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے کیا پھر ان سے قرآن سیکھا اور اس طرح سے یہ اصحاب اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ منشائے الٰہی کی حقیقی روح کے رمز شناس بھی تھے۔ گو اہل عرب ہونے کے ناطے صحابہ کرام کو قرآن حکیم کے عمومی معنی متعین کرنے میں دقت پیش نہیں آتی تھی لیکن قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاحی زبان ہے جس میں صوم، زکوٰۃ، جہاد، اخلاق، بر و تقویٰ، معروف و منکر، نفق اور انفاق جیسی اصطلاحات ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے ان اصطلاحات اور رموز کی تفہیم بالمشافہ حضور اکرم ﷺ سے حاصل کی اور اسے آگے امت تک پہنچایا۔

یہاں ایک بات ذہن میں رکھنے کی یہ بھی ہے کہ تفسیر القرآن میں تمام صحابہ کا درجہ برابر نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض صحابہ صحبت اور رفاقت نبوی ﷺ سے مقابلۃً زیادہ فیض یاب ہوتے تھے اور بعض کم، کیونکہ بعض صحابہ انتظامی امور کی زیادہ صلاحیت رکھتے تھے اور اسی سے متعلق خدمات سرانجام دیتے تھے اور بعض تعلیم و تدریس کے کام میں مزاج خاص رکھتے تھے اور اپنے آپ کو اس سے متعلق ذمہ داری کی انجام دہی کے لیے زیادہ موزوں سمجھتے تھے۔ اول الذکر صلاحیت اور مزاج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور موخر الذکر صفت میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ

Marfat.com

شہرت عام رکھتے تھے۔

تفسیر قرآن کے حوالے سے دس جلیل القدر صحابہؓ

امام جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر قرآن کے حوالے سے دس جلیل القدر صحابہ کے نام خاص طور پر ذکر ہیں۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے نام شامل ہیں۔

ان صحابہ کے علاوہ بھی کچھ صحابہ سے تفسیری اقوال روایت ہیں مگر وہ بہت کم ہیں۔

فہم قرآن میں صحابہ کا اجتہادی اختلاف

بعض آیات قرآنی کے معانی و مفہوم میں صحابہ کے درمیان اجتہادی بنیاد پر اختلاف بھی رونما ہوا ہے۔ مثلاً جناب سیدنا عمرؓ نے حضرت قدامہ بن مظعون کو بحرین کے علاقہ میں عامل مقرر کیا۔ جارود نامی شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ قدامہ نے شراب پی ہے اور اس پر نشہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے قدامہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''میں آپ کو شراب نوشی کی سزا دوں گا''۔ قدامہ نے کہا کہ بخدا اگر میں نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا بھی ہے تب بھی آپ مجھے سزا نہیں دے سکتے اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے۔

لیس علی الذین امنوا و عملوا الصلحت جناح فی ما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا و عملوا الصلحت (سورۃ المائدہ۔۹۳)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال انجام دیے وہ جو کچھ بھی کھالیں ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ متقی ہوں اور ایمان لائے ہوں۔

قدامہ نے کہا کہ میں اس آیت کا مصداق ہوں۔ میں ایمان لا چکا ہوں اور اعمال صالح بھی انجام دیے ہیں علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کی رفاقت میں غزوات بدر، احد اور خندق وغیرہ میں بھی شرکت کر چکا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، کوئی شخص اس کا جواب دے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ''جو

Marfat.com

لوگ حرمت شراب سے قبل فوت ہو چکے تھے یہ آیت ان کو معذور، قرار دینے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ شراب قطعی حرام ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطن

(سورۃ المائدہ۔۹۰)

ترجمہ: شراب، جوا، بت اور پانسے نجس اور شیطانی کام ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ "آپ نے بجا فرمایا" [۳۱]

اسی طرح جب یہ آیت نازل ہوئی

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (سورۃ المائدہ۔۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

بعض صحابہ یہ آیت سن کر بہت خوش ہوئے کہ اس میں دین کے مکمل ہونے کی بشارت دے دی گئی ہے مگر حضرت عمرؓ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا کہ تکمیل کے بعد زوال اور نقصان کا آغاز ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی وفات کی جانب اشارہ دے دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ خیال درست نکلا اور اس آیت کے نزول کے اکیاسی (۸۱) دن بعد پیغمبر اسلام ﷺ وفات پا گئے۔

اسی طرح سورۃ النصر نازل ہوئی تو بعض صحابہ نے کہا کہ اس میں حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے جب کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اس آیت میں آپ کو اجل (موت) سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ جو ارشاد ہوا ہے "جب اللہ کی مدد اور فتح قریب آجائے" تو یہ آپ ﷺ کے آخری وقت کی علامت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے۔

تفسیر صحابہؓ کی فضیلت اور مرتبہ و مقام

محدث حاکم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو صحابی نزول وحی کے وقت موجود ہو تو اس وحی (آیات) کے بارے میں اس کی تفسیر حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے (حدیث مرفوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ سند حضور اکرم ﷺ تک جا پہنچتا ہو گویا نبی کریم ﷺ کے صریح حکم، قول، فعل یا تقریر کو حدیث مرفوع کہتے ہیں۔)

Marfat.com

جہاں تک صحابہ کے دیگر تفسیری اقوال کا تعلق ہے جن کو آنحضرت ﷺ کی جانب سے منسوب نہ کیا گیا ہو ان کو موقوف ہی قرار دیا جائے گا مرفوع نہیں۔ (موقوف ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس میں سلسلہ سند کسی صحابی پر جا کر ختم ہوتا ہو۔)

علمائے حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ صحابی کی تفسیر، جب اسباب نزول یا ایسے امور سے متعلق ہو جن میں عقل انسانی کو دخل نہیں ہو سکتا، حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی اور جس تفسیر میں عقل انسانی داخل ہو اور اس کو صحابی نے، آنحضرت ﷺ کی جانب منسوب بھی نہ کیا ہو تو اسے موقوف قرار دیا جائے گا۔

صحابی کی مرفوع روایت کو کسی طرح رد نہیں کیا جا سکتا لہٰذا مفسر لازماً اس سے استفادہ کرے اور انحراف نہ کرے۔

مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک صحابہ کے موقوف اقوال سے حتمی حکم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ جب صحابی اسے مرفوعاً روایت نہیں کرتا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ اس کے اجتہاد پر مبنی ہے اور مجتہد سے خطا و صواب دونوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔

مفسرین کے دوسرے فریق کے نزدیک صحابہ کے تمام تفسیری اقوال سے اخذ و استنباط ہو سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے انھوں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر ہی وہ تفسیر کی ہو تو ان کی رائے ہم سے اس لیے کئی درجے فوقیت کی حامل ہے کہ وہ اہل زبان ہونے کے اعتبار سے قرآن حکیم کا بہتر علم و فہم رکھتے تھے۔ نیز وہ صحبت نبوی سے مستفید اور تعلیمات نبوی کے براہ راست تلامذہ تھے۔ انھوں نے قرآئن و احوال کا بذات خود مشاہدہ کیا جن میں قرآن نازل ہوا تھا۔ خصوصاً خلفائے راشدین اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم اجمعین علوم قرآنی میں بڑی گہری بصیرت رکھتے تھے۔

روایات تفسیر کے لحاظ سے چار جلیل القدر صحابہ کی فوقیت

ا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف قریشی ہاشمی نبی کریم ﷺ

Marfat.com

کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ لبابۃ الکبریٰ بنت حارث تھیں۔ یہ ان دنوں پیدا ہوئے، جب نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کا خاندان شعب ابی طالب میں محصور تھا۔ ابن عباسؓ پیدا ہوئے تو بارگاہ اقدس میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے تبرکاً لعاب دہن مبارک ان کے منہ میں ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کبار صحابہؓ نے ان کی چشمۂ علم سے دینی علمی پیاس بجھائی۔ آپؓ نے ۷۰ سال کی عمر میں طائف میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

علمی مرتبہ ومقام

کثرت علم وفضل کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ''حبر'' (عظیم عالم) اور ''بحر'' (سمندر) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپؓ عظیم مفسر قرآن اور مجتہد تھے۔ فتاویٰ اور تفسیر کے میدان میں آپ کی وفات کے بعد ناقابل تلافی خلاء پیدا ہو گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے۔ آپؓ ہمارے سب نوجوانوں سے حسین تر اخلاق اور سب سے زیادہ کتاب الٰہی کو سمجھنے والے ہیں۔'' حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ ابن عباس ترجمان القرآن ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن عباسؓ کی تفسیری صلاحیتوں کی مدح وستائش کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے ''یوں نظر آتا ہے کہ ابن عباسؓ باریک پردہ کی اوٹ میں سے غیبی حقائق کو بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔''

علمی برتری کے اسباب

۱۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس علمی برتری کی سب سے بنیادی وجہ حضور اکرم ﷺ کی وہ دعا تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حق میں فرمائی تھی۔

اللھم علمہ التاویل و فقھہ فی الدین

اے اللہ اسے (ابن عباسؓ کو) قرآن کی تفسیر وتاویل کا علم سکھا دے اور دین کا فہم عطا فرما۔

اس دعا کی دوسری روایت یہ ہے

اللھم علمہ الکتب و الحکمۃ

اے اللہ اسے (ابن عباسؓ کو) کتاب وحکمت کا علم عطا فرما۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ کی علمی فوقیت و برتری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی پیدائش و

Marfat.com

پرورش خاندان نبوت میں ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے انھوں نے آنحضرت ﷺ سے بہت کچھ سنا، پڑھا اور سیکھا اور وہ ان احوال وحوادث کے چشم دید گواہ تھے جن میں قرآن کا نزول ہوتا تھا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ اکابر صحابہ کی صحبت میں رہ کر ان سے اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ آپ ﷺ نے ان سے وہ تمام واقعات دریافت کیے جن کا قرآن میں کسی بھی حوالے سے ذکر آیا ہے۔ اسباب نزول کے بارے میں واقفیت حاصل کی۔

۴۔ آپ کی علمی فوقیت کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ عربی زبان وادب اور اس کے خصائص اور اسالیب کے جید عالم وفاضل تھے۔ بسا اوقات قرآن کے معانی ومطالب بیان کرنے میں آپ عربی کے اشعار سے بھی استشہاد کرتے۔

۵۔ آپ مجتہد کے مرتبہ پر بھی فائز تھے اور بوقت ضرورت اجتہاد میں کوئی حرج نہیں کرتے تھے۔ [۱۷]

تفسیر قرآن میں ابن عباسؓ کا مقام

امام المفسرین حضرت ابن عباسؓ علم تفسیر کے میدان میں سند تسلیم کیے جاتے تھے اور تفسیر قرآن کے حوالے سے سب سے زیادہ روایات آپ ہی سے مروی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کو تفسیر قرآن میں جو بلند مقام حاصل تھا اس کا اندازہ ان کے تلمیذ رشید مجاہدؒ کے قول سے کیا خوب ہوتا ہے۔

> ''ابن عباسؓ جب کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو اس سے نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ آپؓ کے عظیم مفسر ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بعض صحابہ اور تابعین کرام مشکلات قرآن کے حل کے لیے حضرت ابن عباسؓ کی ہی طرف رجوع کرتے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ وحضرت شعیبؑ کے واقعہ کے بارے میں بعض اہل علم یہ نہ سمجھ سکے کہ آیا حضرت موسیٰؑ نے حضرت

Marfat.com

شعیبؑ کے ساتھ آٹھ سال بسر کیے تھے یا دس سال......؟''

سعید بن جبیرؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حج کی تیاری میں مصروف تھا کہ کوفہ کے ایک یہودی نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کے بارے میں وہی سوال کیا۔ میں نے کہا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں۔ میں مکہ جا رہا ہوں، وہاں حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کروں گا۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ مکہ پہنچ کر میں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا اور یہودی کا قول ذکر کیا...... حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دس سال اور جب میں عراق آیا تو یہودی کو یہ بات بتائی۔ اس نے کہا ابن عباسؓ نے سچ فرمایا ''خدا کی قسم عالم تو وہ ہے''۔[۱۵]

جناب فاروق اعظمؓ صحابہ سے کسی آیت کے معنی و مطلب دریافت کرتے اور تسلی بخش جواب نہ پاتے تو ابن عباسؓ کی جانب رجوع کرتے۔ آپؓ ابن عباسؓ کی بیان کردہ تفسیر پر اعتماد کرتے۔

تفسیری میدان میں اکثر ایسے پیچیدہ مقامات آتے تھے کہ ان کی عقدہ دری حضرت ابن عباسؓ سے ہی ہوا کرتی تھی اور اسی طرح محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہ صحابی رسول الہام ربانی کی مدد سے غیبی حقائق کا معائنہ کر رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ آپ کے تفسیری اقوال کو عزت و اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی بازگشت عصر تابعین میں بھی سنائی دیتی تھی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں ایک مکتب قائم ہوا جہاں کے طلبہ حضرت عباسؓ سے علم تفسیر اخذ کرتے تھے۔ پھر آپ کے یہی تلامیذ (شاگرد) دوسرے مقامات پر اس علم کی ترویج کرتے رہے۔ بعد کے تمام تاریخی ادوار میں حضرت ابن عباسؓ کے تفسیری اقوال کی اہمیت کا یہ عالم رہا کہ جب ان کا قول مل جاتا تو اس کی موجودگی میں کسی دوسرے قول کو قابل اعتناء خیال نہ کیا جاتا تھا۔ امام زرکشی نے واضح لکھا ہے کہ اگر کہیں صحابہ کے اقوال متعارض ہوں تو وہاں ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔[۱۶]

حضرت ابن عباسؓ لغت عرب اور غرائب القرآن میں اس قدر مہارت رکھتے تھے کہ کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صحابہ اور تابعین کے دور میں مفسرین کے سرخیل تسلیم کیے جاتے رہے۔ آیات قرآن کے لغوی پہلو پر بھی آپ کو خصوصی عبور حاصل تھا۔

Marfat.com

آپؓ سے بے شمار تفسیری روایات منقول ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں آپ سے کوئی قول مروی نہ ہو۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

اسم مبارک عبداللہ، ابوعبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔ والدہ کی جانب منسوب کر کے آپ کو ابن امِ عبد بھی کہا جاتا ہے۔ دبلے پتلے قامت اور رنگ کے لحاظ سے گندمی تھے۔ آپ بہت پہلے اسلام لائے۔ خود کہا کرتے ''میں چھٹا مسلمان ہوں۔''

آپؓ رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص بھی تھے۔ مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتا پہنانا، وضو کا پانی لانا، جب حضور ﷺ چلتے تو سپاہی کی طرح آگے آگے چلنا، آپ ﷺ کے غسل کے وقت پردہ کرنا، سو جاتے تو جگانا یہ وہ خاص ذاتی قسم کی خدمتیں تھیں جو حضرت ابن مسعودؓ کے حصے میں سعادت کے طور پر آئیں۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں بے حجابانہ داخل بھی ہو جاتے جس کی بنیاد پر ہی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ ''ہم یمن سے مکہ آئے اور کچھ عرصہ وہاں گزارا۔ ہم نے عبداللہ مسعود کو اتنی کثرت سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو عرصہ تک خاندان رسالت کا ہی رکن سمجھتے رہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس زمانہ میں ایمان لائے تھے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی۔ اور مکہ کی سرزمین میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی نے اعلانیہ بلند آواز کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی۔ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا کہ خدا کی قسم! قریش نے ابھی تک کسی کو بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ ساتھ ہی سوال پیدا ہوا کہ اس پرخطر فرض کو انجام کون دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا۔ لوگوں نے کہا کہ تمھارا خطرے میں پڑنا مناسب نہیں۔ اس کام کے لیے ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دست ستم سے محفوظ رہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جوش ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا ''مجھے چھوڑ دو اللہ میرا محافظ ہے''۔ دوسرے ہی روز چاشت کے وقت جب کہ تمام

Marfat.com

مشرکین وقریش بیت اللہ میں حاضر تھے۔ آپؓ نے ایک طرف کھڑے ہو کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد تلاوت قرآن حکیم کا آغاز کر دیا۔ مشرکین نے غور سے سن کر پوچھا "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟ کسی نے کہا محمد ﷺ پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیض و غضب سے مشتعل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑا اور حضرت ابن مسعودؓ کو اس قدر مارا کہ چہرہ سوج گیا۔ لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شعلہ ایمان اس ظلم وتعدی سے مزید بھڑک اٹھا۔ مشرکین مارتے گئے اور آپؓ مسلسل تلاوت فرماتے گئے۔

حضرت ابن مسعودؓ اس فرض کو سرانجام دے کر شکستہ حالی کے ساتھ اصحاب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تمھیں جانے نہیں دیتے تھے۔ بولے۔ خدا کی قسم! دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظروں میں کبھی ذلیل نہ تھے۔ اگر تم چاہو تو کل پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں۔ اصحاب نے کہا اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے تم نے بلند آواز کے ساتھ وہ کلام ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔[۲۷]

اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اکرم ﷺ کے بعد وہ پہلے شخص بنے جس نے قریش کو بلند آواز سے قرآن پڑھ کر سنایا۔

قرآن اور تفسیر سے تعلق خاص

آپ صحابہ میں کتاب الٰہی کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ نبی کریم ﷺ ان سے تلاوت قرآن سننا پسند کرتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "مجھے سورۃ النساء پڑھ کر سناؤ"۔ میں نے عرض کیا "کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں، حالانکہ قرآن آپ ہی پر نازل ہوا ہے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں دوسروں سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں۔" چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا اور جب اس آیت پر پہنچا۔

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا٥

(سورۃ النساء۔۴۱)

Marfat.com

ترجمہ: کیا کیفیت ہوگی جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور آپ ﷺ کو ان تمام پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

یہ آیت سن کر بے ساختہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ''جو شخص چاہتا ہو کہ قرآن حکیم کو اسی طرز اور لہجے میں پڑھا جائے جس طرح وہ نازل ہوا تھا تو وہ ابن مسعودؓ کی طرح پڑھے۔''

ابن مسعودؓ خود بھی اپنی ذات کے اس پہلو سے آگاہ تھے اور اس پر نازاں بھی تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے جب ابن مسعودؓ کو کوفہ کا عامل بنا کر بھیجا تو آپؓ وہاں کے لوگوں کو تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس بھی دیتے تھے۔ جب حضرت علیؓ ابن ابی طالب کوفہ میں تشریف لائے تو لوگوں نے ابن مسعودؓ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ''ہم نے آج تک ابن مسعودؓ جیسا خلیق، نرم مزاج اور بہترین ہم نشین اور ان سے بڑھ کر عابد و زاہد شخص نہیں دیکھا''۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ''میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم خلوص دل سے یہ بات کہہ رہے ہو؟'' لوگوں نے کہا ''جی ہاں''۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ''میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میری رائے بھی یہی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔''

تفسیر قرآن کے بارے میں ذاتی فہم و فراست کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں ''ہم میں سے جب کوئی شخص قرآن کریم کی دس آیات سیکھ لیتا تو جب تک ان کا معانی و مفہوم اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتا تو آگے نہ بڑھتا۔'' اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ قرآن کریم کے مطالب و معانی معلوم کرنے کے کس حد تک شائق رہتے تھے۔

مشہور تابعی مسروقؒ کا قول ہے کہ ''عبداللہ ابن مسعودؓ ہمیں قرآن کی ایک سورۃ پڑھ کر سناتے تو اس سے کہیں زیادہ حصہ اس کی تفسیر بیان کرنے میں صرف کر دیتے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے۔ ''ابن مسعودؓ نے کتاب و سنت کا علم حاصل کیا اور پھر اسی پر اکتفا کیا۔'' عقبہ بن عامر فرماتے ہیں۔

''میرے علم میں ابن مسعودؓ سے بڑھ کر قرآن کا کوئی عالم نہیں ہے۔''

حضرت ابن عباسؓ کے بعد سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت ابن مسعودؓ سے ہی

Marfat.com

مروی ہیں۔ کتب حدیث میں زیادہ تر اسانید حضرت ابن مسعودؓ پر ہی جا کر ختم ہوتی ہیں۔ زندگی کی آخری ساعتوں میں حضرت عثمانؓ ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ یہ مکالمہ ہوا۔

حضرت عثمانؓ نے پوچھا آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟ ''اپنے گناہوں کی'' آپؓ نے جواب دیا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟'' حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا۔ ''اللہ کی رحمت۔''

''آپ کا وظیفہ جو بند ہو گیا تھا دوبارہ مقرر کر دوں؟'' حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا۔

''مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا۔

''آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔''

''کیا آپ کو میری بیٹیوں کے محتاج یا دست نگر ہو جانے کا خوف ہے۔ میں نے انھیں حکم دے دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرو کیونکہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات سورۃ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ سے نہیں ہو گا۔''[۱۵]

اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابن مسعودؓ داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمانؓ نے ہی پڑھائی۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب

آپ کا اسم گرامی علی بن ابی طالب اور کنیت ابوالحسن ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ آپ کے نکاح میں تھیں۔ نبی کریم ﷺ کی اولاد حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے ہی آگے چلی۔ آپؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسد اور والد ابی طالب دونوں ہاشمی تھے۔ آپ خلفائے راشدین میں سے خلیفہ چہارم اور بنی ہاشم میں سے اولین خلیفہ تھے۔ نوجوانوں میں سب سے پہلے اسلام لانے کی سعادت بھی آپؓ ہی کے حصے میں آئی۔

علمی مرتبہ و مقام

حضرت علیؓ علم کا سمندر تھے۔ زور بیان، قوت استنباط، فصاحت و بلاغت اور شعر و خطابت

Marfat.com

میں عدیم المثال تھے۔مشکل مسائل کے حل کے لیے اکثر صحابہؓ آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔آپ کی علمیت اور قوت فیصلہ ضرب المثل کی حدتک مشہور تھی۔عربی مثل میں عموماً کہا جاتا ہے۔

"قضية و لا ابا حسن لها"

مطلب یہ ہے کہ "معاملہ پیچیدہ ہے اور اس کو حل کرنے کے لیے ابوالحسن (علی) بھی موجود نہیں ہیں۔"

آپؓ کی علمی فوقیت کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ کی تعلیم وتربیت ہی درس گاہ نبوت میں ہوئی تھی۔آپ اسی گھر میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے جہاں جبرائیل امین اللہ کا کلام لے کر خاتم النبین ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کوئی بات حضرت علیؓ سے ثابت ہو جاتی تو ہم کسی دوسرے کی جانب رجوع نہیں کرتے تھے۔

تفسیری عظمت ورفعت

بہترین قاضی اور مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ بن ابی طالب قرآن حکیم کے اسرار و رموز کے بھی عظیم عالم تھے۔حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے۔"میں نے تفسیر قرآن سے متعلق جو کچھ بھی سیکھا حضرت علیؓ سے سیکھا۔"

ابونعیم الحلیہ حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"بخدا مجھے ہر آیت کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کس ضمن میں اور کہاں اتری۔مجھے ذات ربانی نے روشن دماغ اور بہترین قوت گویائی بخشی ہے۔"

ابوالطفیل کا قول ہے:

"میں نے بذات خود سنا کہ جب حضرت علیؓ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، مجھ سے جو بات پوچھنا چاہو پوچھ لو۔خدا کی قسم! تم مجھ سے جو بات پوچھو گے اس کا جواب دوں گا۔بخدا کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ دن کو اتری یا رات کو، میدان میں اتری یا پہاڑ پر۔"[18]

Marfat.com

۴۔ حضرت ابی بن کعبؓ

آپؓ کا اسم گرامی ابی بن کعب بن قیس انصاری خزرجی تھا۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کی کنیت ابوالمنذر اور حضرت فاروق اعظمؓ نے ابوالطفیل مقرر کی۔ آپؓ نے بیعت عقبہ اور غزوہ بدر میں شرکت کی۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابی بن کعب آپ ﷺ کے اولین کاتب قرار پائے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو ان الفاظ میں بھی خراج تحسین پیش کیا۔ ''ابی مسلمانوں کے سردار ہیں۔''

علمی مرتبہ و مقام

حضرت ابی بن کعب سید القراء تھے اور کاتبین وحی میں شمار ہوتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے آپؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔

واقرءھم ابی بن کعب

ترجمہ: قرآن کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔

آپؓ کے بہترین حافظ و قاری ہونے کی سب سے بڑی دلیل اور وجہ یہ تھی کہ آپ نبی کریم ﷺ کو قرآن سنایا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابی ابن کعب سے کہا کہ ''اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو سورہ ''لم یکن الذین کفروا'' پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں نام لے کر۔'' یہ سن کر ابی رونے لگے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ انتہائی خوش ہوئے۔

تفسیری مرتبہ و مقام

حضرت ابی بن کعبؓ بھی قرآن حکیم کے بہت بڑے علماء میں سے تھے۔ غالباً ان کی قرآن دانی کے عوامل و محرکات یہ تھے کہ حلقہ بگوش اسلام ہونے سے قبل آپؓ یہود کے علماء میں سے تھے۔ اس لیے آپ کتب سابقہ کے اسرار و رموز سے بھی بخوبی آگاہ تھے، مزید یہ کہ آپ کاتب وحی بھی رہ چکے تھے۔ ان دو اسباب کی بناء پر آپ کو تفسیر قرآن حکیم سے بھی گہری دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ ان

Marfat.com

حالات کی موجودگی میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کی کوئی آیت ایسی ہو جس کا مطلب و مفہوم یا تفسیر و تشریح آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہو۔ کیونکہ قرآن کی کتابت کے دوران آپ آیات کا مفہوم معلوم کیے بغیر نہ رہتے اور جب آپؓ تفسیر اور تفہیم آیات کی جستجو کرتے تھے تو لامحالہ آپؓ کی نگاہ جستجو نبی کریم ﷺ کی طرف اٹھتی تھی، آپ ﷺ بتانے والے تھے، اور کیا منظر ہوگا کہ جب حضرت ابی جیسے خوش نصیب سننے اور سمجھنے والے ہوں گے۔ انہی وجوہ کی بناء پر آپؓ کا شمار مشہور مفسرین صحابہ میں ہوتا ہے۔

عہد صحابہؓ کی تفسیری خصوصیات

۱۔ ارتقائے تفسیر کے اس مرحلے پر قرآن حکیم کی کوئی باقاعدہ تفسیر نہیں لکھی گئی تاہم بعض صحابہ نے اپنے اپنے مصحف میں تفسیری نکات ضرور تحریر کیے تھے۔

۲۔ اس دور میں پورے قرآن کی تفسیر بیان نہیں کی گئی بلکہ صرف قرآن کے اسی حصہ کی تفسیر کی گئی جس میں تفہیم کی غرض سے کچھ دقّت پائی جاتی تھی۔ کیونکہ عہد رسالت اور عہد صحابہ کے درمیان جوں جوں فاصلہ بڑھتا جاتا تھا اسی نسبت سے قرآن کی تفہیم میں مشکلات پیدا ہوتی جاتی تھیں اور اسی بنیاد پر تفسیر قرآن میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی۔

۳۔ قرآن عزیز کے معانی و مطالب کے فہم و ادراک میں صحابہ کا اختلاف بہت کم تھا۔

۴۔ حضرات صحابہ تفسیر قرآن میں زیادہ تر اجمالی معانی پر اکتفا کرتے تھے اور اہل زبان ہونے کی وجہ سے تفصیلات کی طلب و تلاش میں زیادہ جستجو نہیں کرتے تھے۔

۵۔ عہد صحابہ میں قرآن کی فقہی تفسیر بہت کم کی گئی۔ کیونکہ تمام صحابہ متفق العقائد تھے۔

۶۔ اس عہد میں تفسیر کی کوئی جداگانہ منظم صورت نہیں تھی بلکہ تفسیری اقوال احادیث کے ہی مختلف ابواب میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔

ارتقائے تفسیر کا تیسرا مرحلہ

(دوسری صدی ہجری)

تفسیری ادب کے ارتقاء کا تیسرا مرحلہ عہد صحابہ ختم ہونے کے بعد تابعین سے شروع ہوتا

Marfat.com

ہے۔ تابعین وہ مقدس ہستیاں ہیں جنھوں نے صحابہ کرامؓ کے چشمہ فیض سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ان سے قرآن حکیم، حدیث اور دوسرے معارف شریعہ سیکھے۔ اس عہد تابعین میں تفسیر قرآن کے درج ذیل مصادر و مآخذ تھے:

۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن

۲۔ احادیث مرفوعہ

۳۔ صحابہ کے تفسیری اقوال

۴۔ اہل کتاب اور ان کی کتب مقدسہ

۵۔ تابعین کا خود اپنا اجتہاد و استنباط

(کتب تفسیر میں تابعین کے بے شمار اقوال موجود ہیں۔ جن میں ان کا اپنا اجتہاد و استنباط بھی داخل ہے۔ عہد صحابہ میں چونکہ صرف انہی آیات کی تفسیر کی جاتی تھی۔ جن کے معنی و مفہوم میں اخفاء یا اغماض پایا جاتا تھا مگر تابعین کے دور میں چونکہ عہد رسالت اور صحابہ سے کافی فاصلہ ہو گیا تھا، قرآن دنیا کے دور دراز علاقوں میں بھی پہنچ گیا تھا، انسانی تفہیم کے مختلف مدارج کی وجہ سے آیات قرآن کے تفسیری تقاضے بھی بڑھ گئے تھے۔ اس لیے اس عہد میں آہستہ آہستہ تفسیر قرآن کو مکمل کر دیا گیا۔ تابعین نے اس سلسلے میں خاص طور پر لغت عرب، عربوں کے اسالیب کلام اور ان واقعات سے مدد لی جو نزول قرآن کے عہد میں پیش آئے تھے۔ عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمان مکہ اور مدینہ سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تو علمی وراثت کو آئندہ نسلوں کو منتقل کرنے کی غرض سے مکہ، مدینہ اور عراق میں تین علمی مدارس قائم ہو گئے۔)

۱۔ مکہ کا تفسیری مکتب

مکہ کا تفسیری مکتب حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی سرپرستی میں قائم ہوا۔ آپ اپنے تابعین تلامذہ کے درمیان بیٹھ کر قرآن کا درس دیتے اور اس کی مشکلات کی توضیح کرتے۔ اسی وجہ سے امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ "تفسیر کے سب سے بڑے عالم مکہ میں تھے کیونکہ یہ لوگ حضرت ابن

Marfat.com

عباسؓ کے شاگرد تھے۔'' مکہ کے اس مکتب میں قرآن حکیم کی تفسیر کے حوالے سے جو تابعین زیادہ ممتاز ہوئے ان میں مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاؤس بن کیسان الیمانی، عطاء بن ابی رباح شامل ہیں۔ بعد کے مفسرین کی کتابیں انہی کی روایات سے بھری ہوئی ہیں۔

۲۔ مدینہ کا تفسیری مکتب

اس تفسیری مکتب کی تاسیس و تشکیل حضرت ابی بن کعبؓ کی مرہون منت ہے۔ ہجرت کے بعد بکثرت صحابہ مدینہ ہی کے ہو کر رہ گئے اور یہاں سکونت پذیر رہتے ہوئے تشنگان علم و ہدایت کو قرآن و سنت کا درس دیا کرتے تھے۔ اکثر تابعین نے یہاں صحابہ سے تفسیر قرآن کا درس لیا اور حضرت ابی بن کعب سے کسب فیض لیا۔ اس لیے کہ یہاں حضرت ابی بن کعبؓ تفسیر قرآن میں دوسرے صحابہ کی نسبت زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ جن تابعین نے مدینہ کے تفسیری مدرسۂ فکر میں ممتاز مقام حاصل کیا ان میں ابو العالیہ، محمد بن کعب القرظی اور زید بن اسلم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۳۔ عراق کا تفسیری مکتب

عراقی مکتب تفسیر کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رکھی۔ آپ کے ساتھ اور بھی صحابہ کرامؓ موجود تھے جن سے اہل عراق نے تفسیر قرآن کا درس لیا۔ مگر ابن مسعودؓ یہاں کے اولین استاد تسلیم کیے جاتے تھے۔ اس کی وجہ آپؓ کی شہرت اور آپ سے روایات و منقولات ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب جناب فاروق اعظمؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا والی مقرر کیا تو ابن مسعودؓ کو بھی ان کے ہمراہ معلم و وزیر بنا کر روانہ کیا تھا۔ اہل عراق کو عموماً اہل الرائے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ علماء کا قول ہے کہ ابن مسعودؓ اولین شخص تھے جنھوں نے اس نظر و استدلال کی طرح ڈالی۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ تفسیری مکتب فکر میں بھی اس کی پیروی کی جانے لگی اور قرآن کی تفسیر رائے اور اجتہاد کی بنیاد پر شروع ہوئی۔ اس مکتبہ فکر کے تربیت یافتہ تابعین میں علقمہ بن قیس، مسروق، اسود بن یزید، مرہ ہمدانی، عامر شعبی، حسن بصری اور قتادہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

Marfat.com

دورِ تابعین کی تفسیری خصوصیات

۱۔ اس دور کی تفسیر میں اسرائیلیات ونصرانیات کی آمیزش شروع ہوگئی کیونکہ اس دور میں بکثرت اہل کتاب حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور انھوں نے اپنے سابقہ مذہب کے واقعات کو بھی تفسیر وتشریحِ قرآن میں شامل کرلیا۔

۲۔ اس دور میں مذہبی اختلافات کی بھی ابتداء ہوئی اور اس قسم کے بھی تفسیری اقوال منظر عام پر آئے جن میں اختلاف کی رنگ آمیزی کی گئی تھی۔

۳۔ تابعین کے دور میں تفسیر قرآن کے بنیادی ماخذ قرآن وسنت اور آثار صحابہ بھی تھے مگر اس کے ساتھ وہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے بھی کام لینے لگے۔

۴۔ پہلے صرف اس آیت کی تفسیر کا رواج تھا جس میں اخفاء ومشکلات تھیں مگر اس دور میں پورے قرآن کی تفسیر کا رواج عام ہوا۔

۵۔ دورِ تابعین میں تفسیر قرآن کی جزئیات کے طور پر مختلف علوم وضع ہونے لگے۔ مثلاً کسی نے اسباب نزول پر رسالہ لکھا کسی نے ناسخ ومنسوخ پر، کوئی قرآن کے غریب الفاظ کی تشریح کرنے لگا کوئی تصوف کی آیات کی وضاحت جن پر بعد کے مفسرین نے خوب کام کیا۔

دورِ تابعین میں تفسیری ادب کا سرمایہ

۱۔ تفسیر مجاهد: یہ مشہور تابعی مجاہد کی لکھی تفسیر ہے جو مصر کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۲۔ تفسیر سعید بن جبیر: یہ تفسیر بھی سعید بن جبیر نے خلیفہ عبدالمالک بن مروان کے حکم پر لکھی تھی جو خزانہ شاہی میں کافی عرصہ محفوظ بھی رہی۔

۳۔ صحیفہ همام بن منبه: ہمام بن منبہ حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے انھوں نے ایک تفسیری صحیفہ مرتب کیا تھا۔ جس میں سے امام مسلم نے روایات لی ہیں۔

۴۔ بدء الخلق: یہ بھی ہمام بن منبہ کی تالیف ہے جس میں مختلف قسم کی آیات کی تشریح اور

Marfat.com

احادیث درج کی گئی ہیں۔

اس کے علاوہ اس دور میں امام حسن بصری، محمد بن کعب القرظی، ابو العالیہ، عکرمہ، قتادہ، اسیری، عطاء خراسانی، ابن جریج، کلبی، علی بن ابی طلحہ وغیرہ نے بھی قرآن کریم کی تفاسیر لکھیں۔

ارتقائے تفسیر کا چوتھا مرحلہ

(تیسری صدی ہجری)

ارتقائے تفسیر کا چوتھا مرحلہ وہ ہے جس میں حضرات صحابہ اور تابعین کے علوم جمع کیے گئے اور یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے باقاعدہ تفسیری ادب کی تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا۔ سفیانؒ بن عیینہ، وکیعؒ بن الجراح اور شعبہؒ جیسے حضرات اسی دور کے تفسیری امام ہیں۔

تفسیر یزید بن ہارون، تفسیر عبدالرزاق، تفسیر آدم بن ابی ایاس، تفسیر اسحاق بن راہویہ، تفسیر روح بن عبادہ، تفسیر عبد بن حمید، تفسیر سعید، تفسیر ابوبکر بن ابی شیبہ سب اسی دور کے ائمہ اور مفسرین کے شہ پارے ہیں۔ اسی طبقہ اور دور میں ابن جریج، سدی ابن قتیبہ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم دینوری صاحبِ مشکل القرآن وغریب القرآن بھی شامل ہیں۔

ارتقائے تفسیر کا پانچواں مرحلہ

(چوتھی صدی ہجری)

ارتقائے تفسیر کے چوتھے مرحلے یعنی تبع تابعین کے دور میں تفسیری ادب کی تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو چکا تھا اور بہت سے ائمہ نے تفسیر کے موضوع پر کتابیں لکھنا شروع کر دی تھیں لیکن جس طرح ہر کام کے شروع میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے ایسے ہی اس دور کی تصنیف و تالیف میں یہ خامی رہ گئی کہ ذخیرہ تفسیر میں ضعیف روایات اور غیر مستند نقول بلکہ کچھ موضوع احادیث بھی شامل ہو گئیں۔ اس لیے ارتقائے تفسیر کے پانچویں مرحلے پر مفسرین قدرے تنقیح و تحقیق کے معیار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تفسیر کلام اللہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس دور کی تفاسیر میں سب سے زیادہ مشہور و معروف اور عظیم المرتبت تفسیر ابن جریر طبری کی تفسیر ہے۔ اس دور

Marfat.com

کے دیگر مفسرین ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن حیان اور ابن المنذر کی تفاسیر طبری کی تفسیر کے بعد کا درجہ رکھتی ہیں۔

ارتقائے تفسیر کا چھٹا مرحلہ

(پانچویں صدی ہجری)

اس دور میں کتب تفسیر کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا اور متقدمین نے جو تفسیری روایات کا ذخیرہ جمع کیا تھا اس کی تہذیب و تنقیح کی طرف اس دور کے ائمہ متوجہ ہوئے اور اسانید کو حذف کر کے صحابہ اور تابعین کی جانب اقوال تفسیر کی نسبت کی اور انہیں مضامین قرآن کی تشریح و تفصیل کا معیار بنایا۔ امام محمد عبداللہ جوئینی جو امام الحرمین کے والد تھے جن کی وفات ۴۳۸ ہجری میں ہوئی اور شیخ ابو القاسم عبدالکریم قشیری متوفی ۴۶۵ ہجری اس دور کے نمایاں ائمہ تفسیر ہیں۔

اس طبقہ میں بعض لوگ اہل حق اور بعض اہل سنت کے مسلک سے خارج بلکہ ایسے بھی تھے جن پر تشیع و رفض کا اثر تھا۔ انھوں نے کچھ تفاسیر لکھیں جن میں رطب و یابس اور موضوع یعنی گھڑی ہوئی اور غیر مستند روایات کو جمع کیا۔ جیسے ابو اسحاق ثعلبی ہیں، ان کی طرف بہت بڑی تفسیر منسوب ہے لیکن تمام کتاب قصے کہانیوں اور موضوع روایات سے بھری پڑی ہے۔ اسی طرح ایک کتاب عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی کی ہے، اس میں بھی بے اصل روایات اور لغو و مہمل نقول جمع ہیں۔

ارتقائے تفسیر کا ساتواں مرحلہ

(چھٹی صدی ہجری)

عہد رسالت کو چھوڑ کر ارتقائے تفسیر کے بعد کے پانچ ادوار کے مفسرین کا غالب طرز یہی رہا ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں بالعموم آثار و روایات کو ہی جمع کرتے رہے اور احادیث کے ابواب میں ہی تفسیر قرآن کرتے رہے۔ لیکن ارتقاء کے اس مرحلے پر مفسرین نے تفسیر کی متعدد جزئیات اور حیثیات کا لحاظ اور تعین کرتے ہوئے اپنے اسالیب نگارش کا آغاز کیا۔ کسی نے صرف و نحو اور قواعد عربیہ کے لحاظ سے قرآن کی تفسیر کی، جیسے شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن الحسین باقولی (متوفی

Marfat.com

۵۴۳ ہجری) کی اس موضوع پر تصنیف کتاب الکشف ہے۔ کسی نے قرآن کی فقہی احکام کے حوالے سے تشریح و توضیح کی۔ کسی نے متکلمانہ اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے فلاسفہ کے اصول و مسائل اور ان کے دلائل کا رد کیا۔ کسی نے قرآن سے تصوف کو اخذ کیا۔ کسی نے فصاحت و بلاغت کو قرآن کو اپنا موضوع بنایا زمخشری کی تفسیر کشاف اس ضمن میں مثال ہے۔

ارتقائے تفسیر کا آٹھواں مرحلہ

(ساتویں صدی ہجری)

اس دور میں ساتویں صدی ہجری کے ائمہ اور علماء قرآن شمار کیے جاتے ہیں۔ اور اس دور کی سب سے اہم تفسیر امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر مفاتیح الغیب ہے جو کہ "تفسیر کبیر" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اصول دین کی تحقیق میں یہ بنیادی حیثیت کی حامل تفسیر ہے۔ امام محمد ابن ابی بکر الرازی کی لغات قرآن، قاضی ناصر الدین بیضاوی کی تفسیر "انوار التنزیل و اسرار التاویل" بھی اسی دور کی اہم کتب اور سرمایۂ تفسیر ہیں۔

ارتقائے تفسیر کا نواں مرحلہ

(آٹھویں صدی ہجری)

اس دور میں جید اور ممتاز مفسر امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد محمود نسفی (متوفی ۷۱۰ ہجری) ہیں جو حنفی المسلک اور فقہ و اصول فقہ میں اپنے دور کے یکتا امام اور محقق شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب تفسیر "مدراک" اگرچہ مختصر ہے لیکن نہایت مفید اور عمدہ تفسیر ہے۔ اس طبقہ میں امام ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر (متوفی ۷۷۴ ہجری) ہیں جو حافظ ابن کثیر کے نام سے مشہور ہیں۔ شافعی مسلک کے حامل اور حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں۔

ارتقائے تفسیر کا دسواں مرحلہ

(نویں صدی ہجری)

نویں ہجری کے طبقہ مفسرین میں شیخ جلال الدین محلی (متوفی ۸۶۴ ہجری) اپنے فضل و

Marfat.com

کمال کے باعث بہت شہرت رکھتے ہیں۔ تفسیر جلالین کا آخری حصہ سورۃ الاسراء سے لے کر آخر قرآن تک انہی کا تحریر کردہ ہے۔ اسی طبقہ میں ملا مخدوم مہائمی (متوفی ۸۳۵ ہجری) بھی شامل ہیں جن کی تفسیر قیصر الرحمٰن نہایت عجیب و غریب تفسیر ہے۔

ارتقائے تفسیر کا گیارہواں مرحلہ

(دسویں صدی ہجری)

دسویں صدی ہجری میں شیخ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ ہجری) نے شیخ جلال الدین محلی ہی کی طرز پر ان کی تفسیر مکمل کی اور سورۂ فاتحہ سے سورۂ اسراء تک تشریح و توضیح کر کے تفسیر جلالین مکمل کی۔ اسی طبقہ میں شیخ عبدالرحمٰن عمر بلقینی اور شیخ ابوالسعود محمد بن عماد حنفی (متوفی ۹۸۲ ہجری) شامل ہیں۔ جن کی تفسیر "تفسیر کشاف" اور بیضاوی کے ہم پلہ شمار ہوتی ہے۔

ارتقائے تفسیر کا بارہواں مرحلہ

(گیارہویں صدی ہجری)

اس صدی میں مشہور تفسیر سواطع الالہام، جس کو ابوالفضل فیضی نے غیر منقوط الفاظ میں لکھا، سامنے آئی اور بہت مشہور ہوئی۔ اس کے علاوہ اس دور کے تفسیری ادب میں شیخ نظام الدین کی تفسیر نظامی، شیخ نورالدین علی بن سلطان کی تفسیر علی قادری اور شیخ مبارک علی کی منبع عیون المعانی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ارتقائے تفسیر کا تیرہواں مرحلہ

(بارھویں صدی ہجری)

ملا جیون امیٹھوی کی تفسیر احمدی، مولوی اصغر علی قنوجی کی عواقب التنزیل مصطفیٰ بن عبدالرحمٰن کی عمارۃ القرآن اور شیخ سلمان جمل کی الفتوحات الالٰہیہ بارھویں صدی کی مشہور تفسیریں قرار پائی ہیں۔

Marfat.com

ارتقائے تفسیر کا چودھواں مرحلہ

(تیرھویں صدی ہجری)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری، مولانا سلام الدین شیخ کی کمالین، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی فتح العزیز، مولوی ولی اللہ بن مفتی سید احمد فرخ آبادی کی نظم الجواہر، قاضی شوکانی یمنی کی فتح القدیر اور جامع التفاسیر (اردو) جس کو نواب قطب الدین خان دہلوی نے لکھا، تیرھویں صدی کا معروف سرمایہ ہے۔

ارتقائے تفسیر کا پندرھواں مرحلہ

(چودھویں صدی ہجری)

اس صدی کی سب سے اول اور قابل ذکر تفسیر علامہ شہاب الدین آلوسی کی تفسیر روح المعانی ہے جس میں متقدمین کے تمام علوم جمع کرنے کے علاوہ روایت اور درایت کی روشنی میں مضامین قرآن کی ایسی عجیب ولطیف تشریح فرمائی گئی ہے کہ مطالعہ کرنے والوں کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ نواب صادق حسن خان بھوپالی کی فتح البیان، شیخ محمد رشید رضا کی تفسیر المنار، علامہ طنطاوی مصری کی الجواہر فی تفسیر القرآن، سید قطب شہید کی فی ظلال القرآن بھی ارتقاء کے اس دور کی خاص تفسیریں ہیں۔ اس دور میں فخر المفسرین مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر فتح المنان بھی اردو زبان کی بے مثال تفسیر ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن، شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ترجمہ اور اس پر مولانا شبیر احمد عثمانی کا تفسیری حاشیہ، مولانا ادریس کاندھلوی کی معارف القرآن اور اسی نام سے مولانا مفتی محمد شفیع کی بھی معارف القرآن کے علاوہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن بھی اسی دور کے تفسیری ادب کا شاندار سرمایہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مشکوۃ المصابیح، باب التاخیر الاذان، حدیث ۶۸۳۔

۲۔ مقدمہ ابن خلدون، ص ۴۸۹۔

۳۔ احمد وترمذی بحوالہ تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۴۸۔

Marfat.com

۴۔ ترمذی وابن حیان بحوالہ تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۴۸۔
۵۔ صحیح بخاری، مسلم، مسند احمد بحوالہ تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۴۸۔
۶۔ صحیح مسلم بحوالہ تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۴۸۔
۷۔ ترمذی بحوالہ ایضاً۔
۸۔ ترمذی وابن جریر بحوالہ ایضاً۔
۹۔ الاتقان، ج ۲، ص ۱۷۴۔
۱۰۔ القرطبی، ج ۱، ص ۳۲۔
۱۱۔ ابن جریر، ج ۱، ص ۲۵۔
۱۲۔ تفسیر القرطبی، ج ۱، ص ۳۷-۳۸۔
۱۳۔ تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۶۲۔
۱۴۔ جریری غلام احمد پروفیسر، تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۷۰۔
۱۵۔ تفسیر ابن جریر، ج ۲، ص ۴۳۔
۱۶۔ سیوطی جلال الدین، الاتقان، ج ۲، ص ۱۸۳۔
۱۷۔ سیارہ ڈائجسٹ، صحابہ کرام نمبر، ص ۲۶۱۔
۱۸۔ سیارہ ڈائجسٹ، صحابہ کرام نمبر، ص ۲۶۶۔
۱۹۔ جریری غلام احمد پروفیسر، تاریخ تفسیر ومفسرین، ص ۹۰۔

❁❁❁

Marfat.com

چھٹا باب

برصغیر پاک و ہند کی تفسیری خدمات

قرآن حکیم جب بھی کسی غیر عرب ملک میں گیا تو وہاں اس کا دل و جان سے استقبال کیا گیا اور وہاں کے علماء نے اس کے ترجمہ اور تفسیر کو ایک عظیم سعادت جان کر غیر معمولی اہمیت دی تا کہ اس کتاب کے پیغام سے ہر خاص و عام مستفید ہو سکے اور پھر برصغیر پاک و ہند تو وہ خوش نصیب خطہ ارضی ہے جہاں اسلام عہد رسالت میں ہی کسی نہ کسی درجے میں اپنا تعارف کروا چکا تھا۔ خلافت راشدہ میں یہ ملک باقاعدہ طور پر اسلام اور مسلمانوں کی برکات سے مالا مال ہونے لگا تھا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم کی آمد کے ساتھ جب یہاں اسلام کی مکمل طریقے سے ضیا پاشیاں ہونے لگیں تو اس سرزمین کے عظیم فرزندوں نے نہ صرف اسلام کے علمی اور تاریخی ورثے کا دل و جان سے استقبال کیا بلکہ اس کی حفاظت اور ترویج و اشاعت کا کام بھی پوری ذمہ داری سے سرانجام دیا۔ قرآن کو آسان بنانے کے لیے اس کے ترجمے اور تفسیر کا مسئلہ ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی سند اور روایت کا اعتبار، حالات و زمانہ میں تغیر و تبدل کی وجہ سے کوئی فقہی قضیہ ہو یا ظلم و استحصال کے نظاموں پر مبنی سماجی طاقتوں سے حریت و آزادی کی جنگ، مسلمانان برصغیر نے ہر حوالے سے صرف اپنی زبان یا قلم سے ہی جہاد نہیں کیا بلکہ اپنی جانوں کو بھی اس راہ میں قربان کر دیا۔

قرآن کی زبان عربی ہے۔ ہندوستان میں عربی مسلمانوں کے ساتھ آئی۔ مسلمان دوسری صدی ہجری میں یہاں پہنچے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں ”ہندوستان کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین انسانوں کی مختلف نسلوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل ہے۔ ابھی تاریخ کی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہو گئی اور پھر ایک کے بعد ایک کے آنے کا سلسلہ جاری رہا اور اس کی وسیع سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی یعنی

Marfat.com

اس کی فیاض گود نے سب کے لیے جگہ نکالی۔ ان ہی قافلوں میں آخری قافلہ پیروان اسلام کا بھی تھا۔ یہ بھی پچھلے قافلوں کی نشان راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا اور ہمیشہ کے لیے یہاں بس گیا۔ یہ دنیا کی دو مختلف تہذیبوں کا ملاپ تھا یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے دور بہتے رہے لیکن جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے، دونوں کو ایک سنگم پر مل جانا پڑا۔ ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا۔ جس دن یہ واقع ظہور میں آیا اسی دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کو ڈھالنے کا کام شروع کر دیا۔ ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے اور یہ سرزمین بھی اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی۔ ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کر دی اور اس نے اپنے خزانون کے دروازے ہم پر کھول دیے۔ ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی۔ تاریخ کی بارہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعویٰ کر سکتا ہے جیسا دعویٰ ہندو مذہب کا ہے۔ اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس سرزمین کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار برس سے زیادہ عرصے سے اس کے باشندوں کا مذہب چلا آرہا ہے۔ جس طرح آج ہندو فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ ہندوستانی ہے اور ہندو مذہب کا پیرو ہے ٹھیک اسی طرح ہم بھی فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہندوستانی ہیں اور مذہب اسلام کے پیرو ہیں۔"[1]

مسلمانوں نے دوسری صدی ہجری میں یہاں پہنچ کر اسلامی عقائد کی تبلیغ کے لیے یہاں کی مقامی بولیاں استعمال کیں اور ہندوؤں نے بھی دین سمجھنے کے لیے مسلمانوں سے اپنی زبان میں قرآن وحدیث سمجھنے کا مطالبہ کیا ہوگا چنانچہ کہتے ہیں ایک ہندو راجہ مہروک بن رائق کی فرمائش سے ۲۷۰ ہجری میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے کسی عراقی الاصل سندھی عالم سے، جس کی نشوونما ہند ہی میں ہوئی تھی اور وہ وہاں کی مختلف زبانیں جانتا تھا، ہندی زبان میں تفسیر قرآن لکھوائی تھی۔

اس کے بعد غزنوی دور میں لاہور نے جب علمی مرکزیت حاصل کی تو علمائے تفسیر میں سید محمد اسماعیل بخاری کا نام بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تفسیر کے لیے تقلیدی راستہ بدلنے کی کوشش کی اور فن تفسیر کے اصول پر فکری کتاب الفوز الکبیر لکھی۔ ان کے بعد سرسید احمد خان نے بھی اصول تفسیر پر افکار و خیالات مرتب کیے۔ شاہ صاحب اور سرسید کی اصولی کتابوں اور فکری تفسیروں کے بعد متحدہ ہندوستان میں تفسیر پر کام بڑی تیزی اور فراوانی سے ہونے لگا۔ مولانا عبدالحق حقانی، مرزا حیرت، نواب سید صدیق حسن خان وغیرہ نے اپنی اپنی رائے میں تفسیروں کے مبسوط مقدمات اور جداگانہ تالیفات میں اصول تفسیر پر بحث کی۔ تاہم جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کی تحریک نے متحدہ ہندوستان میں جہاں اور اثرات ڈالے وہاں قرآن کی تفسیر کے لیے بھی ایک نئی روشنی پیدا کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن کے مقدمے میں نئے فکری اصول چودہ بنیادی نکات میں بیان کر کے مفسرین کے لیے ایک نئی شاہراہ بنائی۔ اسی طرح خواجہ عبدالحیٔ اور حمید الدین فراہی اور ان سے ہٹ کر علی نقی لکھنوی نے بھی تفسیری حوالے سے کام کیا۔ اس کے بعد ملکی ضرورتوں، علمی بصیرتوں اور عالمگیر دعوت و تبلیغ کے لیے قرآن فہمی کا آسان اور واضح ترین طریقہ دریافت کرنے کی کوشش کی گئی۔ آج ہمیں جہاں دنیا کے ہر خطّے کے مسلمان قرآن کی تفسیر لکھنے اور قران فہمی مین کوشاں نظر آتے ہیں وہیں خطہ ہند کسی سے پیچھے نظر نہیں آتا۔

تاریخی لحاظ سے پاک و ہند میں تفسیر قرآن کا موجودہ سلسلہ عرب و ایران کی تاریخ تفسیر سے بہت بعد شروع ہوتا ہے۔ تفسیروں کی کثرت اور بعض تفاسیر کی تاریخ تالیف کی نایابی کی وجہ سے ان تمام تالیفات کا تذکرہ دشوار ہے۔ ذیل میں برصغیر پاک و ہند کی سرزمین سے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبان میں منصۂ شہود پر آنے والی چند اہم تفاسیر کا تذکرہ ہے۔

عربی تفاسیر

۱۔ **تبصیر الرحمن و تیسر المنان** از علاؤالدین علی بن احمد مہائمی (متوفی ۸۳۵ ہجری): اس تفسیر کو تفسیر رحمانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا انداز تفسیر جلالین جیسا ہے۔ مفسر نے قرآنی قصص کو مختصر مگر جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ سورتوں اور آیات کا سبب نزول اور باہمی ربط بھی خاص طور پر اس میں شامل ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ بسم اللہ کا

Marfat.com

ترجمہ اور تشریح ہر سورت کے مضمون کے مطابق ہے۔

۲۔ شون المنزلات از متقی برہانپوری (متوفی ۹۷۵ ہجری): اس تفسیر میں آیات کی نحوی اور لسانیاتی توضیح بیان کی گئی ہے۔

۳۔ تفسیر محمد از شیخ محمد بن احمد میاں جی گجراتی (متوفی ۹۸۲ ہجری): اس تفسیر میں سورتوں کے باہمی ربط و تعلق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۔ منبع نفائس العیون از شیخ مبارک بن شیخ حضر ناگوری (متوفی ۱۰۰۱ ہجری): یہ تفسیر ادبی طرز اسلوب سے زیادہ لبریز نظر آتی ہے۔

۵۔ سواطع الالہام از ابوالفیض فیضی (متوفی ۱۰۰۶ ہجری): اس تفسیر میں کوئی نقطے والا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ عربی ادب کا عجیب فن پارہ ہے۔

۶۔ رحمتہ الکتاب از محبّ اللہ الہ آبادی (متوفی ۱۰۵۸ ہجری): اس تفسیر میں تصوف کے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۷۔ التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الشرعیہ از احمد بن ابوسعید (متوفی ۱۱۳۰ ہجری): ان کو ملا جیون کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاد تھے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں احکام اور امر و نواہی کو اکٹھا کیا ہے۔

۸۔ فتح الخبیر فی علم التفسیر از شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ ہجری): اس میں شاہ صاحب نے احادیث کے ذریعے قرآن حکیم کی تشریح کی ہے۔

۹۔ تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ ہجری): انھوں نے تفسیر کا نام اپنے مرشد مظہر جان جاناں کے نام پر رکھا ہے۔ اس میں عارفانہ اور فقہی مباحث کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۱۰۔ غرائب القرآن و رغائب القرآن از نظام الدین حسن محمد بن حسین شافعی قمی مشہور بالنظام الاعرج بالنظام نیشاپوری دولت آبادی: یہ تفسیر ترتیب و مواد میں بہت عمدہ ہے۔

۱۱۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن از نواب سید صدیق حسن خان (متوفی ۱۳۵۷ ہجری)

Marfat.com

۱۲۔ تفسیر القرآن بکلام القرآن از ثناء اللہ امرتسری اس میں قرآن کی آیات کی تشریح قرآنی آیات سے ہی کی گئی ہے۔

۱۳۔ نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان از حمید الدین فراہی (متوفی ۱۳۴۹ ہجری)

۱۴۔ مشکلات القرآن از سید انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۱ ہجری)

فارسی تفاسیر

مغلیہ دور میں فارسی پاک و ہند کی سرکاری زبان رہی ہے اس لیے اس دور میں علم تفسیر میں یہاں فارسی زبان میں بھی کام ہوا۔ ذیل میں چند فارسی تفاسیر کے نام ہیں۔

۱۔ بحر مواج از ملک العلماء قاضی شہاب الدین احمد بن شمس الدین بن عمر زادلی غزنوی دولت آبادی (متوفی ۸۴۹ ہجری): یہ فارسی زبان کی نہایت ضخیم اور عمدہ تفسیر ہے۔ فقہی اور نحوی مسائل بطور خاص اس تفسیر کا مرکز و محور ہیں۔

۲۔ فتح الرحمن از شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ ہجری)

۳۔ تفسیر عزیزی از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

۴۔ تفسیر امین از محمد امین صدیقی

۵۔ نعمت عظمیٰ از مرزا نور الدین عالی

اردو تفاسیر

مغلیہ دور کے آخر میں برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان کی ترویج و ترقی شروع ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی دینی علوم کا ذخیرہ بشمول علم تفسیر اردو زبان میں منتقل ہونے لگا۔ چنانچہ اٹھارویں صدی عیسوی میں اردو میں تفاسیر لکھی جانے لگیں۔ اردو کی چند خاص خاص تفاسیر کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ تفسیر ہندی از قاضی محمد معظم (۱۱۳۱ ہجری)

۲۔ بصائر القرآن از نکہت شاہجہان پوری (۱۱۴۴ ہجری)

۳۔ تفسیر وھابی از عبدالصمد دیر جنگ (۱۱۸۷ ہجری)

Marfat.com

۴۔ کشف القلوب ازابوالوفا محمد عمر (۱۲۰۶ ہجری)

۵۔ موضح القرآن از شاہ عبدالقادر فرزند شاہ ولی اللہ

۶۔ توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید از سید علی مجتہدین بن سید دلدار (۱۲۵۹ ہجری)

۷۔ فیض الکریم از قاضی بدرالدولہ بن شرف الملک (۱۲۸۰ ہجری)

۸۔ تفسیر تنزیل از سید محمود درویش بابا (۱۲۴۰ ہجری)

۹۔ تفسیر قرآن حکیم از سرسید احمد خان

۱۰۔ توضیح مجید از سید علی نقوی (۱۲۵۳ ہجری)

۱۱۔ مظہر العجائب از محمد مرتضیٰ الہ آبادی (۱۲۸۴ ہجری)

۱۲۔ تفسیر رؤفی از رؤف احمد نقشبندی (۱۳۰۵ ہجری)

۱۳۔ فتح المنان از مولانا عبدالحق حقانی (۱۳۳۵ ہجری)

۱۴۔ احسن التفاسیر از مولانا سید احمد دہلوی

۱۵۔ کنز الایمان فی ترجمہ القرآن از مولانا احمد رضا خان بریلوی

۱۶۔ ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد

۱۷۔ تفسیر ماجدی از مولانا عبدالماجد دریا آبادی

۱۸۔ مواہب الرحمن از سید امیر علی ملیح آبادی

۱۹۔ تدبر القرآن مولانا امین احسن اصلاحی

۲۰۔ تفسیر القرآن بالقرآن از ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی

۲۱۔ ترجمہ و تفسیر حیرت دھلوی از محمد امراؤ حیرت دہلوی

۲۲۔ تفسیر وحیدی از مولانا وحید الزمان

۲۳۔ غرائب القرآن از ڈپٹی نذیر احمد

۲۴۔ فوائد الرحمن از شیخ الہند مولانا محمود الحسن

۲۵۔ تفسیر عثمانی از مولانا شبیر احمد عثمانی

Marfat.com

۲۶۔ بیان القرآن ازمولانا اشرف علی تھانوی

۲۷۔ مشکلات قرآن ازمولانا سید محمد انور شاہ کشمیری

۲۸۔ معارف القرآن ازمولانا مفتی محمد شفیع

۲۹۔ معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی

۳۰۔ قصص القرآن ازمولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

۳۱۔ المقام المحمود ازمولانا عبیداللہ سندھی

۳۲۔ تفسیر القرآن ازمولانا احمد علی لاہوری

۳۳۔ تفسیر ثنائی ازمولانا ثناءاللہ امرتسری

۳۴۔ علوم القرآن ازمولانا شمس الحق افغانی

۳۵۔ تفہیم القرآن ازسید ابوالاعلیٰ مودودی

۳۶۔ جواھر القرآن ازمولانا غلام اللہ خان

۳۷۔ ضیاء القرآن ازپیر محمد کرم شاہ الازہری

انگریزی تفاسیر

سرزمین ہند پر جب انگریز قابض ہوگئے تو انگریزی زبان کو سرکاری طور پر مقتدر حیثیت حاصل ہوگئی اور اس تبدیلی کا لازمی امر تھا کہ تفسیر سمیت علوم دینیہ اس زبان میں منتقل ہوں۔ قرآن حکیم چونکہ عربی میں ہے اس لیے عربی کے علاوہ ہر زبان میں تشریح مطالب کا پہلا مرحلہ ترجمہ ہوتا ہے۔ ترجمہ تشریح معانی، بیان مفہوم، حل لغات وترکیب پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک معنی میں تفسیر ہی ہے۔ اسی لیے فارسی، اردو اور انگریزی زبان میں قرآن کی جتنی بھی تفسیریں لکھی گئیں ان میں عموماً ترجمے کو اولین اہمیت دی گئی۔

ذیل میں برصغیر کی چند اہم انگریزی تفاسیر کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۱۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کی طرف سے قرآن کے انگریزی تراجم کا آغاز ہوا۔ بظاہر سب سے پہلے ۱۸۹۹ میں ایک انگریزی ترجمہ سیالکوٹ سے شائع ہوا جس

Marfat.com

پر مترجم کا نام نہیں تھا۔

۲۔ ۱۹۰۵ میں ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی نے اپنی تفسیر مع ترجمہ انگریزی زبان میں شائع کروائی جس میں تفسیر القرآن بالقرآن پر خصوصی توجہ دی گئی۔

۳۔ ۱۹۱۱ میں مرزا ابوالفضل الہ آبادی نے راڈویل (J.M. Rodwell) اور نالڈ کے (Nodleke) کے انداز پر قدرے اختلاف کے ساتھ قرآن کی سورتوں کو نزولی ترتیب دے کر لفظی ترجمے اور مختصر حواشی کے ساتھ شائع کیا۔

۴۔ ۱۹۳۱ میں بادشاہ حسین سیتاپوری کا ترجمہ و تفسیر لکھنو سے شائع ہوا اور بادشاہ حسین کے انتقال کے بعد سید افتخار حسین نے آخری پندرہ پاروں کی تفسیر و ترجمہ مکمل کیا۔

۵۔ ۱۹۳۴ میں عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ اور تفسیر لاہور سے شائع ہوا۔

۶۔ ایم ایم پکھتال کا ترجمہ مع حواشی حیدر آباد دکن سے ۱۹۳۸ میں شائع ہوا۔

۷۔ سید محمد علی حبیب کا ترجمہ مع حواشی ۱۹۵۹ میں کراچی سے شائع ہوا۔

انگریزی زبان میں یہ ترجمے اور حاشیے عصری رجحانات و طریق افہام و تفہیم پر مبنی ہیں۔ ہر ایک نے اپنے رجحانات کو بحث و مناظرہ کے بغیر اچھے سے اچھے اسلوب میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں نہ تو عام روائتی طویل قصے ہیں نہ علم کلام کے الجھے ہوئے مسائل و دلائل۔ سادہ اسلوب اور عام فہم باتیں ہیں تاکہ ماحول اور معاشرہ ان کو قبول کرنا چاہے تو راستے کھلے ہوں۔

ہندی تفاسیر

ہندی زبان چونکہ مسلمانوں میں زیادہ مقبول عام نہیں ہوئی اس وجہ سے اس زبان میں تفسیری کام بہت مختصر ہوا ہے۔ حسن نظامی نے تفسیر ہندی کے نام سے ایک تفسیر لکھی جس میں متن عالمگیر کے قلمی قرآن کا عکس ہے اردو ترجمہ مولوی نذیر احمد کا ہے اور تفسیر ہندی زبان میں ہے۔

پشتو تفاسیر

۱۔ مخزن التفاسیر از مولانا محمد الیاس پشاوری

۲۔ کشاف القرآن از علامہ حافظ محمد ادریس

Marfat.com

۳۔ تفسیر ودودی از مولانا فضل ودود

۴۔ تفسیر حسین از محمد عبداللہ اور ان کے شاگرد عبدالعزیز عادل

اس کے علاوہ مولانا مراد علی نے پشتو زبان میں ایک تفسیر لکھی جو اس زبان میں بڑی مستند اور ضخیم تفسیر ہے۔ مولانا عبدالحق نے بھی پشتو میں ایک تفسیر لکھی جو بہت مشہور ہوئی۔

سندھی تفاسیر

۱۔ مولانا ابوالحسن ٹھٹھوی نے سب سے پہلے سندھی زبان میں تفسیر لکھی۔

۲۔ فتح محمد نظامانی نے اپنے مرشد مولانا رشید الدین شاہ کے فرمان پر تفسیر مفادہ رشد اللہ لکھی جو مفصل اور مبسوط تفسیر ہے۔

۳۔ مولوی محمد عثمان نورنگ زادہ نے چار جلدوں میں تنویر الایمان لکھی۔

۴۔ پیر مردان علی شاہ پیر پگاڑا نے پانچ جلدوں میں تفسیر کوثر کو حیدر آباد سے شائع کیا۔

پنجابی تفاسیر

۱۔ تفسیر محمدی موضح فرقان مع تفسیر فتح الرحمٰن۔ یہ حافظ محمد بن بارک اللہ کی تصنیف ہے۔ نثر میں ترجمہ اور نظم میں تفسیر ہے۔

۲۔ تفسیر بنوس یہ تفسیر نبی بخش حلوائی کی ہے۔ یہ بھی منظوم تفسیر ہے۔

۳۔ تفسیر دلپذیر یہ مولوی دل محمد بھیروی کی منظوم تفسیر ہے۔

۴۔ عبدالغفور اسلم کی ایک تفسیر پنجابی زبان میں گجرات سے شائع ہوئی۔

حوالہ جات

۱۔ ماخوذ از اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری مطبع لاہور، ص ۱۱

❁❁❁

Marfat.com

ساتواں باب

حقیقت وحی

ضرورت واہمیت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لے دوسرا یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لیے انسان کو علم کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کون سی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی چیز اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کر سکتا۔ نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کون سے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مذکورہ باتوں کا علم حاصل ہوتا رہے۔ ایک انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، منہ اور ہاتھ پاؤں دوسری عقل اور تیسری وحی۔ چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں اور بہت سی عقل کے ذریعے اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا گیا۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص

Marfat.com

دائرہ کار ہے جس سے آگے وہ کام نہیں دیتا۔ چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں ان کا علم نری عقل سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کس انسان نے چھوا ہے بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔

غرض جہاں تک حواس خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواس خمسہ جواب دے جاتے ہیں تو وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی محدود ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے۔ مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا یہ نہ حواس کے ذریعے معلوم ہو سکتا ہے نہ عقل کے ذریعے۔ اس قسم کے سوالات کا جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو ذریعہ مقرر فرمایا ہے اس کا نام وحی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر اسے اپنا پیغمبر قرار دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ اسی کلام کو وحی کہتے ہیں۔

اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہو سکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کے لیے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی اس لیے یہ ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو جائے بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے اسی طرح بہت سے دینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کی

Marfat.com

بجائے وحی کا منصب ہے اوران کے ادراک کے لیے نری عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔

جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو اس سے وحی کے مسئلہ پر بات کرنا بالکل بے سود ہے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ فرائض کیا ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصد زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی قاصد کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیجے اور اسے چلتے وقت نہ تو سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعے اس پر واضح کرے کہ اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی۔ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جس کی حکمت بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان یا زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جا سکیں اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں رکھا بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے۔ پس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کو وحی و رسالت کہتے ہیں۔

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ "وحی" محض ایک دینی اور اعتقادی ہی نہیں بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے۔ جس کا انکار دراصل اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔[1]

وحی کا مفہوم

"وحی" اور "ایحاء" عربی زبان کے الفاظ ہیں اور لغت میں ان کے معنی جلدی سے کوئی

Marfat.com

اشارہ کر دینے کے ہیں۔ خواہ یہ اشارہ کسی بامعنی یا بے معنی آواز سے کیا جائے، یا رمز و کنایہ استعمال کر کے کیا جائے یا کوئی تحریر و نقوش استعمال کر کے کیا جائے۔ لغت کے اعتبار سے ان تمام صورتوں پر وحی کا لفظ صادق آتا ہے۔

☆ چنانچہ اسی معنی میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہے۔

فخرج علی قومه من المحراب فاوحٰی الیهم ان سبحوا بکرة و عشیا

(سورۂ مریم۔۱۱)

پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انھیں اشارہ کیا کہ صبح شام تسبیح کرتے رہا کرو۔

☆ دل میں بات ڈالنے کو بھی قرآن حکیم میں وحی کے معنی میں لیا گیا ہے۔

واوحٰی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا (سورۂ النحل۔۶۸)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں پر گھر بنالے۔

☆ شیطان دل میں جو وسوسے ڈالتے ہیں ان کے لیے بھی قرآن میں یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

و کذلك جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس و الجن یوحی بعضهم الی بعض (سورۃ الانعام۔۱۱۲)

اور اس طرح ہم نے ہر نبی کے لیے ایک نہ ایک دشمن ضرور پیدا کیا ہے جن و انس کے شیاطین (میں سے) جو ایک دوسرے کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں۔

وان الشیاطین لیوحون الٰی اولیاء هم لیجادلو کم (سورۃ الانعام۔۱۲۱)

اور بلاشبہ شیطان اپنے دوستوں کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں۔

☆ کسی غیر نبی کے دل میں جو بات ڈالی جاتی ہے اس کو بھی اس لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

و اوحینا الٰی ام موسٰی ان ارضعیه (سورۃ القصص۔۷)

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس کو دودھ پلاؤ۔

Marfat.com

☆ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جو احکام دیتے ہیں اس کو بھی وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اذ یوحی ربك الی الملائكة انی معكم (سورۃ الانفال۔۱۲)

جب آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

وحی کا اصطلاحی مفہوم

مندرجہ بالا تمام آیات قرآن میں ''وحی'' کی لغوی تعبیریں ہیں۔

اصطلاح میں وحی کا مفہوم اس طرح ہے:

كلام الله المنزل علی نبی من انبیائه۔[۲]

اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے انبیاء میں سے کسی نبی پر نازل ہوا ہو۔

حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ''وحی'' اور ''ایحاء'' دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ ''ایحاء'' کا مفہوم عام ہے اور اس میں انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی شامل ہے۔ لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس ''وحی'' صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں لفظ ''ایحاء'' کا استعمال تو انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لیے ہوا ہے۔ جب کہ لفظ ''وحی'' کا استعمال صرف انبیاء کے لیے کیا گیا ہے۔[۳]

لہٰذا ''وحی'' وہ خاص ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے کسی منتخب بندے اور رسول تک پہنچاتا ہے اور پھر اس رسول کے ذریعے تمام انسانوں تک۔ چونکہ وحی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مشاہدہ صرف انبیاء ہی کو ہوتا ہے اس لیے اس کا صحیح ادراک بھی انبیاء ہی کو ہو سکتا ہے۔

وحی کی اقسام

۱۔ وحی قلبی:

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے۔ اس قسم میں نہ کسی فرشتے کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ ہی نبی کی قوت سامعہ اور حواس کا۔

Marfat.com

اس لیے اس میں کوئی آواز نبی کو سنائی نہیں دیتی بلکہ بات قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

۲۔ کلام الٰہی :

وحی کی اس دوسری قسم میں اللہ تعالیٰ نبی کو براہ راست ہم کلام ہونے کا شرف عطا کرتا ہے۔ اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا لیکن نبی کو آواز ضرور سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل جدا، ایک عجیب وغریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے جس کا ادراک عقل کے ذریعے سے ممکن نہیں ہے۔ جو انبیاء اس کو سنتے ہیں اس کی کیفیت اور سرور کو وہی پہچان سکتے ہیں۔ وحی کی اس قسم میں چونکہ باری تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے اس لیے یہ قسم وحی کی تمام قسموں سے افضل اور اعلیٰ ہوتی ہے۔

۳۔ وحی مَلَکی :

وحی کی اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام فرشتے کے ذریعے نبی تک پہنچاتا ہے۔ بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، بعض اوقات وہ کسی انسان کی شکل میں سامنے آ کر پیغام دیتا ہے اور بعض مرتبہ نبی کو اپنی اصلی صورت میں بھی نظر آتا ہے۔

قرآن حکیم نے وحی کی ان تینوں اقسام کے بارے میں درج ذیل آیت میں ارشاد فرمایا ہے۔

وما كانَ لبشر ان يكلمه الله الا وحيا اومن ورائ حجاب او يرسل رسولا فيوحى باذنه ما يشاء (سورۃ الشوریٰ۔۵۱)

اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے (روبرو ہو کر) بات کرے، مگر اس طرح کہ دل میں بات ڈال دی جائے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے اس پر اللہ جو چاہے وحی نازل کرے۔

اس آیت میں وحیاً (دل میں بات ڈالنے) سے مراد وحی کی پہلی قسم یعنی وحی قلبی مراد ہے۔

Marfat.com

پردے کے پیچھے سے مراد وحی کی دوسری قسم یعنی کلام الٰہی اور پیغامبر بھیجنے سے مراد تیسری قسم یعنی وحی مَلَکی مراد ہے۔[ك]

آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہونے کے طریقے

آنحضرت ﷺ پر وحی مختلف طریقوں سے نازل کی جاتی تھی۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

احیانا یا تینی مثل صلصلة الجرس و هو اشد علیّ فیفصم عنی وقد وعیت ما قال و احیانا یتمثل لی الملك رجلا۔[ف]

کبھی تو مجھے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز نے کہا ہوتا ہے مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آتا ہے۔

اس حدیث سے آنحضرت ﷺ پر نزولِ وحی کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

ا۔ صلصلة الجرس (گھنٹیوں کی آواز)

اس طریقے میں آپ ﷺ کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی کہ جیسے گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں تو صرف اتنا ہی مذکور ہے۔ اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کی وحی کو کس اعتبار سے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ البتہ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فرشتے کی آواز ہوتی تھی، بعض کا خیال ہے کہ فرشتہ وحی لاتے وقت اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا تھا اس لیے یہ آواز پیدا ہوتی تھی اور علامہ خطابیؒ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہاں گھنٹی کی آواز سے جو وحی کو تشبیہ دی گئی ہے اس سے آواز کا ترنم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد تسلسل ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے اور کسی جگہ ٹوٹتی نہیں اس طرح وحی کی آواز بھی مسلسل ہوا کرتی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب محض قیاسات ہیں اور ان کی بنا پر کوئی یقینی بات نہیں کی جا سکتی۔ البتہ حضرت

Marfat.com

انور شاہ کشمیری نے شیخ اکبر محی الدین عربی سے نقل کر کے اس تشبیہ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ مذکور تمام توجیہات سے زیادہ لطیف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تشبیہ دو اعتبار سے دی گئی ہے۔ ایک تو آواز کے تسلسل کے اعتبار سے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اور دوسرے اس اعتبار سے کہ گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور باری تعالیٰ چونکہ کسی جہت اور مکان و زمان سے منزہ اور پاک ہے، اس لیے کلام الٰہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آواز کسی ایک سمت سے نہیں آتی بلکہ ہر جہت سے آتی ہے۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں لیکن اس بات کو تمام ذہنوں کے قریب لانے کے لیے آنحضرت ﷺ نے اسے گھنٹیوں کے آواز سے تشبیہ دی ہے۔ [ل]

بہر کیف اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور اس کے رسول کو۔ حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے اس خاص طریقے میں گھنٹیوں کی سی آواز آیا کرتی تھی۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ وحی کا یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے زیادہ دشوار ہوتا تھا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وھو اشد علی (یہ طریقہ میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوں تو وحی کا ہر ایک طریقہ سخت ہوتا تھا لیکن اس گھنٹیوں کی آواز والے طریقے میں سب سے زیادہ بار ہوا کرتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ کہنے والے اور سننے والے میں کسی نہ کسی طرح مناسبت پیدا ہونی ضروری ہوتی ہے۔ اب اگر فرشتہ انسانی شکل میں آجائے تو حضور ﷺ پر کوئی غیر معمولی بار نہیں پڑتا تھا۔ صرف کلام الٰہی کے جلال وغیرہ کا بار ہوتا تھا۔ اس کے برخلاف جب فرشتہ انسانی شکل میں نہ آئے بلکہ اس کی آواز یا براہ راست باری تعالیٰ کا کلام سنائی دے تو یہ ایک غیر معمولی کیفیت ہوتی تھی اور اس سے مانوس ہونے اور استفادہ کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ مذکورہ حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں:

"ولقد رایت ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنه وان جبینه لیتفصل عرقا"[ک]

Marfat.com

”میں نے سخت جاڑوں میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تھا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔“

ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

”جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کا سانس رکنے لگتا، چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ ﷺ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے۔“[۸]

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے وہ آپ ﷺ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا کہ اسی حالت میں وحی آ گئی۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ اس سے میری ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے محسوس ہوا کہ جیسے وہ ٹوٹنے لگی ہے۔[۹]

مسند احمد کی ایک روایت میں آپ ﷺ خود فرماتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری روح کھینچ رہی ہے۔

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

۲۔ تمثیل ملک

وحی کی دوسری صورت جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ ﷺ کے پاس آ کر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا۔ ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرائیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں حضرت دحیہ کلبیؓ کا انتخاب شاید اس لیے کیا گیا ہو کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان

Marfat.com

تھے۔ اتنے حسین کہ اپنا چہرہ ڈھانپ اور لپیٹ کر چلتے تھے البتہ بعض مواقع پر دوسری شکلوں میں بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آنا ثابت ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کی مشہور روایت میں وہ بالکل ایک اجنبی کی صورت میں تشریف لائے تھے۔ کیونکہ وہاں مقصد ہی یہ تھا کہ حاضرین ایک اجنبی کو حضور ﷺ کے ساتھ اتنی بے تکلفی سے باتیں کرتا دیکھ کر اچنبھے میں پڑ جائیں۔ بہرکیف وحی کی اس صورت میں فرشتہ انسان کی شکل میں آتا تھا اور اس طریقے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ مذکورہ حدیث میں وحی کی یہی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔ لیکن دوسری احادیث کے ذریعے اس کے علاوہ بھی نزول وحی کے کئی طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

۳۔ فرشتے کا اپنی اصلی شکل میں آنا

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے۔ لیکن ایسا آپ ﷺ کی ساری زندگی میں صرف تین بار ہوا ہے ایک مرتبہ اس وقت جب آپ ﷺ نے خود حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر اور تیسری مرتبہ نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر۔ پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں آخری کی سند البتہ کمزور ہے۔

۴۔ رویائے صادقہ

وحی کی چوتھی صورت یہ تھی کہ آپ کو نزول قرآن سے قبل سچے خواب نظر آیا کرتے تھے۔ جو کچھ آپ ﷺ خواب میں دیکھتے بیداری میں ویسا ہی ہو جاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا۔

۵۔ کلام الٰہی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ

Marfat.com

راست ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بیداری کی حالت میں یہ واقعہ صرف معراج کے موقع پر پیش آیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ ہم کلام ہوئے ہیں [۱۱]

۶۔ نفث فی الروع

وحی کا چھٹا طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی بھی شکل میں سامنے آئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں کوئی بات القا کر دیتے تھے۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان روح القدس نفث فی الروعی [۱۲]

وحی اور کشف والہام

وحی صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی بھی غیر نبی پر خواہ وہ تقدس وولایت کے کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو وحی نہیں آسکتی۔ البتہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کچھ باتیں بتا دیتا ہے اسے کشف یا الہام کہتے ہیں۔ کشف اور الہام میں حضرت مجدد الف ثانی نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ کشف کا تعلق حسیات سے ہے یعنی اس میں کوئی واقعہ یا چیز آنکھوں سے نظر آجاتی ہے اور الہام کا تعلق وجدانیات سے ہے یعنی اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی، صرف دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے۔ اس لیے عموماً الہام کشف کی نسبت زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ [۱۳]

وحی کی آخری صورت یعنی "نفث فی الروع" بظاہر الہام سے بہت قریب ہے۔ کیونکہ دونوں کی حقیقت یہی ہے کہ دل میں کسی بات کا القا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں حقیقت کے اعتبار سے فرق یہ ہے کہ وحی میں، جو صرف نبی کو ہوتی ہے، یہ علم بھی دیا جاتا ہے کہ یہ بات کس نے دل میں ڈالی ہے۔ لیکن الہام میں اس ذات کا تعین نہیں ہوتا کہ یہ بات کس نے دل میں ڈالی ہے۔ صرف محسوس ہوتا ہے کہ دل میں کوئی بات آگئی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ اس بنا پر انبیاء علیہم السلام کی وحی سو فیصد سچی ہوتی ہے اور اس کی پیروی فرض ہے۔ لیکن اولیاء کا الہام یقینی نہیں ہوتا اس لیے دین میں اس کی کوئی حجت بھی نہیں اور نہ ہی اس کا اتباع فرض ہے۔

Marfat.com

وحی متلو اور غیر متلو

آنحضرت ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی وہ دو قسم کی تھی۔ ایک تو قرآن کریم کی آیات جن کی تلاوت کی جاتی ہے اور جن کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور جو قرآن کریم میں ہمیشہ کے لیے اس طرح محفوظ کر دیے گئے ہیں کہ ان کا ایک حرف یا نقطہ بھی نہیں بدلا جا سکتا۔ اس وحی کو اصطلاح میں وحی متلو کہتے ہیں یعنی جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔

دوسری قسم اس وحی کی ہے جو قرآن کریم کا جزو یا حصہ نہیں بنی۔ لیکن اس کے ذریعے آپ ﷺ کو بہت سے احکامات دیے گئے۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔

عموماً وحی متلو یعنی قرآن کریم میں اسلام کے اصولی عقائد اور بنیادی تعلیمات کی تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان تعلیمات کی تفصیل اور جزوی مسائل زیادہ تر ''وحی غیر متلو'' کے ذریعے عطا فرمائے گئے ہیں۔ یہ وحی غیر متلو صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ ہے۔ (۱۴)

حوالہ جات

۱۔ محمد شفیع، مفتی، مولانا، معارف القرآن ادارۃ المعارف کراچی، جلد ۱، مقدمہ، ص ۱۲۔۲۳۔
۲۔ بدر الدین العینی: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری طبع استنبول، ص ۱۸ بحوالہ علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی، ص ۲۹۔
۳۔ انور شاہ کشمیری، مولانا، فیض الباری، ج ۱، ص ۱۹ بحوالہ علوم القرآن مولانا تقی عثمانی۔
۴۔ محمد تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن، ص ۱۳۔۳۲۔
۵۔ صحیح بخاری، ۱۲۔
۶۔ فیض الباری، ج ۱، ص ۹۱۔۲۰ قاہرہ بحوالہ علوم القرآن۔
۷۔ صحیح بخاری، ج ۱۔
۸۔ سیوطی، علامہ جلال الدین، الاتقان ج ۱۔
۹۔ ابن القیم زاد المعارج ۱، ص ۱۸ مطبوعہ مصر۔
۱۰۔ العینی عمدۃ القاری، ج ص ۴۷، مطبوعہ استنبول بحوالہ علوم القرآن۔
۱۱۔ سیوطی! الاتقان، ج ۱، ص ۴۶۔
۱۲۔ سیوطی! الاتقان، ج ۱، ص ۴۶۔
۱۳۔ فیض الباری، ج ۱، ص ۱۹ بحوالہ علوم القرآن۔
۱۴۔ تقی عثمانی مولانا، علوم القرآن، ص ۴۰۔

❀❀❀

Marfat.com

آٹھواں باب

جمع وتدوین قرآن

قرآن کریم آنحضرت ﷺ پر ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوا بلکہ وقت، ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ عہد رسالت میں چونکہ امت کی رہنمائی کے لیے ہر لمحہ وحی کی توقع رہتی تھی اس لیے نزول کے دوران یہ ممکن نہیں تھا کہ اس کو کتابی شکل میں لکھ کر یا مدوّن کر کے محفوظ کر لیا جاتا۔ آج جس شکل میں قرآن حکیم ہمارے پاس محفوظ اور موجود ہے یہ اس کی نزولی ترتیب نہیں ہے بلکہ اس موجودہ ترتیب کو ترتیبِ توقیفی کہتے ہیں یعنی وہ ترتیب جس کی آنحضرت ﷺ کاتبین وحی صحابہ کو رہنمائی فرما دیتے تھے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں فلاں آیات سے پہلے یا بعد میں لکھ لو۔ لہٰذا اس صورت حال میں اگر قرآن حکیم کو عہد رسالت میں ہی جمع یا مرتب کیا جاتا تو ہر مرتبہ وحی کے آنے پر بار بار اکھاڑ پچھاڑ کرنا پڑتی۔ لہٰذا جب کلام الٰہی کا نزول مکمل ہو گیا تب صحابہ نے اسے مکمل طور پر ایک کتابی صورت دی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نزول کے پورے عرصے میں قرآن حکیم کو جمع یا مدون ہی نہیں کیا گیا بلکہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی جمع اور حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی لے لیا تھا۔

حفاظت قرآن، قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان علینا جمعه و قرانه (سورۃ القیامہ۔ ۱۷)

(اے رسول ﷺ) بے شک اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نزول وحی کے وقت جلدی اور عجلت سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا اور قرآن مجید کی جمع وتدوین اور حفاظت خود اپنے ذمہ لے لی۔

Marfat.com

جمع اور اس کی حفاظت کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کی آیات میں وضع کر دیے کہ اس مقصد کی تکمیل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جمع صدور یعنی قرآن کو سینوں میں محفوظ کیا جائے دوسری صورت جمع مکتوب یعنی اس کلام کی تحریر و کتابت کی صورت میں حفاظت کی جائے۔ جمع صدور کی ترغیب اس آیتِ قرآنی میں دی گئی۔

بل هو اٰیٰت بینات فی صدور الذین اوتو العلم (سورۃ العنکبوت۔۴۹)

یعنی یہ قرآن مجید روشن اور واضح آیات کا مجموعہ ہے جو اصحاب علم کے سینوں میں محفوظ ہے۔

اسی طرح جمع مکتوب یعنی تحریری صورت میں محفوظ کرنے کا اشارہ اور تائید و تلقین ان آیات میں کی گئی۔

و کتاب مسطور ٥ فی رق منشور (سورۃ الطور۔۲۔۳)

یعنی یہ کتاب (قرآن مجید) کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔

انه لقران کریم ٥ فی کتاب مکنون (سورۃ الواقعہ۔۷۷۔۷۸)

یعنی یہ بڑی عزت والا قرآن ہے جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

حفاظت اور جمع و تدوین کا باقاعدہ اہتمام

عہد رسالت

عہد رسالت میں قرآن کریم کی حفاظت کا اہتمام قرآن ہی کے بتائے ہوئے نسخے اور طریقے کے مطابق دو طرح سے کیا گیا ہے۔

اول: قرآن کو حفظ کیا گیا۔

دوم: قرآن کو لکھنے یعنی اس کی کتابت کا اہتمام کیا گیا۔

اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوت حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے۔ انہیں صدیوں تک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد قرآن کی ہدایت نصیب ہوئی تھی جسے وہ اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع تصور کرتے تھے اور اس نور ہدایت سے وہ صرف اپنے ظاہر کو ہی نہیں بلکہ

Marfat.com

باطن کو بھی منور کرنے کے لیے اسے زبانی یاد کر لیتے تھے۔ چنانچہ اس شوق ورغبت میں صحابہ کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جسے عہد رسالت میں ہی قرآن از بر تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ قرآن کی اس جماعت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ بن یمان، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابوحلیمہ معاذؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداؓ، حضرت تمیم داریؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ جیسے حضرات شامل تھے اوران کے قائد اور قرآن کے اولین حافظ وقاری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔

یہ تو مشہور صحابہ ہیں جن کا نام روایات میں محفوظ ہے مگر ان کے علاوہ بھی بے شمار صحابہ ہوں گے جنھوں نے قرآن کریم مکمل حفظ کیا ہوگا۔ غرض دور رسالت میں حفاظت قرآن کے لیے ابتدائی قدم یہی اٹھایا گیا اسے زیادہ سے زیادہ صحابہ کو یاد کرایا گیا اور دوسرا انتظام یہ کیا گیا کہ جب قرآن نازل ہوتا تو اسے کاتبین وحی صحابہ سے لکھوالیا جاتا۔

ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے۔

كان النبى صلى الله عليه و آله وسلم من يكتب له و يعول له:
ضع هذه الآية فى السورة التى يذكر فيها كذا و كذا۔[1]

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات نازل ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کاتب وحی کو بلاتے اور اسے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ لو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت ''**واتقو يوما ترجعون فيه الى الله**'' نازل ہوئی تو **فقال جبريل للنبى صلى الله عليه وآله وسلم ضعها على راس مائتين ثمانين من سورة البقرة۔**[2]

یعنی جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اس آیت کو سورۃ البقرہ کی آیت

Marfat.com

نمبر دو سو اسی کے بعد لکھوایئے۔ لہٰذا آج قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں یہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر دو سو اکیاسی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ترتیب توقیفی بھی من جانب اللہ ہے۔

کتابت قرآن کے طریق کار کے بارے میں حضرت زیدؓ بن ثابت فرماتے ہیں۔

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وحی کی کتابت کرتا تھا۔ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کو سخت گرمی لگتی تھی اور آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ پھر آپ ﷺ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی لے کر یا کوئی اور ٹکڑا لے کر حاضر ہو جاتا آپ ﷺ لکھواتے جاتے، میں لکھتا جاتا یہاں تک کہ جب لکھ کر فارغ ہو جاتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی بھی نہ چل سکوں گا۔ بہر حال جب میں فارغ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی اصلاح فرما دیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔''[۳]

کتابت وحی کا مقدس فریضہ حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ اور بھی صحابہ کے سپرد تھا جن کی تعداد ۴۰ تک روایت کی جاتی ہے۔ لیکن ان میں زیادہ مشہور صحابہ یہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ ابنؓ ابی سرح، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص، حضرت ابانؓ بن سعید بن العاص، حضرت حنظلہؓ ابن الربیع، حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ، حضرت عبداللہ بن ارقم الزہریؓ، حضرت شرجیلؓ بن حسنہ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت ثابتؓ بن قیاس بن شماس، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ۔ ان کے علاوہ امہات المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہؓ کو بھی

Marfat.com

جمع قرآن اور کتابت قرآن کا شرف حاصل ہے۔

عہد رسالت میں چونکہ کاغذ ناپید تھا اس لیے قرآن کریم کو زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، درختوں کے چوڑے پتوں اور جانوروں کی چوڑی ہڈیوں پر لکھا جاتا تھا البتہ کبھی کبھار کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔

اور یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ دورِ رسالت میں قرآن حکیم مکمل صورت میں اسی طرح لکھ لیا گیا تھا جس طرح آج ہمارے پاس موجود اور محفوظ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بکھرے ہوئے پارچہ جات پر تھا لیکن اصل بات یہ ہے کہ پورا قرآن لکھ لیا گیا تھا، جس کی تائید و تصدیق ان روایات سے ہوتی ہے۔

مسند امام احمد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ ہمارے پاس باقاعدہ قرآن مجید لکھے ہوئے موجود تھے جس سے ہم نے خود قرآن مجید سیکھا اپنی عورتوں اور اولاد اور خادموں کو سکھایا اور یہ اس حقیقت کی دلیل ہے کہ قرآن حکیم عہد نبوت میں ہی مرتب اور مجموع تھا۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ عہد رسالت میں چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا اور وہ چاروں صحابہ انصار سے تعلق رکھتے تھے اُن کے نام یہ تھے۔ ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ۔ حضرت ابوزیدؓ کے جمع کردہ قرآن کے بارے میں حضرت زیدؓ کہا کرتے تھے کہ وہ قرآن ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے تو اپنا جمع کیا ہوا قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا بھی تھا اور ساتھ ساتھ اس کا موازنہ بھی کیا تھا کہ کہیں کوئی غلطی تو نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی قرآن جمع کیا تھا۔ ابوالاحوص کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مکان پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے پاس بیٹھے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ لوگ قرآن مجید دیکھ کر پڑھ رہے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس لوگ جمع ہوتے تو قرآن مجید کھول کر بیٹھ جاتے اور اس کی تلاوت کرتے۔ وہ لوگوں کو ہمیشہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی ہدایت کرتے تھے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت ناجیہؒ، حضرت لبید بن ربیعہ العامریؓ، حضرت عقبہ بن عمرالجہنیؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ اور حضرت قیس بن السکن رحمۃ اللہ علیہ کے نام

Marfat.com

بھی جامعین قرآن میں آتے ہیں۔

ان تمام حضرات نے عہد رسالت میں قرآن حکیم کو حفظ بھی کیا اور بذریعہ کتابت جمع کرنے کی بھی سعادت حاصل کی۔

عہد صدیقی میں جمع وتدوین قرآن

آنحضرت ﷺ کے دور میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے وہ متفرق اشیاء پر تھے۔کوئی آیت چمڑے پر کوئی درخت پر، کوئی پتھر کی سلوں پر اور کوئی چوڑی ہڈیوں پر۔ دوسری بات یہ کہ عہد رسالت میں صحابہ کے پاس مکمل نسخے بہت کم تھے۔کسی صحابی کے پاس پانچ دس سورتیں لکھی ہوتی تھیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات۔

اس بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے محفوظ کر دیا جائے۔انھوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت انجام دیا اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک روز مجھے بلوایا۔ میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرؓ نے ابھی آکر مجھ سے بات کہی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی ہے اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کریں۔ میں نے عمرؓ سے کہا کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے اپنے دور میں خود نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں؟ عمرؓ نے جواب دیا"کہ خدا کی قسم یہ کام بہتر ہی بہتر ہے اس کے بعد عمرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہوگیا اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمرؓ کی ہے۔اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نوجوان اور سمجھ دار آدمی ہو ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے۔تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو لہٰذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انھیں جمع کرو۔

Marfat.com

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ کھودنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا۔ میں نے بھی ان سے کہا آپ وہ کام کیوں کر رہے ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ نے خود نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ خدا کی قسم یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے پر کھول دیا جو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی رائے تھی۔ چنانچہ میں نے قرآنی آیات کی تلاش کرنے کا کام شروع کر دیا۔ کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کیا۔

حضرت زیدؓ کی احتیاط کا عالم

حضرت زیدؓ بن ثابت خود بھی حافظ قرآن تھے۔ لہٰذا وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے ان کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اس وقت موجود تھے۔ ان کی ایک جماعت بنا کر قرآن کریم لکھا جا سکتا تھا نیز قرآن کریم کے جو مکمل نسخے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لکھ لیے گئے تھے۔ حضرت زیدؓ اُن سے قرآن کریم نقل کر سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے احتیاط کے پیش نظر ان سب میں سے کسی ایک طریقہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں وہ مختلف صحابہ کے پاس محفوظ تھیں حضرت زیدؓ نے ان کو یکجا فرمایا تا کہ نیا نسخہ ان میں سے نقل کیا جائے۔ چنانچہ یہ اعلان عام کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہو وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے اور جب کوئی شخص ان کے پاس قرآن کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو ان چار طریقوں سے اس کی تصدیق کی جاتی۔

۱۔ حضرت زیدؓ سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے۔

۲۔ پھر حضرت عمرؓ بھی حافظ قرآن تھے اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ لگا دیا تھا۔ لہٰذا جب کوئی شخص آیت لے کر آتا

Marfat.com

تو حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے۔ حضرت زیدؓ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی یادداشت سے اس کی تصدیق فرماتے تھے۔

۳۔ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جاتی تھی جب تک دو قابل اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دے دی ہو کہ آیت آنحضرت ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ بظاہر یہ گواہیاں اس بات پر بھی لی جاتی تھیں کہ یہ لکھی ہوئی آیت آنحضرت ﷺ کی وفات سے پہلے آپ ﷺ کے سامنے پیش بھی کر دی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے اس بات کی تصدیق بھی فرما دی تھی کہ یہ انہی حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا تھا۔ علامہ سیوطی کی اس بات کی تائید متعدد روایات سے بھی ہوتی ہے۔

۴۔ اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہ نے تیار کر رکھے تھے۔ امام ابوشابہؒ فرماتے ہیں کہ اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے اور صرف حافظہ پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ متن کو انہی آیات سے نقل کیا جائے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے لکھا گیا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن کا یہ طریق کار ذہن میں رہے تو حضرت زیدؓ بن ثابت کے اس ارشاد کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ سورہ توبہ کی آخری آیات لقد جاء کم رسول من انفسکم ...... مجھے صرف حضرت ابوخزیمہؓ کے پاس سے ملیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ آیتیں سوائے حضرت ابوخزیمہؓ کے کسی اور کو یاد نہیں تھیں یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہیں تھیں اور ان کے سوا کسی کو ان کا جزو قرآن ہونا معلوم نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کی لکھوائی ہوئی قرآن کریم کی متفرق آیات لے کر آرہے تھے ان میں سے یہ آیتیں سوائے حضرت ابوخزیمہؓ کے کسی کے پاس نہیں ملیں۔ ورنہ جہاں تک ان آیات کے جزو قرآن ہونے کا تعلق ہے یہ بات تواتر کے ساتھ سب کو معلوم تھی۔ اول تو جن سینکڑوں حفاظ کو پورا قرآن کریم یاد تھا انھیں یہ آیات بھی یاد تھیں۔ دوسرے آیات قرآنی کے جو مکمل مجموعے مختلف

Marfat.com

صحابہ نے تیار کر رکھے تے ان میں بھی یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں لیکن چونکہ حضرت زید بن ثابتؓ نے مزید احتیاط کے لیے مذکور بالا ذرائع پر اکتفا کرنے کی بجائے متفرق طور پر لکھی ہوئی آیتوں کو جمع کرنے کا بھی بیڑا اٹھایا تھا اس لیے انھوں نے یہ آیات اس وقت تک اس نئے مجموعے میں درج نہیں کی جب تک اس تیسرے طریقہ سے بھی وہ آپ کو دستیاب نہیں ہوگئیں، دوسری آیات کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ حفاظ صحابہؓ کو یاد ہونے اور عہد رسالت ﷺ کے مکمل مجموعوں میں محفوظ ہونے کے علاوہ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس الگ الگ سے بھی لکھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ایک ایک آیت کئی صحابہؓ لے کر آرہے تھے اس کے برعکس سورہ توبہ کی یہ آخری آیات سینکڑوں صحابہ کو یاد تو تھیں اور جن حضرات کے پاس آیات قرآنی کے مکمل نسخے تھے ان میں لکھی ہوئی بھی تھی لیکن آنحضرت ﷺ کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف ابوخزیمہؓ کے پاس سے ہی ملیں کسی اور کے پاس نہیں۔[۲]

بہر حال حضرت زیدؓ بن ثابت نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انھیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا لیکن ہر سورت علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی اس لیے نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا۔ اصطلاح میں اس نسخہ کو ''ام'' کہا جاتا ہے اور اس نسخے کی خصوصیات یہ تھیں:

۱۔ اس نسخہ میں آیات قرآنی تو آنحضرت ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں۔ لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں ہر سورت الگ لکھی ہوئی تھی۔

۲۔ اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔

۳۔ یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔

۴۔ اس کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتب نسخہ تمام امت کی اجتماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

۵۔ یہ نسخہ تیار ہونے کے بعد اس کی نقلیں تمام اسلامی علاقوں میں بھجوا دی گئیں۔

۶۔ اس نسخے کی تیاری کا سارا کام سرکاری سطح پر کروایا گیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا تیار کیا ہوا یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی تک ان کے

Marfat.com

پاس رہا۔اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور حضرت عمر کی شہادت کے بعد آپؓ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہو گیا۔

عہد عثمانی میں تدوین قرآن

عہد عثمانی میں جمع و تدوین قرآن کے حوالے سے جو خدمت سرانجام پائی اس کے مطالعہ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پر غور ضروری ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرؤا ما تیسر منه۔[5]

یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔پس اس میں جو تمہارے لیے آسان ہو تم اسی کے مطابق پڑھ لیا کرو۔

اس حدیث کے مطابق قرآن حکیم سات حروف میں نازل ہونے کا مطلب کیا ہے۔اس سلسلے میں آراء اور افکار کا شدید اختلاف ہے۔یہاں تک کہ علامہ ابن عربی رضی اللہ عنہ نے اس تحقیق میں مختلف حضرات کے ۳۵ اقوال تک جمع کیے ہیں۔جن میں سے چند مشہور اقوال یہ ہیں:

۱۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حروف سے مراد قرآن کی سات قرأتیں ہیں۔

۲۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حروف سے مراد کثرت ہے اور عربی زبان میں سات کا لفظ کسی چیز کی کثرت بیان کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔علماء متقدمین میں سے قاضی عیاضؒ اور متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔لیکن یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ”مجھے جبرائیل علیہ السلام نے قرآن کریم ایک حروف پر پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ قرآن کریم کے حروف میں اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حروف تک پہنچ گئے۔اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سات سے مراد کثرت نہیں بلکہ اس سے تعداد ہی مراد ہے۔

۳۔ بعض دوسرے علماء مثلاً حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ مذکورہ حدیث میں سات حروف سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں۔چونکہ اہل عرب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر قبیلہ کی زبان عربی ہونے کے باوجود دوسرے قبیلے

Marfat.com

سے تھوڑی مختلف تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان مختلف قبائل کی آسانی کے لیے قرآن کریم سات لغات پر نازل فرمایا تا کہ ہر قبیلہ اسے اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکے۔ امام ابو حاتم سجانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان قبائل کے نام بھی متعین کر کے بتا دیے ہیں اور بتایا ہے کہ قرآن کریم ان سات قبائل کی لغات پر نازل ہوا ہے۔

۱۔ قریش ۲۔ ہذیل ۳۔ تیم الرباب ۴۔ ازد ۵۔ ربیعہ
۶۔ ہوازن ۷۔ سعد بن بکر

حافظ عبد البر نے بعض حضرات سے نقل کر کے ان کی جگہ یہ قبائل بتائے ہیں۔

۱۔ ہذیل ۲۔ کنانہ ۳۔ قیس ۴۔ تیم الرباب ۵۔ اسد بن خزیمہ ۶۔ قریش

لیکن بہت سے محققین مثلاً حافظ ابن البر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس قول کی بھی تردید کی ہے کیونکہ عرب قبائل بہت سے تھے ان میں صرف ان سات کا انتخاب کس طرح ہو سکتا ہے۔

۴۔ ایک طبقے کا یہ قول ہے کہ ''سات حروف'' والی حدیث اس زمانے سے متعلق ہے جب ابتدائے اسلام میں اپنی علاقائی زبان کے مطابق مترادف الفاظ کے ساتھ تلاوت قرآن کی اجازت میں نرمی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ یہ اس وسعت کے ساتھ نازل ہوا ہے کہ اسے ایک مخصوص زمانے تک سات حروف پر پڑھا جا سکے۔ لیکن یہ اجازت اسلام کے صرف ابتدائی دور میں تھی۔ جب کہ تمام اہل عرب قرآنی زبان کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے تھے۔ پھر جب رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا دائرہ بڑھتا گیا اور اہل عرب بھی اس کے عادی ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرائیل سے جو قرآن کا آخری دور کیا اس موقع پر مترادفات سے پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی۔

خلاصہ یہ کہ علمائے قرآن کی اکثریت اسی نکتے پر اتفاق کرتی ہے کہ حدیث میں سات حروف سے مراد اختلاف قرآت کی سات نوعیتیں ہیں۔

Marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت قرآن

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم وایران کے دور دراز علاقوں تک پھیل چکا تھا۔ ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے قرآن حکیم سیکھتے جن کی بدولت انھیں اسلام کی دولت نصیب ہوئی تھی۔ دوسرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق قرآن کریم بھی سات حروف پر نازل ہوا تھا۔ مختلف صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف قرأتوں کے مطابق سیکھا تھا اس لیے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھا تھا۔ اس طرح قرأتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ ہوسکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے تو اس صورت حال سے لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے۔ بعض لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسروں کی قرأت کو غلط کہنے لگے۔ ان جھگڑوں سے ایک طرف یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کی متواتر قرأتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ دوسرے سوائے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کو جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لیے حجت بن سکے کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ اس لیے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انھیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کون سی قرأت غلط اور کون سی صحیح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔

اس کارنامہ کی تفصیل روایات سے اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمیبیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قرأتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی وہ سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور جاکر عرض کیا کہ امیرالمومنین قبل اس کے کہ یہ امت اللہ کی

Marfat.com

کتاب کے بارے میں یہود ونصاریٰ کی طرح اختلافات کا شکار ہو جائے، آپ اس کا علاج کیجیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا کہ میں آرمینیا کے محاذ پر مشغول جہاد تھا وہاں میں نے دیکھا کہ شام کے لوگ ابی ابن کعب کی قرأت پڑھتے ہیں جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوئی اور اس کے نتیجے میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی اس خطرے کا احساس پہلے ہی کر چکے تھے۔ انھیں یہ بھی اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک معلم نے اپنے شاگردوں کو ایک قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا اور دوسرے معلم نے دوسری قرأت کے مطابق۔ اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا ہے اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا ہے اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دیتے ہیں۔ جب حضرت حذیفہ بن یمان نے بھی اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمانؓ نے جلیل القدر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا اور فرمایا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ میری قرأت تمھاری قرأت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ صحابہؓ نے خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کیا سوچا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تا کہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس رائے کو پسند کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ مدینہ طیبہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے قرآن کی قرأتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور اختلاف کرتے ہوں گے۔ لہٰذا تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لیے واجب الاقتدا ہو۔

اس غرض کے لیے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کے) جو صحیفے موجود ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجیے ہم ان مصاحف کو نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس

Marfat.com

بھیج دیے۔ حضرت عثمانؓ نے چار صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بنائی جو کہ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن ہشام پر مشتمل تھی۔ اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں سے نقل کر کے ایک سے زیادہ ایسے مصاحف تیار کریں کہ جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں۔ ان چاروں صحابہؓ میں صرف حضرت زیدؓ انصار میں سے تھے باقی سب حضرات قریشی تھے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا جب تمھارا اور حضرت زیدؓ کا قرآن کے کسی حصے میں اختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کون سا لفظ کیسے لکھا جائے) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا اس لیے کہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

بنیادی طور پر یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا۔ لیکن پھر دوسرے صحابہ کو بھی ان کی مدد کے لیے ساتھ لگا دیا گیا۔ یہاں تک کہ ابن ابی داؤد کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی جن میں حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل تھے۔ ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام سرانجام دیے۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔ ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔

۲۔ قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھی گئیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قرأتیں سما جائیں۔ اس لیے ان پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر، زبر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جا سکے۔

۳۔ اب تک قرآن کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو، صرف ایک تھا۔ ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں۔ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پانچ مصحف تیار کروائے تھے۔ بعض روایات سات نسخوں کے بارے میں بھی ہیں۔ جن میں ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔

Marfat.com

۴۔ مذکورہ بالا کام کرنے کے لیے ان حضرات نے بنیادی طور پر انہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں لکھے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لیے وہی طریق کار اختیار فرمایا گیا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہ کے پاس محفوظ تھیں انھیں دوبارہ طلب کیا گیا اور ان کے ساتھ از سر نو مقابلہ کر کے یہ نئے نسخہ تیار کیے گئے۔

۵۔ قرآن کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے وہ تمام انفرادی نسخے تلف کر دیے جو مختلف صحابہ کے پاس محفوظ تھے۔ تا کہ رسم الخط، مسلمہ قرأتوں کے اجماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے مصحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔[۶]

اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا کارنامے کے بعد امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کو خط عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں۔ اس کے بعد تمام مصاحف اس طرح لکھے گئے جس طریق پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو ایک ہی رسم الخط اور قرأت پر متفق کیا تھا۔ صحابہؓ اور تابعینؒ نے مصاحف عثمانی کی نقول تیار کر کے قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی۔

اس طرح سے یہ سہرا حضرت عثمانؓ کے سر ہے کہ انھوں نے امت کو قرآن حکیم کے ایک ہی رسم الخط اور ایک ہی قرأت پر جمع کیا اور قرأت کے لحاظ سے اختلاف کے تمام دروازے بند کر دیئے۔[۷]

حوالہ جات

۱۔ السنن: ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ۔

۲۔ السنن: ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ۔

۳۔ محمد تقی عثمانی مولانا، علوم القرآن، ص ۱۷۸۔

۴۔ البرہان فی علوم القرآن بحوالہ علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ص ۱۸۰-۱۸۱۔

۵۔ صحیح بخاری مع القسطلانی، ج ۱، ص ۴۵۳ بحوالہ علوم القرآن۔

۶۔ الزرکانی، عبدالعظیم، مناہل العرفان، ج ۱، ص ۱۳۳۔

۷۔ تمام تفصیل علوم القرآن از مولانا محمد تقی عثمانی سے ماخوذ ہے۔

❀❀❀

Marfat.com

نواں باب

قرآن مجید کی آفاقیت

آفاق، اُفق کی جمع ہے اور لفظی مفہوم میں افق آسمان کے نچلے کنارے کو کہتے ہیں۔ اس طرح آفاق کے معنی ہوئے ہر طرف سے آسمان کے نچلے کنارے۔

قرآن مجید کی آفاقیت سے مراد یہ ہے کہ یہ کائنات کی واحد کتاب ہے جس نے کرۂ ارض کے کسی خاص حصے پر بسنے والوں لوگوں، کسی خاص مذہب اور اعتقاد رکھنے والے طبقوں یا کوئی خاص تہذیب و تمدن اور زبان و رواج رکھنے والے انسانیت کے گروہوں کو مخاطب نہیں کیا بلکہ اس نے اطراف عالم میں بسنے والے تمام انسانوں، تمام طبقوں کو ہر زبان اور ہر تہذیب و تمدن کو فلاح کی دعوت دی ہے۔ سب کو خدا کی پہچان، عدل و انصاف، انسان دوستی، تائید حق و صداقت، نفاست پسندی، عفت و حیا اور اخلاق و رواداری کا درس دیا ہے۔ اس نے صرف مسلم ریاستوں میں بسنے والے مسلمانوں کو ہی نہیں پکارا بلکہ زمین پر بسنے والے حتیٰ کہ خدا کا انکار کرنے والوں کے ساتھ بھی ہمدردی کی۔ پہلے اُن کو اپنے دامانِ رحمت میں پناہ دی جنھوں نے دعوت قبول کی، انھیں مسلمین و متقین کا لقب دے کر ان پر اپنی عنایات و برکات کی بارش کر دی اور جنھوں نے دعوت کو قبول نہیں کیا ان پر لا اکراہ فی الدین کے اصول کا اطلاق کر کے ان کی لاپرواہی اور بے رخی یا انکار کو دل میں نہیں رکھا بلکہ ان کے ساتھ بھی اخلاق اور رواداری کے قوانین جاری کیے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس نے پہلے یا ایھا الناس (اے لوگو) کا طرز تخاطب اپنایا جس نے اس پکار پر لبیک کہا ان کے لیے یا ایھا الذین امنو کا اسلوب خطاب اختیار کیا۔

اس کتاب (قرآن مجید) سے پہلے زندگی کا تصور محدود تھا۔ اس کی آمد کے ساتھ خیالات و افکار اور واقعات وارتقاء میں انقلاب آیا۔ اس کلام کے آفاقی تصور نے زندگی کے افق کو وسیع کر دیا اور اس کے انقلاب سے کوئی بھی شعبہ حیات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

Marfat.com

مطالعہ کائنات

کائنات سے متعلق انسان کے نظریات میں ایک عظیم تضاد رہا ہے جب کہ قرآن نے اس بارے میں یہ تصور دیا کہ سارا عالم ہست و بود جو انسان کے گرد و پیش پھیلا ہوا ہے، کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک منظم باضابطہ سلطنت ہے۔ اللہ نے اس کو بنایا ہے وہی اس کا مالک اور وہی اس کا حاکم ہے۔ یہ ایک نظام کلی ہے جس میں تمام اختیارات مرکزی اقتدار کے ہاتھ میں ہیں۔ اس حاکم اعلیٰ کے سوا یہاں کسی اور کا حکم نہیں چلتا۔ تمام قوتیں جو نظام عالم میں کام کر رہی ہیں، اس کے زیر حکم ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم کی نافرمانی کریں۔ اس ہمہ گیر نظام میں کسی کی خودمختاری کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی فطرتاً ہو سکتی ہے۔

یہ قرآن ہی کی تعلیمات کا فیضان ہے کہ اس نے انسان کو کائنات میں اس کے صحیح مقام اور حیثیت سے روشناس کرایا۔ اسے بتایا کہ وہ خدائے بزرگ و برتر کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کائنات کی اشیاء کو اس کے تابع کر دیا ہے۔ قرآن پاک کتنے واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ

الله الذی خلق السموٰت والارض و انزل من السمآء ماءً فاخرج به من الثمرٰت رزقا لکم و سخر لکم الفلك لتجری فی البحر بامره و سخرلکم الانھر ٥ وسخرلکم الشمس و القمر ذائبین و سخرلکم اللیل و النھار (سورۂ ابراہیم ۔۳۲-۳۳)

"اللہ وہ ذات ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی، پھر اس سے نکالی تمہارے لیے روزی، پھل اور میوے اور کام میں لگائیں تمہارے لیے کشتیاں کہ چلیں دریا میں، اس کے حکم سے اور کام میں لگایا تمہارے لیے ندیوں کو اور کام میں لگایا تمہارے لیے سورج اور چاند کو، ایک دستور پر برابر اور کام میں لگا دیا تمہارے لیے رات اور دن کو"

تسخیر کائنات کے اس قرآنی تصور نے انسانی تاریخ میں ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کر

Marfat.com

دیا۔ مظاہر قدرت یعنی سورج، چاند، ستاروں اور سمندروں کی پوجا کرنے والے انسانوں کو بتایا کہ یہ تو سب تمہارے تابع فرمان ہیں۔ تمہاری گردن تو صرف ان سب کے اور تمہارے خالق کے آگے جھکنی چاہیے۔

قرآن نے کائنات شناسی کے علاوہ انسان کو خود شناسی اور خدا شناسی کا سبق بھی دیا، انسانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کی تفاصیل سے آگاہ کیا۔ علوم و فنون کے اکتساب پر ابھارا، کائنات کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی کرنے کی دعوت دی۔ سمندروں کا سینہ چیرنے اور خلاؤں میں پرواز کی توانائی بخشی، لیکن اس بنیادی نکتے پر ہمیشہ قائم رہنے کا حکم دیا کہ تمہاری علمی اور فنی کاوشوں کے پس منظر میں یہ نظریہ حیات کارفرما رہنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اس سب سے انسانیت کی فلاح و بہبود مقصود ہو اور یہ تمہاری خدا شناسی میں مدد دیں تاکہ خدا کے بنائے ہوئے نظام زندگی پر چل کر دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے سرفراز ہو سکو۔

قرآن مجید نے انسان کو سورج، چاند اور ستاروں سے اپنی قسمت وابستہ کرنے سے روکا۔ نجومیوں کی قیاس آرائیوں کو اوہام کا نام دیا۔ برق و آب سے چنگھاڑتے ہوئے انجن، کارخانے، مشینیں، کل پرزے، آلات حرب، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلی وژن، آج کی ایجادات انٹرنیٹ، ڈش، موبائل فون، کمپیوٹر وغیرہ کے کمالات تسخیر کائنات ہی کے کرشمے ہیں۔ زمین کی طنابیں کھینچنے سے وقت اور فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ انسان تارپیڈو بنا کر سمندر کی تہہ تک پہنچ کر غواصی کرتا ہے اور پھولا نہیں سماتا۔ لیکن یہ کارنامہ ایک ادنیٰ سی مچھلی اس سے بہتر طور پر سرانجام دیتی ہے۔ وہ فضاؤں میں طیاروں کی قلابازیاں لگا کر فخر و غرور کا اظہار کرتا ہے لیکن پرندے اس سے کہیں بہتر پرواز کر لیتے ہیں۔

انسانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کا یہ کارنامہ تسخیر انفس و آفاق ہی کی بدولت سرانجام پایا ہے۔ قرآن کی رو سے انقلاب اور ارتقاء انسانی زندگی کے اہم عناصر ہیں۔ کبھی تو وہ کائنات کی طاقتوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر نہ صرف اپنی تقدیر کی تشکیل کرتا ہے بلکہ کائنات کی تعمیر و ترقی میں بھی حصہ لیتا ہے اور کبھی اس کی طاقتوں کو اپنے اغراض و مقاصد کے مطابق ڈھالنے کے لیے پوری ہمت سے کام لیتا ہے۔ اس ترقی پسندانہ طریق تغیر میں خدا اس کا معاون ہوتا ہے۔

Marfat.com

قرآن کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ حقیقت مطلق کے خارجی پہلو کے مطالعہ ومشاہدہ کے ذریعے انسانوں کے اندر اس عظیم ہستی کا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے، جس کی مظہر یہ کائنات ہے۔ قرآن نے اپنے ماننے والوں کے اندر یہ تجرباتی طریق کار پیدا کر کے انھیں سائنس کا حقیقی بانی بنا دیا تھا۔ وہ مسلمانوں کے دلوں میں تحصیل علم، مطالعہ فطرت اور سائنسی ترقی کا جذبہ پیدا کر کے ان کی زندگی کے خارجی پہلو کو حسین، جاذب اور مکمل بنانا چاہتا ہے۔ جب تک مسلمان اس بات پر عمل پیرا رہے اس وقت تک کہ مختلف علوم وفنون میں باقی دنیا سے سبقت لے جاتے رہے لیکن جونہی انھوں نے تسخیر انفس و آفاق کا عمل ترک کر دیا وہ اس میدان میں دنیا کی بہت سی اقوام سے پیچھے رہ گئے۔

قرآن مجید ہمیں تسخیرِ فطرت کا سبق اس لیے نہیں دیتا کہ اس کو اپنی مرضی کے مطابق غلط، تباہ کن اور انسانیت سوز مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے بلکہ قرآن مجید کا یہ درس محض اس خاطر ہے کہ اس سے نیک مقاصد اور روحانی زندگی کی ترقی کا سامان کیا جائے۔

قرآن مجید انفس و آفاق دونوں کو حصول علم کے سرچشمے قرار دیتا ہے۔ یہ سورج، چاند، ستاروں، سایوں کے گھٹنے اور بڑھنے، اختلاف لیل ونہار، انسانی رنگوں اور زبانوں کے تنوع اور قوموں کے عروج وزوال میں حقیقت مطلقہ کی نشانیاں دکھاتا ہے۔ خدا کی یہ تمام نشانیاں انسان کے محسوسات پر منکشف ہوتی رہتی ہیں۔[1]

لیکن افسوس یہ ہے کہ آج مسلمانوں کا طرز فکر و عمل بدل گیا ہے۔ انھوں نے قرآن حکیم کو صرف ثواب اور برکت کی کتاب سمجھ کر اس پر سبز رنگ کے غلاف چڑھا کر الماریوں میں بند کر دیا ہے، سال میں ایک مرتبہ رمضان کے مہینے میں اس کو پڑھ لینا یا ختم کر لینا کافی سمجھ لیا ہے۔ اس کے معنی ومفہوم کو جاننا اور معلوم کرنا یا کھوج لگانا چھوڑ دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کو بھی اس بات کا افسوس تھا کہ فلسفہ یونان کے زیر اثر مسلمان مفکرین اور صوفیاء نے مطالعہ کائنات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ قرآن ہمیں قدرت کے حسین مناظر کے گہرے مطالعے کی دعوت دیتا ہے۔ یونان کے مشہور مفکر سقراط نے قرآنی تعلیم کے برعکس یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ مادی دنیا دراصل فریب ہے۔ چونکہ وہ انسان کی ذات کو لائق مطالعہ خیال کرتا تھا اس لیے اس نے خارجی دنیا کو کوئی اہمیت نہیں

Marfat.com

دی تھی۔ سقراط کا شہرہ آفاق شاگرد افلاطون بھی عالم محسوسات کو نظر انداز کر کے ''اعیان غیر مشہور'' کا پرستار بن گیا تھا۔ ہمارے بعض مسلم حکماء، صوفیاء اور شعراء نے بھی یونانی فلسفے کے زیر اثر اس قسم کے غلط یونانی نظریات کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ مگر اس سلسلے میں اقبال کا نظریہ وہی ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔

قل انظروا ما ذا فی السموات و الارض ط وما تغنی الایت
والنذر عن قوم لا یومنون (سورۂ یونس۔۱۰۱)

یعنی اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ دیکھو تو آسمان و زمین میں کیا کیا کچھ ہے مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے نشانیاں اور ڈرانا ان کے کچھ کام نہیں آتا۔

اس ضمن میں قرآن مجید کی ایک اور آیت بھی قابل توجہ ہے۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض وما خلق الله
من شی (سورۂ الاعراف۔۱۸۵)

کیا انھوں نے آسمان و زمین کی بادشاہی میں اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کیا؟

قرآن مجید کے مقاصد

قرآن مجید کے مضامین یوں تو بے شمار ہیں اور کوئی شخص ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ مگر انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق مضامین و احکام کی درج ذیل اقسام ہیں۔

۱۔ وہ احکام جن سے انسانوں کے احوال اور ان کی معیشت کی اصلاح مقصود ہے۔

۲۔ نفوس انسانی کی تہذیب و اصلاح کے لیے مواعظ و حکم اور امثال۔

۳۔ وہ اوامر و نواہی جن سے انسانی سعادت وابستہ ہے۔

۴۔ استقامت قلب اور عزم و حوصلہ کی پختگی کے لیے انبیائے سابقین کے قصص۔

۵۔ ان امم سابقہ اور باغی انسانوں کے تذکرے جنھوں نے دعوت حق سے اعراض کیا اور انبیائے کرام کی مخالفت کی پاداش میں ان کو عبرت ناک عذاب دیے گئے۔

Marfat.com

۶۔ آداب معاشرت اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے حقوق وفرائض۔

۷۔ اعمال خیر کی ترغیب اور شر سے احتراز کی تلقین۔

۸۔ مظاہر قدرت میں تفکر کی دعوت تا کہ آثار کائنات کے فطری مشاہدے سے خالق کی معرفت حاصل ہو۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کثیر المقاصد کتاب صرف مسلمانوں کے لیے ہی رحمت کی نشانی ثابت نہیں ہوئی بلکہ پوری انسانیت یکساں طور پر اس سے مستفید ہوتی ہے۔

قرآن کا نظریہ انسانیت

قرآن مجید کے نظریہ انسانیت کے پیش نظر دین اسلام نے نوع بشری کو، نفرت، کینہ، تفرقہ اور تعصب سے نجات دلا کر اسے محبت، فیاضی، تعاون اور مساوات کا سبق سکھایا ہے۔ اسلامی قانون اور اسلامی اصول معاشرت کے تحت نسلی، طبقاتی یا قومی بنیادوں پر برتری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انسانیت کا اصول، دین اسلام کے احساسات اور اس کی جزئیات و تفصیلات میں بھی نمایاں طور پر کارفرما ہے۔ قرآن مجید نے اعلان کیا ہے کہ تمام انسان ایک ہی جان سے پیدا کیے گئے ہیں۔

> یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس و احدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیرا و نساء (سورۃ النساء۔۱)
>
> لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے بکثرت مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔

اس آیت کے مطابق تمام بنی نوع انسان کی اصل ایک ہی ہے۔ اس مشترک نسل سے لوگ قوموں، قبیلوں، ملکوں اور جنسوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک گھر میں ایک ماں باپ کی اولاد اور مختلف بہن بھائی ہوں۔ لہٰذا جب حقیقت یہ ہے تو پھر جنسوں اور قوموں کے اس تنوع کا نتیجہ فقط یہ ہونا چاہیے کہ وہ باہمی تعارف اور تعاون علی الخیر کا ایک ذریعہ

Marfat.com

ہو، ارشاد ربانی ہے۔

یـا ایھاالناس اٗن خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا - (سورۃ الحجرات-۱۳)

اے لوگو ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

زندگی میں بعض افراد آگے بڑھ جاتے ہیں اور بعض پیچھے رہ جاتے ہیں۔ بعض غنی بن جاتے ہیں اور بعض محتاج ہو جاتے ہیں ایک فرد حکمران بن جاتا ہے اور ایک قوم محکوم بن جاتی ہے۔ بعض قوموں کا رنگ سفید ہوتا ہے اور بعض قوموں کا سیاہ۔ مگر آدمیت اور انسانیت کے اعتبار سے سب یکساں ہیں۔ اگر کوئی فضیلت ہے تو محض تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

انسانی معاشرے کی مثال ایک درخت کی سی ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو اس کی اوپر اور نیچے کی ٹہنیاں بلاتفریق ہلتی ہیں۔ یہیں سے یہ بات بھی آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ قرآن مجید نے جو انسانوں کو ''یا ایھا الناس'' اور ''یابنی آدم'' جیسے الفاظ سے خطاب کیا ہے وہ اس لیے ہے کہ ذہنوں میں وحدت انسانیت کا تصور پیدا اور راسخ ہو۔ اسی طرح دین اسلام کے پیروؤں کو ''یا ایھا الذین امنوا'' اور ''یا ایھا المؤمنون'' کے خطاب سے پکارا گیا ہے اور ان میں نسلی یا طبقاتی امتیاز روا نہیں رکھا گیا۔

اسلام کی رحمت و شفقت کا دائرہ کسی خاص طبقے اور کسی خاص قوم و ملت کے لیے محدود نہیں ہے بلکہ عالم انسانیت تک وسیع ہے۔ آنحضرت ﷺ سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ قرآن مجید کو بھی اکثر رحمت قرار دیا گیا ہے۔ فرشتے اقرار کرتے ہیں:

ربنا وسعت کل شیء رحمته و علما (سورۂ مومن-۷)

اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اسلام میں جتنے اخلاقی احکام ہیں وہ مذہب و ملت کی تخصیص کے بغیر سارے انسانوں کے لیے ہیں اس میں مسلم و غیر مسلم سب شامل ہیں۔ مثلاً غریبوں کی دست گیری، مظلوموں کی امداد اور اسی قبیل کے دوسرے نیک کام کسی کے ساتھ مخصوص نہیں۔

Marfat.com

اسلام سے پہلے کے تمام اہل مذاہب اپنے علاوہ دوسرے مذاہب کو باطل اور ان کے پیغمبروں کو کاذب قرار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ یہودی اور عیسائی جن کے مذاہب دین ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں، ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھتے تھے۔ ہندو اپنے مذہب کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب کو مذہب ہی نہیں سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے اوپر کسی غیر مذہب کا سایہ بھی نہ پڑنے دیتے تھے۔

یہ ساری نفرتیں اسلام نے دور کی ہیں اور بتایا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہیں ہے۔ اس نے ہر قوم کی ہدایت کے لیے پیغمبر مبعوث کیے ہیں۔ قرآن حکیم اس حقیقت کا ترجمان ہے:

ولکل امۃ رسول (سورۂ یونس۔۴۷)

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے۔

ولکل قوم ھاد (سورۂ رعد۔۷)

ہم نے ہر قوم میں ایک رہنما بھیجا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ان تمام انبیاء و رسل اور ان کی کتابوں پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور بحیثیت رسول ان میں کسی قسم کی تفریق روا نہیں رکھی گئی۔

لا نفرق بین احد من رسلہ (سورۃ البقرہ۔۲۸۵)

ہم خدا کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیغمبر نہ آئے ہوں لیکن آج قدیم مذہب کے پیغمبروں کے حالات اس قدر گم ہو گئے ہیں کہ ان کی اصل حقیقت کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں جن پیغمبروں کا ذکر ہے ان پر تو ہر مسلمان کے لیے ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن جن کا ذکر نہیں ان کو پورے یقین کے ساتھ پیغمبر تسلیم کرنا ضروری نہیں۔

دین میں جبر نہیں

دین میں جبر کا نہ ہونا بھی قرآن مجید کی آفاقیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کا یہ آفاقی اصول ہے۔

Marfat.com

لا اکراہ فی الدین (سورۃ البقرہ۔۲۵۶)

ابتداء میں اسلام کا سابقہ مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ رہا۔ یہ تینوں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ اس کے باوجود اسلام نے ان کو انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اپنی محبت اور رواداری کے آفاقی اصول کے مطابق اہل کتاب کا کھانا مسلمانوں کے لیے حلال اور ان کی عورتوں سے شادی کرنا جائز قرار دیا گیا۔

> الیوم احل لکم الطیبات ط و طعام الذین اوتو الکتب حل لکم و طعامکم حل لھم و المحصنات من المؤمنت والمحصنات من الذین اوتو الکتب من قبلکم (سورۃ المائدہ۔۵)
>
> (اے مسلمانو) آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب کی عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔

عیسائی رسول اللہ ﷺ کے یہاں مہمان ہوتے تھے اور آپ ﷺ خود ان کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔

تہذیب جدید کے اس دور میں جب ہر ایک کو انسان دوستی کا بڑا دعویٰ ہے۔ نام نہاد مہذب قومیں اپنے دشمنوں پر ایسے وحشیانہ مظالم کرتی ہیں جو انسانوں کے تصور میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ جنگ کے دوران یہی مہذب قومیں انسانی بستیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالتی ہیں، ان پر بے دریغ بم برساتی ہیں جس سے عورتیں، بوڑھے اور بچے سب ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے ان وحشیانہ حرکتوں سے بالکل روک دیا اور دشمن کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی قطعی ممانعت کر دی۔

سائنس کی ترقی میں قرآن مجید کا تاریخی کارنامہ

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی دور سے پہلے سائنس کا کوئی باقاعدہ وجود نہیں تھا اور عملی سائنس تو گویا سرے سے ہی موجود نہیں تھی بلکہ سائنس جو کچھ بھی تھی وہ محض یونانی فلسفے کے

Marfat.com

ماتحت چند نظری چیزوں کا مجموعہ تھی۔ جن کا درجہ محض اندازہ وقیاس سے زیادہ نہیں تھا۔

یونانی فلاسفر حکمت ودانش کی باتیں تو بڑی اچھی کرتے تھے مگر اپنے نظریات ومفروضات کی صحت وصداقت کو ثابت کرنے کے لیے انھیں کسی تجربے یا مشاہدے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی بلکہ وہ مشاہدے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

قرآن مجید نہ صرف تجربے ومشاہدے پر ابھارتا ہے بلکہ دنیا کی ہر چیز اور ہر مظہر فطرت کا نزدیکی اور باریک بینی کے ساتھ جائزہ لینے کی تاکید کرتا ہے۔ جیسا کہ اس کی بے شمار آیات سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً:

☆ یہ نوع انسانی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ زمین اور اجرام سماوی کی ہر چیز کا غور سے مشاہدہ کرے۔ (سورۂ یونس۔۱۰۱)

☆ انسان کو چاہیے کہ آسمان کے برجوں کا مشاہدہ کرے۔ (سورۂ الحجر۔۱۶)

☆ انسان کو چاہیے کہ درختوں اور پودوں میں پھلوں کے لگنے اور ان کے پکنے کے مناظر پر غور وفکر کرے۔ (سورۂ الانعام۔۹۹)

☆ قرآن کی دعوت ہے کہ وہ اونٹوں کی عجیب وغریب خلقت، آسمان کی اونچائی، پہاڑوں کے مضبوطی کے ساتھ نصب کیے جانے اور زمین کے پھیلاؤ کا مطالعہ کرے۔

(سورۃ الغاشیہ۔۱۷ تا ۲۰)

اس کے علاوہ قرآن بہت پُر زور انداز میں زمین وآسمان کی تخلیق، رات دن کے ہیر پھیر، سمندر میں چلنے والی کشتیوں، آسمانوں سے برسنے والی بارشوں، زمین سے اُگنے والے نباتات، ہواؤں اور بادلوں کی تسخیر، غرض ان تمام مظاہر کے قواعد وضوابط میں تفکر وتدبر کرنے پر زور دیتا ہے۔ (سورۃ البقرہ۔۱۶۴)

ان اشیاء میں موجود طبعی قواعد وضوابط معلوم کرنے کا نام ہی سائنس ہے اور یہی قرآن کی آفاقیت کہ اس نے انسان کو کسی ایک فکر وفلسفے میں محدود نہیں کر دیا بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کے مطالعے اور اس میں فہم وتدبر کی دعوت اور پیش کش کی ہے۔

یہ قرآن ہی کی آفاقی دعوت فکر کا نتیجہ تھا کہ اہل اسلام نے اقوام عالم کے باقی ماندہ علمی

Marfat.com

سرمائے کو اکٹھا کر کے عربی میں ترجمہ کیا، ان کی تہذیب وتدوین کی، ان علوم میں نئی نئی راہیں نکالیں۔ کیمیا، طبیعات، فلکیات، ارضیات، طب، نباتات اور علم ہندسہ وریاضی وغیرہ کو اپنی تحقیقات وانکشافات سے بھر دیا۔

زمانہ قدیم کا انسان صرف زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ہوا، بادل، پتھر، شجر، مٹی، حشرات، گائے، بیل، بکری، اونٹ، گھوڑا، گدھا، کتا، بلی، شیر، لومڑی، پہاڑ، لوہا، تانبا، پیتل، سونا، چاندی، دریا، سمندر، مچھلی، پرندے، چاول، گیہوں، دال، سبزی، گوشت، انڈے، دودھ، دہی وغیرہ سے ہی واقف تھا یا چند زراعتی اور جنگی آلات سے۔

مگر آج کا انسان ایٹم، الیکٹران، پروٹان، نیوٹران، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن، کاربن، پوٹاشیم، میگنیشیم، ریڈیم، یورینیم، برق، بھاپ، ایٹمی قوت، ایٹمی شعائیں، کائناتی شعائیں، پروٹوپلازم، کروموسوم، کلوروفل، ہارمون، پروٹین، وٹامن، گلوکوز اور مختلف قسم کے کیمیائی ایسڈ اور ان کے مرکبات، ربڑ کی مصنوعات، پلاسٹک کی مصنوعات، نئی نئی ادویات، پیچیدہ سے پیچیدہ مشینیں، تھرمامیٹر، بیرومیٹر، ریفریجریٹر، ٹرین، موٹر، ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریڈیو، ٹی وی، ڈش، ویڈیو، آڈیو کیسٹ، سی ڈی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ای میل، ٹیلی فون، ٹیلکس، فیکس، ٹیلی پرنٹر، راکٹ، میزائل، ایٹم بم، بجلی، گیس، خلائی جہاز وغیرہ سے بھی واقف ہے۔

اگر دنیائے سائنس پر عمیق نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آج کا انسان تیرہ لاکھ کے قریب حیوانات ونباتات کے وجود کا پتہ چلا کر ان کے آثار وخواص کا مطالعہ کر رہا ہے جو کہ حیاتیات (Biology) کے دائرے میں آتے ہیں۔ اسی طرح آج کا انسان کرہ ارض پر پائے جانے والے دولاکھ کے قریب غیر نامیاتی مرکبات (Inorganic Compounds) اور کئی لاکھ ''نامیاتی مرکبات'' (Organic Compounds) سے واقفیت حاصل کر چکا ہے۔ جن کا مطالعہ صرف علم کیمیا (Chemistry) کے تحت کیا جاتا ہے۔ آسمانی دنیا میں پائے جانے والے لاتعداد ستاروں اور اربوں کہکشاؤں کے نظاموں اور ان کی خصوصیات کا مطالعہ فلکیات (Astronomy) کے تحت کیا جارہا ہے اور زیرزمین پائی جانے والی اشیاء خصوصاً مٹی اور چٹانوں کے مختلف نمونوں، ان کی بناوٹ، ان کی ساخت وپرداخت اور معدنیات وغیرہ کا

Marfat.com

مطالعہ علم ارضیات (Geology) کے تحت عمل میں آ رہا ہے۔

اس لحاظ سے تحقیقات کا دائرہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا ہے موجودات عالم یا خدائی مخلوقات کی دریافت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ دوربین اور خوردبین کی ایجاد کے بعد تو ہمارے سامنے نئے نئے جہانوں کے ظہور کا ایک تانتا سا بندھ گیا ہے اور ایسے ایسے حقائق منظر عام پر آ رہے ہیں کہ جن کے مطالعہ سے حیرت ہوتی ہے۔[1]

دلائل آفاق کا اظہار اور اس کے مقاصد

قرآن حکیم کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ انسان کو مخاطب کر کے صرف دعوت غور وفکر پر ہی بس نہیں کرتا بلکہ خصوصیت کے ساتھ اہل ایمان کے اطمینان قلب کے لیے نظام کائنات کے تذکرہ اور اس کے ساتھ چند ایسے حقائق کا بھی اظہار کر دیتا ہے جو آگے چل کر اس کے اپنے غور وفکر اور تلاش وجستجو کے باعث اس کے سامنے آسکیں۔ آج ہمارے سامنے سائنس کی جدید ترین ایجادات میں انٹرنیٹ ہے جس کے ذریعے اپنے کمرے میں بیٹھ کر ہم پوری دنیا کے حالات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ تمام ایجادات اس کی ٹھوس ترین دلیلیں ہیں۔ قرآن کے اس طریق کار کے مقاصد یہ ہیں:

۱۔ اس کلام برتر کی صداقت وحقانیت واضح ہو جائے۔

۲۔ اس کے ماننے والوں کے لیے اطمینان مزید اور پختگی ایمان ہو جائے۔

۳۔ منکرین پر حجت قائم ہو جائے۔

۴۔ علم الٰہی کی قدامت اور اس جزئیات کے احاطے کا ساری دنیا مشاہدہ کرے۔[2]

یہی تمام کچھ اس آیت کریمہ سے مقصود ہے:

سنریهم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق

(سورۃ حم السجدہ۔۵۳)

ہم عنقریب اپنی نشانیاں (ان منکروں کو) آفاق میں اور خود ان کی اپنی ہستیوں میں دکھا دیں گے تاکہ انھیں اس (کلام) کے حق ہونے کا تعین ہو جائے۔

اس آیت کے دو مفہوم ہیں اور دونوں ہی اکابر مفسرین نے بیان کیے ہیں۔ ایک مفہوم یہ

Marfat.com

ہے کہ عنقریب یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اس قرآن کی دعوت تمام گردوپیش کے ممالک پر چھا گئی ہے اور یہ خود اس کے آگے سرنگوں ہیں۔ اس وقت انھیں پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ آج ان سے کہا جارہا ہے اور یہ مان نہیں رہے ہیں وہ سراسر حق تھا اور حق ہے۔ بعض لوگوں نے اس مفہوم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ محض کسی دعوت کا غالب آجانا اور بڑے بڑے علاقے فتح کر لینا اس کے حق ہونے کے دلیل نہیں ہے۔ باطل دعوتیں بھی چھا جاتی ہیں اور ان کے پیرو بھی ملک پر ملک فتح کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک سطحی اعتراض ہے جو پورے معاملے پر غور کیے بغیر کر دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں جو حیرت انگیز فتوحات اسلام کو نصیب ہوئیں وہ محض اس معنی میں اللہ کی نشانیاں نہیں تھیں کہ اہل ایمان ملک پر ملک فتح کرتے چلے گئے۔ وہ فتوحات اس معنی میں نہیں تھیں جس میں ایک شخص یا ایک خاندان یا قوم دوسروں کی جان و مال کی مالک بن جاتی ہے اور خدا کی زمین ظلم سے بھر جاتی ہے۔ اس کے برعکس یہ فتوحات اپنے جلو میں ایک عظیم الشان مذہبی، اخلاقی، ذہنی، فکری، تہذیبی، سیاسی، تمدنی اور معاشرتی انقلاب لے کر آئی تھیں۔ جس کے اثرات جہاں جہاں بھی پہنچے وہاں انسان کے بہترین جوہر کھلتے چلے گئے اور بدترین اطوار دبتے چلے گئے۔ دنیا جن فضائل کو صرف تارک الدنیا درویشوں اور گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے والوں کے اندر ہی دیکھنے کی امید رکھتی تھی اور کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ کاروبار دنیا چلانے والوں میں بھی وہ اعلیٰ جوہر اور اوصاف پائے جاسکتے ہیں۔ اس انقلاب نے وہ فضائل اخلاق فرمانرواؤں کی سیاست میں، انصاف کی کرسی پر بیٹھنے والوں کی عدالت میں، فوجوں کی قیادت کرنے والے سپہ سالاروں کی جنگ اور فتوحات میں، ٹیکس وصول کرنے والوں کی تحصیلداری میں، اور بڑے بڑے کاروبار چلانے والوں کی تجارت میں جلوہ گر کر کے دکھا دیے۔ اس نے اپنے پیدا کردہ معاشرے میں عام انسانوں کو اخلاق و کردار اور طہارت و نظافت کے اعتبار سے اتنا اونچا اٹھایا کہ دوسرے معاشروں کے چیدہ چیدہ لوگ بھی ان کی سطح سے فروتر نظر آنے لگے۔ اس نے اوہام و خرافات کے چکر سے نکال کر انسان کو علمی تحقیق اور معقول طرز فکر و عمل کی صاف شاہراہ پر ڈال دیا۔ اس نے اجتماعی زندگی کے عام امراض مثلاً رنگ و نسل اور وطن و زبان کی بنیاد پر انسانوں کی تفریق، ایک ہی معاشرے میں طبقات کی تقسیم اور ان کے درمیان اونچ

Marfat.com

نیچ کا امتیاز اور چھوت چھات، قانونی حقوق اور عملی معاشرت میں مساوات کا فقدان، عورتوں کی پستی اور بنیادی حقوق تک سے محرومی، جرائم کی کثرت، شراب اور نشہ آور چیزوں کا عام رواج، حکومتوں کا تنقید و محاسبے سے بالا تر رہنا، عوام کا بنیادی انسانی حقوق تک سے محروم ہونا، بین الاقوامی تعلقات میں معاہدات کی بے احترامی، جنگ میں وحشیانہ حرکات اور ایسے ہی دوسرے امراض کا علاج کیا جن کے علاج کی فکر تک سے دوسرے نظام خالی تھے یا اگر انھوں نے اس کی فکر کی بھی تو ان امراض کے علاج میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ سب سے بڑھ کر خود عرب کی سرزمین میں اس انقلاب نے دیکھتے دیکھتے خون ریزی و بدامنی کی جگہ امن، فسق و فجور کی جگہ تقویٰ و طہارت، ظلم و بے انصافی کی جگہ عدل، گندگی و ناشائستگی کی جگہ پاکیزگی و تہذیب، جہالت کی جگہ علم اور نسل در نسل چلنے والی عداوتوں کی جگہ اخوت و محبت پیدا کر دی۔ جس قوم کے لوگ اپنے قبیلے کی سرداری سے بڑھ کر کسی چیز کا خواب تک نہ دیکھ سکتے تھے انھیں دنیا کا امام بنا دیا۔ یہ تھیں وہ نشانیاں جو اسی نسل نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں جسے مخاطب کر کے نبی ﷺ نے پہلی دفعہ یہ آیت سنائی تھی اور اس کے بعد سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ ان نشانیوں کو برابر دکھائے جا رہا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے زوال کے دور میں اخلاق کی جس بلندی کا مظاہرہ کیا تھا اس کی خاک اور گرد کو بھی لوگ کبھی نہ پہنچ سکے جو تہذیب و شائستگی کے علمبردار بنے پھرتے ہیں۔ یورپ کی قوموں نے افریقہ، امریکہ، ایشیا اور خود یورپ میں مغلوب قوموں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا ہے مسلمانوں کی تاریخ کے کسی دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی۔ یہ قرآن ہی کی برکت ہے جس نے مسلمانوں میں اتنی انسانیت پیدا کر دی ہے کہ وہ کبھی غلبہ پا کر ظلم و ستم کے قریب اس قدر نہ گئے جس قدر غیر مسلم تاریخ کے ہر دور میں ظالم پائے گئے ہیں اور آج تک پائے جا رہے ہیں۔ کوئی آنکھیں رکھتا ہے تو خود دیکھ لے کہ اسپین میں جب مسلمان صدیوں تک حکمران رہے اس وقت عیسائیوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا اور جب عیسائی وہاں غالب آئے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ہندوستان میں آٹھ سو برس کے طویل زمانہ حکومت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور اب ہندو غالب آ جانے کے بعد ان کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ یہودیوں کے ساتھ پچھلے تیرہ سو برس میں مسلمانوں کا رویہ کیسا رہا اور اب فلسطین میں یہودیوں کا

Marfat.com

مسلمانوں کے ساتھ کیا رویہ ہے۔ یہ تمام مثالیں دعوت غور وفکر کے لیے کافی ہیں۔

دوسرا مفہوم اس آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارض وسماء میں اور انسانوں کے اپنے وجود میں لوگوں کو وہ نشانیاں دکھائے گا جن سے ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن جو تعلیم دے رہا ہے وہی برحق ہے۔ بعض لوگوں نے اس مفہوم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آیات ارض وسماء اور خود اپنے وجود کو تو لوگ اس وقت بھی دیکھ رہے تھے پھر زمانہ مستقبل میں ان چیزوں کے اندر نشانیاں دکھانے کے کیا معنی ہوئے؟ لیکن یہ اعتراض بھی ویسا ہی سطحی ہے جیسا پچھلے مفہوم پر تھا۔ آیات ارض وسماء بے شک وہی ہیں جنھیں انسان ہمیشہ سے دیکھ رہا ہے اور انسان کا اپنا وجود بھی اسی طرح کا ہے جیسا ہر زمانے میں دیکھا جاتا رہا ہے۔ مگر ان چیزوں کے اندر خدا کی نشانیاں اس قدر بے شمار ہیں کہ انسان کبھی بھی ان کا احاطہ نہیں کر سکا ہے اور نہ کبھی کر سکے گا۔ ہر دور میں انسان کے سامنے نئی سے نئی نشانیاں آتی چلی گئی ہیں اور قیامت تک آتی چلی جائیں گی۔[۴]......اور زندگی کے ہر میدان میں ہر دن گزرے ہوئے کل سے بہتر اور نئی ترقی اسی حقیقت کی زندہ مثال ہے جس سے کوئی باہوش انسان انکار نہیں کر سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ دائرۃ المعارف علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور، ص ۵۸۰

۲۔ ندوی شہاب الدین مولانا! قرآن، سائنس اور مسلمان طبع کراچی، ص ۴۶

۳۔ ندوی شہاب الدین مولانا! قرآن سائنس اور مسلمان طبع کراچی، ص ۴۷

۴۔ مودودی ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن تفسیر آیت ۵۳ سورۃ السجدہ

Marfat.com

دسواں باب

نظم قرآن

قرآن مجید کا نظم اور ترتیب آیات و سورہ موضوع و مسائل کے اعتبار سے نہیں ہے کہ ہر موضوع اور مسئلے کے لیے ایک باب یا فصل مقرر ہو اور اس موضوع اور مسئلے سے متعلق جو بھی ارشادات خداوندی ہیں ان کو جمع کر دیا جائے۔ مثلاً قرآن مجید میں اصول عقیدہ موجود ہیں مگر انھیں کتب عقائد کی طرح ترتیب نہیں دیا گیا۔ اصول تشریع موجود ہیں لیکن اسے تشریعی کتابوں کی طرح مرتب نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اس کی ترتیب کتب اخلاق، تاریخ یا قصص کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ بعض دینی کتابوں کی طرح بھی اس کی ترتیب و تعین نہیں کی گئی کہ حیات کے حوادث کے لحاظ سے اسباق مقرر کر دیے گئے ہوں اور ہر سبق (کتاب) کا عنوان ایک حادثے کو قرار دیا جائے یا وہ کسی خاص فرد کی حیات کے تسلسل کے مطابق ہو جس کا ہر حصہ ایک خاص واقعے سے وابستہ ہو۔

قرآن کا نظم و ترتیب اس کی آیات کے نزول کی تاریخ کے مطابق بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید کے نظم کا اپنا ایک نرالا طریقہ کار ہے اور اس میں بہت سے موضوعات سے تعرض کیا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی موضوع بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کے متعلق تمام مسائل از اول تا آخر جمع کر دیے گئے ہوں اور ڈھونڈنے والوں کو سب ایک ہی متعین جگہ پر مل جائیں۔ قرآن مجید میں ہر موضوع کو جگہ جگہ بکھیر دیا گیا ہے اور مضامین کو جگہ جگہ بانٹ دیا گیا ہے۔ تمام احکام شریعت ایک ہی جگہ نہیں، بلکہ متعدد جگہ ملیں گے۔ اعتقادی اصولوں کو ایک سے زیادہ جگہ پر بیان کیا گیا ہے اور ایک ہی قصے کے واقعات و حوادث جگہ جگہ پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس طرح پڑھنے والے کو ایک ہی سورت میں کئی کئی باتیں ملتی ہیں اور ہر ایک جگہ مختلف اغراض کے مختلف رنگ نظر آتے ہیں اور مختلف سورتوں میں ایک ہی قصہ مختلف اغراض کے تحت پیش کیا گیا ہے اور ان مختلف بیانات کو اکٹھا کر لیا جائے اور اغراض کا مقابلہ کر لیا جائے تو سارے مضمون کا تصور پورے طور پر سامنے آ

Marfat.com

جاتا ہے۔

موجودہ ترتیب کی حکمت، اہمیت اور فضیلت

موجودہ ترتیب تلاوت ہی قرآن حکیم کی اصل ترتیب ہے۔ سورتوں کی یہ ترتیب طول و اختصار کی بنا پر بھی نہیں بلکہ توقیفی ہے (یعنی جس ترتیب سے آنحضرت ﷺ نے اللہ کے حکم سے واقف کرایا ہے)۔ اس ترتیب کے آسمانی ہونے کی ایک داخلی شہادت یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی دعا ''اھدنا الصراط المستقیم'' کے جواب میں اس کے فوراً بعد ہی سورۃ البقرہ اس دعا کے جواب کے طور پر شروع ہوتی ہے۔ ''آلم ذالك الكتب لا ريب فيه هدى للمتقين'' اس سے ثابت ہوا کہ سورہ فاتحہ اور سورہ البقرہ دونوں باہم دگر مربوط ہیں۔

دوسری داخلی شہادت یہ ہے کہ جب سورہ البقرہ میں مشرکین قریش سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ:

> ان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداء كم من دون الله ان كنتم صادقين (سورۃ البقرہ۔۲۳)
>
> اگر تم کو اس کلام کے بارے میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آؤ اور ان کو بھی اس کام میں بلا لو جو تمہارے مددگار ہیں اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔

اس چیلنج سے بھی ربط و ترتیب کی موجودہ اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ایک داخلی شہادت یہ ہے کہ سورہ ہود گیارہویں سورت ہے اور اس میں چیلنج ہے کہ ایسی دس سورتیں لا کر دکھا دو تو اس سے پہلے سورہ یونس تک دس سورتیں مکمل ہو جاتی ہیں۔

> ام يقولون افتراه قل فاتوا بعشر سور مثله مفتريات وادعوا من استطعتم من دون الله ان كنتم صادقين (سورۂ ہود۔۱۳)
>
> کیا کہتے ہیں کہ آپ قرآن خود ہی بنا لائے ہیں تو کہہ دیجیے تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور اگر تم سچے ہو تو اس کام کے لیے اپنی مدد

Marfat.com

کی خاطر اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو۔

سورتوں اور آیات میں موجودہ ترتیب کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کا مقصد بیان موعظت ہے، کوئی کتاب تصنیف کرنا ہرگز نہیں۔ وحی یا قرآن کا بنیادی مقصد صرف اور صرف نوع انسان کی ہدایت ہے تاکہ للّٰہیت (ایمان)، عبدیت (عمل صالح) اور مکارم اخلاق و اعمال پیدا ہو سکیں اور بندوں میں ایسی روح پیدا ہو سکے جو رضائے الٰہی کے موافق ہو۔ قرآن کو اپنے ان مقاصد کے حصول کے لیے تکرار کا بھی سہارا لینا پڑا تو اس نے لیا ہے۔

جب ہم کسی کو نصیحت کرتے ہیں تو مقصود یہ ہوتا ہے کہ سمجھا بجھا کر، ملامت یا شفقت سے اسے راہ راست پر لے آئیں۔ اس مقصد کے لیے ہمارے انداز بیان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ نہ ہی یہ مقصد ہوتا ہے کہ اس شخص کو کسی خاص موضوع پر لیکچر دیا جائے۔ نہ یہ پابندی ہوتی ہے کہ استدلال منطقی ہو۔ نہ ہی یہ کہ ترتیب کلام کسی خاص نظم کا پابند ہو اور اس میں کسی قسم کا تکرار نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کلام میں کسی باب اور فصلوں کی پابندی نہیں رکھی گئی۔[1] لیکن اس کے باوجود آیات قرآن میں ربط اور مناسبت بے مثال ہے۔ ہر آیت دوسری آیت کے ساتھ اس طرح مربوط ہے کہ گویا ایک لڑی میں نہایت ہی لطیف ترتیب اور تناسب کے ساتھ موتی پرو دیے ہیں۔

دنیا عاجز اور حیران ہے کہ کس خوبی اور لطیف پیرائے کے ساتھ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف کلام منتقل ہو رہا ہے۔

نظم قرآن بلحاظ ترتیب توقیفی و ترتیب نزولی مع تعداد آیات

نمبر	ترتیب توقیفی	مکیہ یا مدنیہ	تعداد آیات	ترتیب نزولی
۱	سورۃ فاتحہ	مکیہ	۷	نبوت کے ابتدائی دور میں مکمل طور پر نازل ہوئی۔
۲	سورۃ البقرہ	مدنیہ	۲۸۶	بیشتر حصہ مدنی زندگی کے اوائل میں نازل ہوا چند آیات ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئیں مگر مضمون کی

Marfat.com

مناسبت سے ان کو بھی اسی سورۃ میں شامل کیا گیا۔

۳	سورۃ آل عمران	مدنیہ	۲۰۰	جنگ احد کے بعد کے دور میں نازل ہوئی۔
۴	سورۃ النساء	مدنیہ	۱۷۶	مدنی زندگی میں غالباً چار یا پانچ ہجری میں نازل ہوئی۔
۵	سورۃ المائدہ	مدنیہ	۱۲۰	صلح حدیبیہ کے بعد چھ ہجری کے اواخر یا سات ہجری کے شروع میں نازل ہوئی۔
۶	سورۃ الانعام	مکیہ	۱۶۵	غالباً مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی۔
۷	سورۃ الاعراف	مکیہ	۲۰۶	اس سورۃ کا زمانہ نزول بھی تقریباً وہی ہے جو سورۃ الانعام کا ہے۔
۸	سورۃ الانفال	مدنیہ	۷۵	۲ ہجری میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔
۹	سورۃ التوبہ	مدنیہ	۱۲۹	یہ سورۃ ۹ ہجری یا اس کے ارد گرد نازل ہوئی۔
۱۰	سورۃ یونس	مکیہ	۱۰۹	غالباً مکی دور کے آخری عرصہ میں نازل ہوئی۔
۱۱	سورۃ ہود	مکیہ	۱۲۳	غالباً سورہ یونس کے زمانہ میں ہی نازل ہوئی۔
۱۲	سورۃ یوسف	مکیہ	۱۱۱	یہ سورۃ بھی غالباً مکی دور کے آخری عرصے میں نازل ہوئی۔
۱۳	سورۃ الرعد	مدنیہ	۴۳	اس سورۃ کے مضامین بھی نزول کے اعتبار سے مکی دور کے آخری عرصے کی صراحت کرتے ہیں۔
۱۴	سورۃ ابراہیم	مکیہ	۵۲	سورہ رعد سے قریب زمانہ میں نزول محسوس ہوتا ہے۔
۱۵	سورۃ الحجر	مکیہ	۹۹	زمانہ نزول سورہ ابراہیم سے متصل معلوم ہوتا ہے۔
۱۶	سورۃ النحل	مکیہ	۱۲۸	الرعد کا زمانہ نزول بھی مکی دور کا آخری عرصہ معلوم ہوتا ہے۔
۱۷	سورۃ الاسرا	مکیہ	۱۱۱	معراج کے موقع پر نازل ہوئی اور معراج کا واقعہ بھی مکی دور کے آخری عرصہ میں ہوا ہے۔
۱۸	سورۃ الکہف	مکیہ	۱۱۰	مکی زندگی میں ۵ ہجری کے بعد نازل ہوئی۔

Marfat.com

۱۹	سورۃ مریم	مکیہ	۹۸	اس کا زمانہ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے۔
۲۰	سورۃ طٰہٰ	مکیہ	۱۳۵	حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہوئی۔
۲۱	سورۃ الانبیاء	مکیہ	۱۱۲	مکی زندگی کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی۔
۲۲	سورۃ الحج	مدنیہ	۷۸	اس سورۃ کی آیات کا ایک حصہ مکی دور کے آخر میں دوسرا تقریباً اکثریتی حصہ مدنی دور کے آغاز میں نازل ہوا۔
۲۳	سورۃ المومنون	مکیہ	۱۱۸	مکی زندگی کے دور متوسط کے بعد نازل ہوئی۔
۲۴	سورۃ النور	مدنیہ	۶۴	غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی۔
۲۵	سورۃ الفرقان	مکیہ	۷۷	سورۃ مومنون کے ہی زمانہ میں نازل ہوئی۔
۲۶	سورۃ الشعراء	مکیہ	۲۲۷	مکی زندگی کے دور متوسط میں نازل ہوئی۔
۲۷	سورۃ النمل	مکیہ	۹۳	انداز بیان مکہ کے دور متوسط کی سورتوں سے مشابہت رکھتا ہے۔
۲۸	سورۃ القصص	مکیہ	۸۸	یہ سورۃ بھی سورہ نمل کے قریب قریب ہی نازل ہوئی۔
۲۹	سورۃ العنکبوت	مکیہ	۶۹	ہجرت حبشہ سے کچھ دیر پہلے نازل ہوئی۔
۳۰	سورۃ الروم	مکیہ	۶۰	یہ سورۃ ہجرت حبشہ کے سال میں نازل ہوئی۔
۳۱	سورۃ لقمان	مکیہ	۳۴	یہ سورۃ بھی سورۃ عنکبوت کے زمانہ میں ہی نازل ہوئی۔
۳۲	سورۃ السجدہ	مکیہ	۳۰	مکی زندگی کے دور متوسط میں نازل ہوئی۔
۳۳	سورۃ الاحزاب	مدنیہ	۷۳	یہ سورۃ پانچ ہجری میں نازل ہوئی۔
۳۴	سورۃ سبا	مکیہ	۵۴	مکی زندگی کے دور متوسط سے پہلے نازل ہوئی۔
۳۵	سورۃ فاطر	مکیہ	۴۵	غالباً مکی زندگی کے دور متوسط میں نازل ہوئی۔
۳۶	سورۃ یٰسین	مکیہ	۸۳	غالباً مکی زندگی کے دور متوسط کے آخری عرصے میں نازل ہوئی۔
۳۷	سورۃ الصافات	مکیہ	۱۸۲	غالباً مکی زندگی کے دور متوسط کے آخری زمانہ میں

Marfat.com

نازل ہوئی۔

۳۸	سورۃ ص	مکیہ	۸۸	تقریباً نبوت کے چوتھے سال میں نازل ہوئی۔
۳۹	سورۃ الزمر	مکیہ	۷۵	ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہوئی۔
۴۰	سورۃ مومن	مکیہ	۸۰	سورۃ زمر کے متصل بعد نازل ہوئی۔
۴۱	سورۃ حم سجدہ (فصلت)	مکیہ	۵۴	غالباً حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کے بعد اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہوئی۔
۴۲	سورۃ الشوریٰ	مکیہ	۵۳	سورۃ حم سجدہ کے متصل بعد نازل ہوئی۔
۴۳	سورۃ الزخرف	مکیہ	۸۹	یہ سورۃ بھی سورۃ شوریٰ کے زمانے میں ہی نازل ہوئی۔
۴۴	سورۃ الدخان	مکیہ	۵۹	قرائن سے معلوم ہے سورۃ زخرف کے دور میں ہی نازل ہوئی۔
۴۵	سورۃ الجاثیہ	مکیہ	۳۷	غالباً سورۃ دخان کے بعد قریبی زمانے میں نازل ہوئی۔
۴۶	سورۃ الاحقاف	مکیہ	۳۵	یہ سورۃ ۱۰ نبوی کے آخر یا ۱۱ نبوی کے شروع میں نازل ہوئی۔
۴۷	سورۃ محمد	مدنیہ	۳۸	ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں اس وقت نازل ہوئی جب جنگ کا حکم تو دیا جا چکا تھا مگر ابھی عملاً جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔
۴۸	سورۃ الفتح	مدنیہ	۲۹	یہ سورۃ ذیقعد ۶ ہجری میں نازل ہوئی۔
۴۹	سورۃ الحجرات	مدنیہ	۱۸	مختلف آیات مختلف مواقع پر نازل ہوئیں مگر اکثر احکام مدینہ طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئے۔
۵۰	سورۃ ق	مکیہ	۴۵	غالباً مکہ معظمہ میں نبوت کے تیسرے سے پانچویں سال کے دوران نازل ہوئی۔
۵۱	سورۃ الزاریات	مکیہ	۶۰	غالباً سورۃ ق کے زمانہ ہی میں نازل ہوئی۔
۵۲	سورۃ طور	مکیہ	۴۹	تقریباً سورۃ الزاریات کے زمانہ میں ہی نازل ہوئی۔
۵۳	سورۃ النجم	مکیہ	۶۲	یہ سورۃ رمضان ۵ نبوی میں نازل ہوئی۔

Marfat.com

۵۴	سورۃ القمر	مکیہ	۵۵	مکی دور کے زمانہ متوسط میں اس وقت نازل ہوئی جب شق قمر کا واقعہ پیش آیا۔
۵۵	سورۃ الرحمٰن	مدنیہ	۷۸	مضامین کے اعتبار سے زمانہ نزول ہجرت سے قبل کا محسوس ہوتا ہے۔
۵۶	سورۃ الواقعہ	مکیہ	۹۶	۵ نبوی کے آس پاس نازل ہوئی۔
۵۷	سورۃ الحدید	مدنیہ	۲۹	غالباً جنگ اور صلح حدیبیہ کے درمیان کسی زمانے میں نازل ہوئی۔
۵۸	سورۃ المجادلہ	مدنیہ	۲۲	شوال ۵ ہجری میں غزوہ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔
۵۹	سورۃ الحشر	مدنیہ	۲۴	۴ ہجری کے قریب قریب نازل ہوئی۔
۶۰	سورۃ الممتحنہ	مدنیہ	۱۳	صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی دور میں نازل ہوئی۔
۶۱	سورۃ الصف	مدنیہ	۱۴	غالباً جنگ احد کے متصل زمانے میں نازل ہوئی۔
۶۲	سورۃ الجمعہ	مدنیہ	۱۱	پہلے رکوع کا زمانہ نزول ۷ ہجری ہے جب کہ دوسرا رکوع ہجرت کے بعد کے قریبی زمانے میں نازل ہوا۔
۶۳	سورۃ المنافقون	مدنیہ	۱۲	زمانہ نزول ۶ ہجری ہے۔ غزوہ المصطلق سے واپسی پر دوران سفر یا مدینہ طیبہ پہنچنے کے فوری بعد۔
۶۴	سورۃ التغابن	مدنیہ	۱۸	مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۶۵	سورۃ الطلاق	مدنیہ	۱۲	سورۃ بقرہ کی ان آیات کے بعد نازل ہوئی جن میں طلاق کے احکام دیے گئے۔
۶۶	سورۃ التحریم	مدنیہ	۱۲	۷ یا ۸ ہجری کے دوران نازل ہوئی۔
۶۷	سورۃ الملک	مکیہ	۳۰	غالباً مکہ معظّمہ کی ابتدائی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔
۶۸	سورۃ ن والقلم	مکیہ	۵۲	یہ بھی مکہ معظّمہ کی ابتدائی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔

Marfat.com

۶۹	سورۃ الحاقہ	مکیہ	۵۲	یہ بھی مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۷۰	سورۃ المعارج	مکیہ	۴۴	اس سورۃ کا نزول بھی سورہ الحاقہ کے دور کے قریب قریب ہوا۔
۷۱	سورۃ نوح	مکیہ	۲۸	یہ بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۷۲	سورۃ الجن	مکیہ	۲۸	غالباً نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۷۳	سورۃ المزمل	مکیہ	۲۰	غالباً مکی زندگی کے اوائل میں نازل ہوئی۔
۷۴	سورۃ المدثر	مکیہ	۵۶	پہلی سات آیات مکی زندگی کے بالکل ابتدا میں نازل ہوئیں باقی اس وقت نازل ہوئیں جب اسلام کی اعلانیہ تبلیغ شروع ہو جانے کے بعد پہلی مرتبہ حج کا موقع آیا۔
۷۵	سورۃ القیامہ	مکیہ	۴۰	غالباً مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۷۶	سورۃ الدھر	مدنیہ	۳۱	کچھ حصہ مکہ میں اور کچھ حصہ مدینہ میں نازل ہوا۔
۷۷	سورۃ المرسلت	مکیہ	۵۰	مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۷۸	سورۃ النباء	مکیہ	۴۰	یہ بھی غالباً مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۷۹	سورۃ النازعات	مکیہ	۴۶	یہ بھی نبوت کے ابتدائی زمانے کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔
۸۰	سورۃ عبس	مکیہ	۴۲	یہ سورۃ بھی مکی زندگی کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی۔
۸۱	سورۃ التکویر	مکیہ	۲۹	مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۸۲	سورۃ الانفطار	مکیہ	۱۹	یہ سورۃ سورۃ التکویر کے زمانے میں ہی نازل ہوئی۔
۸۳	سورۃ المطففین	مکیہ	۳۶	مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۸۴	سورۃ الانشقاق	مکیہ	۲۵	یہ بھی مکہ معظّمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔
۸۵	سورۃ البروج	مکیہ	۲۲	مکی زندگی میں اس وقت نازل ہوئی جب ظلم وستم

Marfat.com

پوری شدت سے برپا تھا۔

۸۶	سورۃ الطارق	مکیہ	۱۷	مکی زندگی میں اس وقت نازل ہوئی جب کفارِ مکہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کو زک دینے کے لیے چالیں چل رہے تھے۔
۸۷	سورۃ الاعلیٰ	مکیہ	۱۹	بالکل ابتدائی دور میں نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔
۸۸	سورۃ الغاشیہ	مکیہ	۲۶	مکی زندگی میں اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ عام شروع کر چکے تھے۔
۸۹	سورۃ الفجر	مکیہ	۳۰	اس وقت نازل ہوئی جب اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ ظلم وستم شروع ہو چکا تھا۔
۹۰	سورۃ البلد	مکیہ	۲۰	مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب کفار آنحضرت ﷺ کی دشمنی پر تل گئے تھے۔
۹۱	سورۃ الشمس	مکیہ	۱۵	مکی دور کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی۔
۹۲	سورۃ اللیل	مکیہ	۲۱	یہ سورۃ بھی سورۃ شمس کے زمانے میں نازل ہوئی۔
۹۳	سورۃ الضحیٰ	مکیہ	۱۱	مکہ معظمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۹۴	سورۃ الم نشرح	مکیہ	۸	سورۃ ضحیٰ کے بعد نازل ہوئی۔
۹۵	سورۃ التین	مکیہ	۸	مکہ معظمہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔
۹۶	سورۃ العلق	مکیہ	۱۹	پہلی پانچ آیات تو بالکل پہلی وحی کی آیات ہیں۔ باقی آیات اس وقت نازل ہوئیں جب آپ ﷺ نے حرم میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابوجہل نے آپ ﷺ کو دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کوشش کی۔

Marfat.com

۹۷	سورۃ القدر	مکیہ	۵	مکی زندگی میں نازل ہوئی۔
۹۸	سورۃ البینہ	مکیہ	۸	جمہور کے نزدیک مکی زندگی میں ہی نازل ہوئی۔
۹۹	سورۃ الزلزال	مکیہ	۸	غالباً مکی دور کی ابتداء میں نازل ہوئی۔
۱۰۰	سورۃ العدٰیت	مکیہ	۱۱	غالباً مکہ کے ابتدائی دور میں ہی نازل ہوئی۔
۱۰۱	سورۃ القارعہ	مکیہ	۱۱	یہ بھی مکی دور کی ابتداء میں نازل ہوئی۔
۱۰۲	سورۃ التکاثر	مکیہ	۸	مکے کی ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۱۰۳	سورۃ العصر	مکیہ	۳	یہ بھی مکی دور کے ابتداء میں نازل ہوئی محسوس ہوتی ہے۔
۱۰۴	سورۃ الھمزہ	مکیہ	۹	مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۱۰۵	سورۃ الفیل	مکیہ	۵	مکہ معظمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
۱۰۶	سورۃ القریش	مکیہ	۴	غالباً سورۃ الفیل کے متصل بعد نازل ہوئی۔
۱۰۷	سورۃ الماعون	مکیہ	۷	مضمون مدنی دور کے نزول کی طرف اشارہ کرتا ہے مگر جمہور کے نزدیک مکی دور میں نازل ہوئی۔
۱۰۸	سورۃ الکوثر	مکیہ	۳	غالباً مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب حضور ﷺ کو انتہائی دل شکن حالات سے سابقہ تھا۔
۱۰۹	سورۃ الکافرون	مکیہ	۶	جمہور کے نزدیک مکی دور کے اوائل میں نازل ہوئی۔
۱۱۰	سورۃ النصر	مدنیہ	۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی۔
۱۱۱	سورۃ اللھب	مکیہ	۵	مکی زندگی میں اس وقت نازل ہوئی جب اپنے رشتے دار تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدمقابل آ گئے تھے۔
۱۱۲	سورۃ الاخلاص	مکیہ	۴	غالباً مکہ کے ابتدائی دور میں ہی نازل ہوئی۔
۱۱۳	سورۃ الفلق	مکیہ	۵	غالباً ابتدائے مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کی مخالفت زور پکڑ چکی تھی۔

۱۱۴	سورۃ الناس	مکیہ	۶	یہ سورۃ بھی سورۃ فلق کے ساتھ نازل ہوئی۔

حوالہ جات

ا۔ فاروقی، برہان الدین احمد ڈاکٹر، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، ص ۳۸

❀❀❀

Marfat.com

گیارھواں باب

چند اہم تفاسیر کے امتیازی خصائص

ذیل میں قرآن مجید کی ۱۴ اہم عربی اور اردو تفاسیر کی امتیازی خصوصیات اور مفسرین کا تعارف درج ہے۔

ا۔ تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیرؒ

تعارف مؤلف

اسم گرامی عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمرو بن کثیر بصری اور دمشقی ہے۔ آپ شافعی المسلک تھے۔ والد کی وفات کے بعد سات سال کی عمر میں اپنے بھائی کی رفاقت میں دمشق آئے۔ ابن شحنہ آمدی، ابن عساکر اور دیگر علماء سے استفادہ کیا۔ آپ عرصہ دراز تک علامہ میزی کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے تہذیب الکمال کا درس لیا، ساتھ ہی آپ کو علامہ کی دامادی کا بھی شرف نصیب ہو گیا۔ ابن قاضی شہبہ نے طبقات میں لکھا ہے کہ ابن کثیر کو ابن تیمیہ سے بھی خاص محبت تھی۔ آپ نے ابن تیمیہ سے استفادہ بھی کیا۔ اکثر نظریات میں ابن کثیر ان کے ہمنوا تھے۔ طلاق کے مسئلہ میں ابن کثیر امام ابن تیمیہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ علامہ داؤدی نے طبقات المفسرین میں لکھا ہے کہ:

> ''ابن کثیر اپنے زمانے کے یکتائے روزگار فاضل اور حافظ حدیث تھے۔ امام ذہبی اور سبکی کی وفات کے بعد آپ مدرسہ اشرفیہ کے صدر المدرسین قرار پائے۔''[۱]

ابن کثیر کا علمی پایہ بہت بلند ہے۔ علماء نے آپ کے علم و فضل کا خوب اعتراف کیا ہے۔ آپ تفسیر و حدیث اور تاریخ میں خصوصی بصیرت و مہارت رکھتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

Marfat.com

''ابن کثیر نے حدیث کے متن اور راویوں کا خوب مطالعہ کیا۔ تفسیر قرآن سے متعلق بہت عمدہ مواد فراہم کیا۔ دینی احکام پر ایک کتاب لکھنے کا بھی بیڑا اٹھایا مگر اس کی تکمیل نہ کر سکے۔ تاریخ اسلام پر آپ نے اپنی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' مرتب کی۔ اس کے علاوہ طبقات الشافعیہ پر بھی کتاب تحریر کی۔ آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ نہایت شیریں مقال تھے۔ آپ کی زندگی میں ہی آپ کی تصانیف کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ ابن کثیر کا شمار فقہاء محدثین میں ہوتا ہے۔''

مشہور مفسر ذہبی کہتے ہیں:

''ابن کثیر بہت بڑے محدث فقیہ، مفسر اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔''

ابن حبیب کا قول ہے:

''ابن کثیر مفسرین کے سرخیل تھے۔ کثرت سے احادیث سنیں اور ان کو جمع کیا۔ آپ عظیم محدث، مفتی اور فقیہہ تھے۔ آپ کے فتاویٰ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ تفسیر و حدیث اور تاریخ کی سیادت و قیادت آپ کی ذات پر ختم ہو گئی۔''

ابن کثیر کی ولادت ۷۰۰ ہجری یا اس کے کچھ عرصہ بعد ہوئی جب کہ ۷۷۴ ہجری میں وفات ہوئی۔ آپ اپنے استاد اور مرشد ابن تیمیہ کے پہلو میں دفن ہیں۔ آپ عمر کے آخری دور میں نابینا ہو گئے تھے۔[ل]

تفسیر القرآن العظیم۔ نمونہ تفسیر بالماثور۔

تفسیر ابن کثیر قرآن کریم کی تفسیر ماثور پر مشتمل کتب میں حد درجہ مشہور تفسیر ہے۔ اس میں مؤلف نے مفسرین سلف کے تفسیری اقوال کو یکجا کیا ہے۔ چنانچہ اس [illegible] آیات کی تفسیر، احادیث مرفوعہ اور اقوال و آثار کی روشنی میں کی گئی ہے۔ حسب ضرورت جرح و تعدیل سے بھی کام لیا گیا ہے۔ تفسیر کی ضخامت چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے، جس میں قرآن کریم سے متعلق علمی بحثیں کی گئی ہیں۔ یہ مقدمہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے زیادہ تر اپنے استاد گرامی امام ابن تیمیہ کے رسالہ اصول تفسیر سے اخذ کیا ہے۔

تفسیری طریقہ کار

اس تفسیر میں ابن کثیر کا طریقہ کار یہ ہے کہ پہلے وہ ہر آیت کے تحت اس کی تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کے مختلف کلمات یا جملوں کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ کی جتنی روایات ملتی ہیں وہ ذکر فرماتے ہیں۔ اس سے پہلے جن مفسرین نے تفسیر بالماثور کا طریقہ کار اپنایا ہے مثلاً حافظ ابن جریر، ابن مردویہ اور ابن ماجہؒ وغیرہ، انھوں نے تفسیری روایات کو صرف جمع کرنے کا کام کیا ہے ان کی چھان پھٹک نہیں کی لیکن حافظ ابن کثیرؒ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر محدث بھی ہیں اور روایات پر جرح وتنقید کے فن سے آشنا ہیں۔ چنانچہ اول تو انھوں نے ان ضعیف اور موضوع روایات کو بکثرت چھانٹ دیا ہے جو متقدمین کی کتابوں میں لکھی چلی آرہی تھیں۔ دوسرے جو کمزور روایات تھیں عموماً ان کی صحت اسناد پر بھی تنبیہ فرمادی ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن

ابن کثیر نے آیات کی تشریح آیات سے بھی کی ہے اس ناطے اس تفسیر کو ''تفسیر القرآن بالقرآن'' بھی کہا جاتا ہے۔ دور حاضر میں تفسیر کی جس قدر کتب ہیں ان سب میں ابن کثیر قرآنی آیات سے استدلال پیش کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اس کے بعد آیات کی تشریح میں احادیث مرفوعہ ذکر کرتے ہیں اور آخر میں صحابہؓ، تابعینؒ اور دیگر علمائے سلف کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

اسرائیلیات سے اجتناب

تفسر بالماثور کی کتابیں اکثر و بیشتر اسرائیلیات سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن اسرائیلی روایات کے بارے میں حافظ ابن کثیر کا طرز عمل انتہائی محتاط، صاف ستھرا اور خالص قرآن وسنت پر مبنی ہے۔ انھوں نے اول اپنی تفسیر میں اسرائیلیات زیادہ نقل ہی نہیں کیں اور جہاں نقل کی ہیں وہاں عموماً بتادیا ہے کہ یہ اسرائیلی روایات ہیں۔ مثلاً سورہ صافات میں انھوں نے بعض ایسے آثار

Marfat.com

نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ''اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر یہ سارے اقوال کعب الاحبار سے ماخوذ ہیں'' ان روایات میں ہر طرح کی رطب و یابس باتیں جمع تھیں اور اس امت کو ان باتوں میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں۔

اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت: ان اللہ یا مرکم ان تذبحوا بقرۃ (سورۃ البقرہ۔۶۷) کی تفسیر کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی گائے کا طویل قصہ ذکر کیا ہے۔ پھر اس میں سلف سے منقول روایات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

''ابو عبیدہؒ، ابو العالیہؒ اور سدیؒ سے جو روایات منقول ہیں، ان میں اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روایات بنی اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ بلاشبہ ان کو نقل کرنا درست ہے۔ مگر ان کی تصدیق و تکذیب نہیں کی جاسکتی لہٰذا ان پر اعتماد کرنا درست نہیں ماسوائے اس روایت کے جو کہ قرآن و سنت سے قطعاً ٹکراتی نہ ہو۔''

اسی طرح سورہ ''ق'' کی تفسیر کرتے ہوئے آغاز سورۃ میں لکھتے ہیں۔

''بعض علمائے سلف کا قول ہے کہ ''ق'' سے مراد ایک پہاڑ ہے جو روئے زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اسی کو ''کوہ کاف'' کہتے ہیں۔''

اس بارے میں حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''دراصل یہ بھی اسرائیلیات کا حصہ ہیں جن کی ہم نہ تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب۔ میرا خیال ہے کہ ایسی باتیں اہل کتاب زنادقہ کی وضع کردہ ہیں جو انھوں نے لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے گھڑی ہیں۔ جب علمائے حدیث اور حفاظ و آئمہ کی کثرت کے باوجود امت محمدی میں احادیث وضع کر کے ان کو نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب کر دیا گیا تو بنی اسرائیل کی امت میں ایسا کیوں ممکن نہیں حالانکہ اس امت کو تو عرصہ دراز گزر چکا ہے۔''[۳]

Marfat.com

فقہی احکام

بہر حال تفسیر ابن کثیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ احکام پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مولف فقہی احکام اور علماء کے اقوال ودلائل کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اختلافی مسائل میں فقہا کے مسالک ودلائل وبراہین کی تفصیلات بھی ذکر کرتے ہیں۔

کچھ ضعیف روایات بھی

روایات کے لحاظ سے تفسیر میں درج ہر روایت اگر چہ درست ہے لیکن بلکہ بعض مقامات پر حافظ ابن کثیرؒ ضعیف روایت بھی نقل کر گئے ہیں۔ مثلاً سورہ توبہ کی آیت و منھم من عاھد اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ثعلبہ کی جو روایت نقل کی ہے محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔

اس کے باوجود ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم ماثور تفاسیر میں نہایت عمدہ تفسیر ہے۔ جلال الدین سیوطی تذکرہ الحفاظ اور زرقانی شرح المواہب میں لکھتے ہیں کہ ''تفسیر ابن کثیر'' جیسی تفسیر آج تک نہیں لکھی گئی۔

۲۔ انوار التنزیل واسرار التاویل از بیضاوی

تعارف مؤلف

نام نامی اسم گرامی عبداللہ بن عمر بن محمد کنیت ابو الخیر لقب ناصر الدین اور نسبت بیضاوی ہے۔ آپ شافعی المسلک تھے اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ مقام بیضا کے رہنے والے تھے اسی نسبت سے بیضاوی کہلائے۔

اعتراف مقام

ابن قاضی شھبہ طبقات میں لکھتے ہیں۔

''بیضاوی کثیر التصانیف اور آذر بائیجان کے علاقہ کے عظیم ترین عالم تھے۔''

امام سبکی فرماتے ہیں۔

''بیضاوی ایک عظیم امام، بہت بڑے مناظر، عابد وزاہد اور متقی وپرہیز گار تھے۔''

ابن حبیب لکھتے ہیں۔

Marfat.com

""سب علماء بیضاوی کی تصانیف کے ثناء خواں ہیں۔""

علامہ بیضاوی کی دوسری مشہور تصنیفات

۱۔ کتاب المنہاج وشرح فی اصول فقہ

۲۔ کتاب الطوالع فی اصول الدین

وفات

امام سبکیؒ اور ابن کثیرؒ کے نزدیک علامہ بیضاوی ۶۵۵ ہجری میں تبریز کے مقام پر فوت ہوئے۔

تعارف: انوار التنزیل واسرار التاویل فی التفسیر

علامہ بیضاویؒ کی نہایت متوسط الحجم تفسیر اور تاویل دونوں کی جامع کتاب ہے۔ عربی زبان کے قواعد اور اہل سنت کے اصول وضوابط پر مشتمل ہے۔ بعض اوقات بیضاویؒ یہاں پر کشاف کے معتزلی عقائد سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔

تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کا حسین امتزاج

انوار التنزیل واسرار التاویل تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کا حسین امتزاج ہے۔ اس میں علم لغت، حرف نحو اور دیگر قواعد زبان کے ساتھ ساتھ روایت، اختلاف قرأت اور فقہی مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے۔ علوم عقلیہ اور قیاس سے بھی کام لیا گیا ہے۔ فقہی مسائل میں امام شافعی کے مسلک کو ترجیح دی گئی ہے۔ تاہم اہل سنت اور معتزلہ کے عقائد سے بھی بحث کی گئی ہے۔ آیات کی تفسیر کے ضمن میں احادیث اور اقوال صحابہ بھی نقل کیے گئے ہیں۔

تقلید کشاف

جس طرح صاحب کشاف ہر سورت کے آخر میں ایسی احادیث نقل کرتے ہیں۔ جس سے سورت متعلقہ کی عظمت وفضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح بیضاویؒ نے بھی اس ضمن میں ان کی تقلید کی ہے۔ حالانکہ یہ احادیث بالاتفاق محدثین کی نظر میں موضوع ہیں۔ قاری یہ دیکھ کر حیران

Marfat.com

بھی ہوتا ہے کہ بیضاویؒ زمخشریؒ کی کس طرح اندھادھند تقلید کرتے چلے جاتے ہیں۔

تفسیر کبیر اور تفسیر اصفہانی سے استفادہ

بیضاویؒ نے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور راغب کی تفسیر اصفہانی سے خوب فائدہ اٹھایا ہے پھر اس پر صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال وآثار کا اضافہ کیا ہے اور عقل خداداد کی مدد سے طبع زاد و نکات و لطائف شامل کیے ہیں۔

اسلوب نگارش

امام بیضاویؒ کا اسلوب نگارش بڑا دلکش اور جاذب نظر ہے۔ بعض جگہ ان کی عبارت حد درجہ عمیق ہے۔ جن کی غواصی ایک ذہین وفطین آدمی ہی کر سکتا ہے۔ بعض اوقات وہ مختلف قرأتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ وہ قرأت متواترہ کا ہی التزام نہیں کرتے بلکہ قرأت شاذہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ نحوی مسائل سے تعرض کرتے ہیں مگر بہت کم آیات الاحکام کی تفسیر کرتے ہوئے فقہی مسائل کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔

مسلک شافعی کی تائید

فقہی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے وہ امام شافعی کے مسلک کی تائید میں دلائل وبراہین بیان کرتے ہیں۔ اس طرح وہ شافعی مسلک سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔

مسلک اہل سنت کو ترجیح

جس آیت کا تعلق اہل سنت اور معتزلہ کے نزاعی مسائل سے ہوتا ہے۔ وہاں قاضی صاحب دونوں کا موقف بیان کرتے ہیں۔ مثلاً آیت

الذین یومنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ (سورہ البقرہ۔۳)

(جو لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے بیضاویؒ اہل سنت، معتزلہ اور خوارج کے اقوال کے مطابق ایمان ونفاق کا مفہوم بیان کر کے اپنی تفسیر میں اہل سنت کے عقائد کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح آیت مما رزقناھم ینفقون کی تفسیر کے دوران قاضی بیضاویؒ نے اہل سنت اور معتزلہ کے اختلافات پر روشنی ڈالتے ہوئے ''رزق'' کا

Marfat.com

مفہوم بیان کیا ہے۔ پھر فریقین کے دلائل ذکر کر کے اہل سنت کے مسلک کو فوقیت دی ہے۔

اسرائیلیات سے اجتناب

قاضی بیضاویؒ نے اپنی تفسیر میں اسرائیلیات سے حتی المقدور اجتناب ہی کیا ہے۔ اگر کسی جگہ اسرائیلی واقعہ بیان بھی کیا ہے تو اس کے ضعف کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔

تفسیر بیضاوی کے بارے میں علماء کے تاثرات

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ ''قاضی ناصر الدین بیضاویؒ نے تفسیر کشاف کا بہت عمدہ خلاصہ تیار کیا ہے اور معتزلی نظریات کو چھانٹ دیا ہے۔ اب یہ تفسیر آب زر کی طرح تابندہ و درخشندہ اور آفتاب نصف النہار کی طرح معروف و مشہور ہے۔ لوگوں نے اس کو مرکز توجہ بنا لیا ہے اور ثناء خوان اس کی مدح و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ علماء اس کے درس و مطالعہ میں منہمک ہیں۔

ملا کاتب اپنی کتاب ''کشف الظنون'' میں لکھتے ہیں:

> ''تفسیر بیضاویؒ مدح و توصیف سے بالا اور عظیم الشان کتاب ہے۔ اس میں جو مباحث اعراب اور معانی و بیان سے متعلق ہیں وہ تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں، حکمت و کلام سے وابستہ معلومات تفسیر کبیر سے لی گئی ہیں، اشتقاق سے متعلقہ مسائل راغب اصفہانی کی تفسیر سے مستناد ہیں۔ جو نکات و دقائق بیضاویؒ نے اپنی فکر رسا سے اختراع کیے ہیں وہ اس پر مزید ہیں۔ چونکہ بیضاویؒ ایک جید عالم تھے اس لیے انھوں نے جملہ علوم و فنون میں شہسواری کے جوہر دکھائے ہیں۔ وہ کہیں تو حسین و جمیل اشارات و استعارات کو بے نقاب کرتے ہیں اور کہیں معقولات کے اسرار و رموز کی پردہ دری کرتے ہیں۔''[ک]

تفسیر بیضاوی پر تنقیدی جرح

جہاں تفسیر بیضاوی کے متعلق علمائے کرام نے تعریف و توصیف کا اظہار کیا ہے وہیں اس

Marfat.com

پر تنقیدی نظر بھی ڈالی ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ جہاں تک ان سورتوں کے آخر میں مذکور احادیث کا تعلق ہے، ان کی صحت کے بارے میں علامہ بیضاویؒ نے جرح و تعدیل سے کام نہیں لیا ہے۔ بعض مقامات پر علامہ بیضاویؒ کے نظریات پر معتزلہ عقائد کی چھاپ نظر آتی ہے۔

المختصر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو حُسنِ قبول سے نوازا ہے اور علماء نے اس کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا ہے اور اس پر حاشیے تحریر کیے ہیں۔ بعض نے مکمل کتاب پر حاشیے لکھے ہیں اور بعض نے اس کے کچھ حصہ پر۔ اس کے حواشی کی تعداد چالیس سے زائد ہے۔ بہر حال اس کو امہات کتب تفسیر میں شمار کیا جاتا ہے اور جو شخص قرآن کریم کے اسرار و معانی اور مطالب و مفاہیم سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ اِس تفسیر سے استفادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۳۔ مفاتیح الغیب از رازیؒ

تعارف مؤلف

اسم گرامی محمد بن عمر بن حسین کنیت ابوعبداللہ نسبت رازیؒ اور لقب فخر الدین ہے۔ آپ ''ابن الخطیب'' اور ''رازی'' کے نام سے زیادہ معروف ہیں۔ ۵۴۴ ہجری کو مقام ''رے'' میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے ''رازی'' کہلائے۔ آپ جید عالم اور ذخیرہ علم تھے۔ علم تفسیر، علم کلام، علوم عقلیہ اور علم لغت میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ طلباء و علماء دونوں دور دراز سے سفر کر کے آپ سے استفادہ کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔

آپ کے والد مکرم ضیاء الدین بھی فقہ اور دوسرے دینی علوم کے بہت بڑے عالم تھے اور ''رے'' کے بہت بڑے خطیب مانے جاتے تھے۔ درس و تدریس کے پیشے سے منسلک تھے۔ اس وجہ سے فخر الدین رازی نے اپنے والد سے بھی حصول علم میں استفادہ کیا۔

خطیب مصر:

فخر الدین رازی نے علم تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، طب، طبیعات، منطق اور علم ریاضی میں خوب مہارت حاصل کی تھی۔ آپ اپنے والد کی طرح خود بھی عربی اور فارسی کے لاثانی خطیب تھے۔ وعظ کی حالت میں آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور آپ اکثر رونے لگتے تھے۔

Marfat.com

احساس وقت:

امام رازی تحصیل علم وحکمت کے متعلق اس قدر حساس تھے کہ فرماتے روٹی کھانے میں جو وقت صرف ہوتا ہے مجھے اس پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی تحصیل علم میں ہی گزرنا چاہیے۔

اعتراف سلاطین:

انھوں نے اپنے علم وفضل کی بنیاد پر بہت شہرت حاصل کی۔ایک مرتبہ امام رازیؒ بامیان سے ہرات گئے تو سلطان ہرات حسین خرمین نے ان کا بے حد اکرام کیا۔رازیؒ اپنے قیام ہرات کے دوران جہاں بھی کوئی خطبہ دیتے تو بادشاہ خود اس میں شریک ہوتا تھا۔سلطان خوارزم شاہ کے بھی رازیؒ سے دوستانہ مراسم تھے۔

شوق دیدار الٰہی:

آخری عمر میں رازی کہا کرتے کہ جو علوم میسر ہیں اور جن کو انسان آسانی سے حاصل کر سکتا ہے وہ تو میں نے حاصل کر لیے ہیں۔اب مجھے دیدار خداوندی کا بے حد شوق ہے۔ان دنوں آپ بہت زیادہ فکر آخرت میں محو رہنے لگے اور زندگی پر اسے ترجیح دینے لگے۔

وفات:

رازیؒ نے ۶۰۶ ہجری میں وفات پائی اور ان کے گھر ہی میں دفن کیا گیا۔بعض مورخین کا کہنا ہے کہ رازیؒ کی زندگی کے کسی گوشے میں الحاد بھی پایا جاتا تھا۔اس لیے ان کی وفات کے بعد، اس خوف سے کہ کہیں لوگ ان کی نعش کو خراب نہ کر دیں گھر میں ہی دفن کیا گیا۔بعض مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ فرقہ کرامیہ اور آپ کے درمیان عرصے سے تعصب ونزاع پایا جاتا تھا۔ان پر جھوٹ اور کفر کا نظریہ رکھتے تھے۔اس لیے انھوں نے آپ کو زہر دے دیا تھا۔

تصانیف:

امام رازیؒ نے مختلف علوم میں لازوال تصانیف کا ایک ذخیرہ چھوڑا ہے۔جو کہ ہر دور اور ہر بلاد و دیار میں علماء کی خاص توجہات کا مرکز رہا ہے۔ان میں سے چند اہم تصانیف کے نام اس طرح ہیں۔

Marfat.com

۱۔ مفاتیح الغیب (تفسیر القرآن)
۲۔ تفسیر سورۃ فاتحہ (تفسیر کبیر کی جلد اول یہی ہے)
۳۔ المطالب العالیہ (علم الکلام)
۴۔ یہ کتاب البیان والبرھان
۵۔ المحصول فی اصول فقہ
۶۔ الملخص
۷۔ شرح اشارات بوعلی سینا
۸۔ شرح عیون الحکمۃ
۹۔ السر المکنون
۱۰۔ شرح المفصل
۱۱۔ شرح الوجیز فی الفقہ
۱۲۔ کتاب النبض (طب)
۱۳۔ حدائق الانوار فی حقائق الاسرار (طب و ریاضی)
۱۴۔ کتاب فی الھندسہ (ریاضی)
۱۵۔ سراج القلوب
۱۶۔ عصمت انبیاء

تعارف تفسیر: مفاتیح الغیب

رازیؒ کی تصانیف میں سے سب سے اہم اور باکمال تصنیف ''مفاتیح الغیب'' ہے۔ یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل عربی زبان میں امام رازیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ امام رازیؒ تفسیر کو ابھی صرف سورۃ الانبیاء تک لکھ پائے تھے کہ موت کا بلاوا آ گیا۔ اس کے بعد شیخ شہاب الدین خلیل دمشقویؒ نے اس کا تکملہ لکھنا شروع کیا مگر وہ بھی اسے مکمل نہ کر سکے۔ پھر باقی حصہ احمد بن محمد ابوالحزم مکی نجم الدین مخزومی مصریؒ نے تحریر کیا۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ تفسیر زیر تبصرہ کا قاری ہرگز یہ محسوس نہیں کرتا کہ یہ تفسیر ایک سے زیادہ افراد نے لکھی ہے کیوں کہ پوری کتاب میں اسلوب نگارش قطعاً بدلنے نہیں پاتا۔ یہ کہیں بھی محسوس نہیں ہوتا کہ امام رازیؒ نے تفسیر کو کہاں تک لکھا اور دوسرے افراد نے کہاں سے شروع کیا۔

خصوصیات

۱۔ ربط آیات و سور:

تفسیر میں امام رازیؒ نے یہ بات خوب واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ آیات کے درمیان باہم کیا ربط و تعلق پایا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ اس سورت کے نقطہ اختتام کی دوسری سورت کے آغاز کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔ بعض اوقات تو امام رازیؒ مناسبت اور ربط و تعلق آیات کے لحاظ سے ایک

Marfat.com

سے زیادہ بھی توجیہات پیش کرتے ہیں۔

۲۔ ریاضی اور فلسفہ:

مفاتیح الغیب میں امام رازیؒ آیات کی تفسیر کے دوران ریاضی، علوم فلسفہ اور دیگر علوم جدید کا بھی ذِکر کرتے ہیں۔ علم الافلاک کے بارے میں تو ان کے ہاں اکثر ذکر ملتا ہے۔ الٰہیات کی بحث کے دوران انھوں نے خوب فلسفیانہ رنگ اختیار کیا ہے۔ مگر بعض اوقات وہ فلاسفہ کے اقوال پر تنقید بھی کرتے ہیں۔

۳۔ معتزلی افکار پر تنقید:

امام رازیؒ تفسیر میں معتزلی افکار پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ آیات کی تفسیر کے دوران وہ معتزلہ کے عقائد و نظریات کا حوالہ دے کر بعد میں ان کی خوب چھان پھٹک کرتے ہیں۔

۴۔ نحو و بلاغت اور فقہ:

آیات الاحکام کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی فقہا کے مذاہب بیان کرتے ہیں۔ امام شافعی کے مسلک کی تائید و حمایت میں بکثرت براہین و دلائل ذکر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ علم الاصول نحو و بلاغت سے متعلق بھی ذکر کرتے ہیں۔

۵۔ تفسیر بالرائے:

مفاتیح الغیب تفسیر بالرائے کے حوالے سے ایک نمائندہ تفسیر معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس میں جا بجا امام رازیؒ نے اپنی عقل و فہم کے مطابق تشریحات و تفسیرات کی ہیں اور اپنی ذاتی رائے اور قیاس کو خوب دخل دیا ہے۔

تفسیر کے متعلق علماء کے تنقیدی اقوال

۱۔ ابن خلکان لکھتے ہیں۔

"امام رازی نے اس تفسیر میں ہر انوکھی بات جمع کر دی ہے۔"

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں۔

Marfat.com

''امام رازیؒ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ مخالفین کے شدید اعتراضات نقل کرتے ہیں مگران کا شافی جواب نہیں دیتے۔''

۳۔ نجم الدین الطوفی اپنی کتاب اکسیر فی علم التفسیر میں لکھتے ہیں کہ

''میں نے قرطبیؒ اور رازیؒ کی تفسیر سے بڑھ کر تفسیری اقوال کی جامع کوئی کتاب نہیں دیکھی مگر رازی کی کتاب میں عیوب ونقائص بھی پائے جاتے ہیں۔''

۴۔ حاجی خلیفہ رقم طراز ہیں۔

''امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کو حکماء فلاسفہ کے اقوال کا پلندہ بنا دیا ہے۔ وہ تفسیر سے اس قدر دور نکل گئے کہ قاری اس کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔''

۵۔ ابوحیان لکھتے ہیں:

''امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بے شمار غیر ضروری باتوں کو یکجا کر دیا ہے اس لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس تفسیر میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے۔''

۴۔ احکام القرآن از ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ

تعارف مؤلف

تفسیر احکام القرآن کے مؤلف کا نام احمد اور کنیت ابوبکرؒ ہے۔ والد گرامی کا نام علی رازیؒ ہے اور جصاص (چونا ساز) کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ ۳۰۵ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ معتزلہ کے نظریات سے بھی کچھ کچھ متاثر تھے۔ آپ نے ابوالحسن کرخیؒ اور دیگر محدثین فقہا سے تحصیل علم کی سعادت حاصل کی اور خود بھی درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ہو گئے۔ آپ باقاعدہ مفسر، محدث اور جید فقیہہ تھے۔

تصانیف

احمد بن علی رازی ابوبکر جصاصؒ نے صرف زبان وکلام سے ہی علم کی خدمت نہیں کی بلکہ

Marfat.com

اپنے عمل اور تحریر سے بھی تشنگان علم کے لیے مستقل وراثت چھوڑی ہے اور دین کے موضوعات پر اپنی نادر تصانیف کا ذخیرہ آئندہ نسلوں کو منتقل کیا ہے مثلاً

۱۔ اصول فقہ　　　۲۔ ادب القضاء

۳۔ شرح مختصر الکرخی　　　۴۔ شرح مختصر الطحاوی

۵۔ شرح الجامع الصغیر محمد بن حسن شیبانی

تعارف تفسیر: احکام القرآن

تفسیر احکام القرآن از جصاص کا شمار فقہی کتابوں کے اولین اور بنیادی ماخذ میں ہوتا ہے۔ فقہ حنفی کے رجحان پر پورے قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ البتہ جن آیات سے فقہی احکام کے سوتے پھوٹتے ہیں ان پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

اسلوب نگارش ومباحث

الجصاص دوسرے مفسرین کی طرح قرآن مجید کی آیت وار تفسیر نہیں کرتے۔ بلکہ جو موضوع ان کے زیر بحث آیا ہے اس سے بالواسطہ تعلق رکھنے والی جتنی بھی آیات ہیں وہ ان سب کی ایک ہی جگہ تفسیر کر دیتے ہیں۔ فقہی مسائل کی مباحث میں مختلف فقہاء کی آراء کا بھی بیان کرتے ہیں۔ قرآں کی وہ آیات جن کا مفہوم بظاہر غیر واضح معلوم ہوتا ہے اور ان سے ایسے معنی مراد لیے جاتے ہیں جو توہمات کے حامل ہیں، الجصاص نے ان کی تفسیر عربی شاعری اور عربی محاورات کی روشنی میں کی ہے اور اس کی تائید میں قرآن کی بعض دوسری آیات اور رسول اللہ ﷺ کی بعض احادیث کے حوالے بھی دیے ہیں۔

الجصاص اس تفسیر میں صحیح معنوں میں ایک مفکر ہیں۔ لہٰذا کسی ایسی بات کو تسلیم نہیں کرتے جو عقلی اور تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔ وہ حنفی مسلک کے فقیہ تھے اور حنفی ہونے کی وجہ سے بعض اوقات اپنی تفسیر میں حنفی شارح محسوس ہوتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض اوقات وہ حنفی مسلک کے دفاع میں دلائل و براہین سے مسلح ایک سپاہی نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر اہل علم میں آپ کی تفسیر کا پایہ بہت بلند ہے۔

Marfat.com

اجتہاد

مفسر نے اس تفسیر میں فقہی مسائل بیان کرتے وقت ابو حنیفہؒ کے مسلک کو ترجیح دے کر اجتہاد کے ذریعے اپنی ذاتی رائے اور قیاس کو بھی بیان کیا ہے۔

اعتراضات

☆ علامہ جصاص کی تفسیر احکام القرآن پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جصاص حنفی مسلک کی مدح سرائی میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ آیات کی تشریح و توضیحات میں ایسی ایسی تاویلات سے کام لیا ہے کہ ہر آیت کو اپنے مسلک پر منطبق کرنے کی کوشش محسوس ہوتی ہے۔

☆ جصاص نے دوسرے مسالک کی اس انداز میں نفی کی ہے کہ وہ تنقید نہیں بلکہ مخالفانہ حملے محسوس ہوتے ہیں۔

☆ جصاص اگرچہ حنفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں مگر معتزلہ عقائد سے بھی کچھ زیادہ ہی متاثر لگتے ہیں۔

☆ وہ حنفی مسلک رکھنے کے باوجود حضرت امیر معاویہؓ کے مخالف نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس نے بھی حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا وہ باغی ہے۔

۵۔ مجمع البیان از طبرسی

تعارف مؤلف

تفسیر مجمع البیان کے مؤلف ابو علی فضل بن حسن طبرسی مشہدی شیعہ مکتبہ فکر کے بہت بڑے عالم دین ہیں۔ آپ کا شمار شیعہ مسلک کے بلند پایہ مفسرین محدثین اور فقہا میں ہوتا ہے۔ آپ کے خاندان میں صرف آپ خود ہی نہیں بلکہ آپ کا بیٹا رضی الدین ابو نصر حسن بن فضل اور ان کا دختر زادہ ابو الفضل علی بن حسن اور دیگر اقارب شیعہ مکتبہ فکر کے اکابر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں آپ کے بیٹے کے علاوہ شیخ منتخب الدین اور قطب راوندی جیسے علماء و فضلاء بھی شامل ہیں۔ علامہ طبرسی نے شیخ ابو علی بن شیخ طوسی سے کسب فیض کیا۔

Marfat.com

تصانیف

مجمع البیان تفسیر کے علاوہ علامہ طبرسی کی مندرجہ ذیل مشہور تصانیف ہیں۔

۱۔ الوسیط فی التفسیر ۲۔ الوجیز فی التفسیر

۳۔ اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ ۴۔ تاج الموالید والاداب الدینیہ

۵۔ اللمعتہ الرشقی مبحث الرضاع (رضاعت کے مسئلہ پر)

تعارف تفسیر: مجمع البیان

مجمع البیان العلوم القرآن شیعہ مسلک کی بہت بلند پایہ تفسیر ہے۔ یہ تفسیر ۵۳۴ ہجری بمطابق ۱۱۳۹عیسوی میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ علماء نے اس تفسیر کو امامیہ اثناءعشریہ میں شمار کیا ہے۔

انداز تفسیر

تفسیر میں متن قرآن درج کرتے وقت ہر سورت کے شروع میں بتادیا گیا ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی ہر سورت کی آیات کی تعداد بھی لکھی گئی ہے۔ اگر کسی سورت کی آیات کے شمار میں اختلاف ہے تو اس کی وضاحت بھی کردی گئی ہے۔ پھر الفاظ اور اعراب کے متعلق نحوی بحث کی گئی ہے۔ جہاں جہاں قرأت کا اختلاف ہے اس کی بھی نشان دہی کردی گئی ہے۔ ہر سورت کا سبب نزول بھی بیان کیا گیا ہے۔ جہاں احکام کی آیات ہیں وہاں بحث کا انداز فقہی ہے اور شیعہ فقہ کو فوقیت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورتوں اور آیات کے درمیان ربط بھی بیان کیا گیا ہے۔

سبب تالیف کے بارے میں مبینہ عجیب وغریب واقعہ

تفسیر مجمع البیان کے سبب تالیف سے متعلق ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں میں مشہور ہے کہ علامہ طبرسی پر ایک مرتبہ سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ آپ وفات پا گئے ہیں۔ چنانچہ آپ کو غسل دے کر تکفین وتدفین کے فرائض بھی سرانجام دے دیے گئے۔ دفن ہونے کے بعد آپ کو ہوش آ گیا۔ دیکھا کہ قبر میں بند ہیں اور باہر نکلنے کے سب راستے مسدود ہیں۔ وہیں پر آپ نے نذر مانی کہ اگر مجھے اس اذیت سے نجات مل جائے تو میں قرآن کریم کی تفسیر مرتب کروں گا۔

Marfat.com

بیان کیا جاتا ہے کہ اسی دوران ایک کفن چور نے آکر قبر کھودی۔ شیخ طبرسی نے چور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کفن چور یہ دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ جب طبرسی بولنے لگے تو کفن چور کی حیرانی کی حد نہ رہی۔ شیخ طبرسی نے کہا۔ گھبراؤ نہیں میں زندہ ہوں، مجھ پر غشی ہو گئی تھی اور لوگوں نے مجھے مردہ سمجھ کر دفن کر دیا۔ چونکہ کمزوری کی وجہ سے شیخ طبرسی چلنے سے معذور تھے اس لیے کفن چور نے آپ کو کندھے پر سوار کیا اور آپ کو گھر لے آیا۔ آپ نے اس کو انعام واکرام سے نوازا۔ کفن چور نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ کام چھوڑ دیا پھر آپ نے نذر پوری کی اور یہ تفسیر لکھی۔

طبرسی کی تفسیر میں سات فنون

مجمع البیان کے مقدمہ میں علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر کا آغاز کرنے سے قبل چند معروضات تحریر کرنا چاہتا ہوں جن سے واقفیت از بس ضروری ہے۔ یہ دراصل سات فنون ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ فن اول قرآنی آیات کی تعداد سے متعلق ہے۔ نیز یہ کہ ان کی تعداد معلوم کرنے سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسرے فن میں مشہور ترین قرأتوں اور ان کے راویوں کے نام ذکر کیے جائیں گے۔

۳۔ تیسرے فن میں تفسیر وتاویل اور معانی سے بحث کی جائے گی نیز یہ کہ تفسیر بالرائے کی حرمت واباحت سے متعلق جو آثار وارد ہوئے ہیں ان کے مابین جمع وتطبیق کی صورت کیا ہے۔

۴۔ چوتھا فن قرآن حکیم کے اسماء اور ان کے معانی سے متعلق ہے۔

۵۔ پانچویں فن میں اعجاز القرآن اور اس سے متعلق مصنفہ کتب کا ذکر کیا جائے گا۔

۶۔ چھٹے فن میں ان احادیث کو زیر بحث لایا گیا ہے جو قرآن اور حاملین قرآن کے فضائل کے سلسلہ میں وارد ہوتی ہیں۔

۷۔ ساتویں فن میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآنی الفاظ کو تجوید وترتیل کے ساتھ کیسے ادا کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

مجمع البیان میں شیعہ مسلک کے چند نمونے

امامت علیؑ

چونکہ طبرسی حضرت علیؑ کی امامت اور آنحضور ﷺ کے بعد خلافت بلافصل پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ تفسیر میں اس بات کی ہر ممکن سعی کرتے ہیں کہ قرآن وسنت کی روشنی میں حضرت علیؑ کی امامت وخلافت بلافصل کو ثابت کیا جائے۔ طبرسی کی یہ کوشش اپنی جگہ مگر دوسرے اکابر علماء نے ان کے دلائل سے کھل کر اختلاف بھی کیا ہے۔

عصمت آئمہ

طبرسی اپنی تفسیر میں عصمت آئمہ کے ضمن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل بیعت میں نبی کریم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے سوا اور کوئی شخص شامل نہیں ہے اور اپنے اس موقف کے ساتھ طبرسی یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ ائمہ اہل بیعت عصمت کے لحاظ سے بالکل انبیاء کی طرح ہیں۔

مہدی

طبرسی کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی پوشیدہ ہیں اور قیامت کے قریب ان کا اظہار ہوگا۔ اس کے ثبوت میں وہ قرآن مجید میں سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ''یومنون بالغیب'' سے استشہاد کرتے ہیں۔ الغیب کی تاویل سے متعلق مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن مسعودؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کے نزدیک اس سے مراد وہ چیز ہے جس کا بندوں کو علم نہ ہو۔ طبرسی کہتے ہیں کہ یہ تفسیر صحیح تر ہے اس لیے کہ اس میں امام مہدی کی غیوبت اور ان کے خروج وظہور کا زمانہ بھی داخل ہے۔ ؎

تقیہ

طبرسی اپنے عقیدے میں تقیہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنی تفسیر میں جابجا اس کو ثابت کرنے

Marfat.com

کی کوشش کرتے ہیں مثلاً قرآن حکیم میں ہے۔

لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین و من یفعل ذالك فلیس من الله فی شی الا ان تتقو منهم تقاة

(سورۃ آل عمران۔۲۸)

اہل ایمان مومنوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرے اللہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے مگر یہ کہ بچاؤ حاصل کرنا چاہو۔

طبرسی مجمع البیان میں اس آیت کے الفاظ ان تتقو منهم تقاة کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر کفار غالب اور مومن مغلوب ہوں اور ایک مومن اس بات سے خائف ہو کہ اگر کفار کی موافقت نہیں کروں گا تو مجھے جان سے مار ڈالا جائے گا تو اندریں صورت تقیہ کے طور پر وہ زبان کے ساتھ ان کی موافقت کر سکتا ہے مگر دل سے اس بات کا اعتقاد نہیں رکھ سکتا۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جان کے خطرہ کے وقت تقیہ دین میں جائز ہے۔ ہمارے شیعہ اصحاب کا خیال ہے کہ ضرورت کے وقت تقیہ تمام حالات میں جائز ہے۔ بعض اوقات تقیہ واجب بھی ہوتا ہے۔ البتہ مومن کو قتل کرنے اور فساد فی الدین میں تقیہ جائز نہیں ہے۔

پاؤں پر مسح

دیگر شیعہ علماء کی طرح طبرسی کا زاویہ نگاہ بھی یہی ہے کہ وضو کرتے وقت پاؤں پر مسح کافی ہے، انہیں دھونا ضروری نہیں۔

اہل کتاب عورتوں سے نکاح

طبرسی اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز نہیں سمجھتے۔

ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن (سورۃ البقرہ۔۲۲۱)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

مذکورہ آیت کے مفردات لغت، اعراب اور سبب نزول پر بحث کرنے کے بعد مؤلف

Marfat.com

لکھتے ہیں۔

''اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مشرک اور کافر عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یہ آیت ہمارے نزدیک عام ہے ہر قسم کی کافر عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے وہ اہل کتاب ہوں یا دیگر کفار میں سے۔ ہمارے خیال کے مطابق یہ آیت نہ مخصوص ہے نہ منسوخ۔ اس آیت کے بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اہل کتاب کو مشرک نہیں کہہ سکتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں اہل کتاب اور مشرکین کا الگ الگ ذکر ہے۔''[لے]

طبرسی اور تفسیر طبرسی کے بارے میں علماء کی آراء

☆ علامہ طبرسی کے بارے میں مجالس المومنین کے مصنف رقم طراز ہیں کہ:

''ابو علی فصل بن حسن طبرسی عظیم مفسر تھے۔ آپ کی تفسیر مجمع البیان اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ طبرسی علوم وفنون کے جامع عالم تھے۔''

☆ طبرسی کے شاگرد منتخب الدین لکھتے ہیں:

''میرے استاد طبرسی فاضل عالم، دین دار اور نمایاں شخصیت ہونے کے ساتھ کثیر التصانیف تھے۔''

☆ محمد ذہبی لکھتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ طبرسی کی تفسیر اپنے فن میں ایک عظیم الشان کتاب ہے جو علم و معرفت کے مختلف فنون میں صاحب تفسیر کے علمی مقام و مرتبہ کی دلالت کرتی ہے''۔

☆ علامہ غلام احمد حریری لکھتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ اگر شیعی و معتزلی افکار و اعتقادات سے صرف نظر کر دیا جائے تو بلاشبہ یہ ایک عظیم کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مولف مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مؤلف

Marfat.com

نے مقدمہ میں جو طریق تفسیر واضح کیا تھا کتاب بالکل اسی کے مطابق ہے۔اس کی ترتیب وتہذیب نہایت حسین و دلکش ہے۔مؤلف نے جس بھی علمی مسئلہ پر گفتگو کی ہے اس میں اپنی پوری مہارت اور برتری کا ثبوت دیا ہے۔مثلاً تجوید وقرأت مفردات کے لغوی معنی اور وجوہ اعراب، اسباب نزول، قصص و واقعات، فقہی مذاہب ، ربط آیات، مشکلاتِ قرآن غرض یہ کہ جس پہلو پر بھی گفتگو کی ہے بہت عمدہ کی ہے اور اس میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔''

خلاصہ کلام

مؤلف نے سابقہ مفسرین کے اقوال کو ان کی جانب منسوب کر کے نقل کیا ہے۔ان میں سے اپنے پسندیدہ اقوال کو ترجیح دی ہے۔اگر اس میں کوئی حرف گیری کی جاسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ شیعہ مسلک کے اعتقادات کے اثبات میں بہت زیادہ زور کلام سے کام لیا گیا ہے۔قرآنی نصوص اور آیات کو اپنے مسلک سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔آیات الاحکام کو اپنے اجتہادات کے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس میں موضوع روایات بھی منقول ہیں لیکن اس سب کے باوجود خلاصہ کلام یہ ہے کہ طبرسی شیعیت میں متعصب نہیں بلکہ معتدل ہیں۔ ان کی تفسیر میں کسی جگہ بھی کسی صحابی پر نہ تو تکفیر کی گئی ہے اور نہ کسی پر طعن کی گئی ہے۔طبرسی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ تو الوہیت کے مقام پر فائز کرتے ہیں، نہ ان کو نبی یا رسول مانتے ہیں لیکن ان کو معصوم ضرور قرار دیتے ہیں۔اس میں شبہ نہیں کہ تفسیر میں انھوں نے اپنے مذہب ومسلک کا خوب دفاع کیا ہے مگر کسی کا ابطال بھی نہیں کیا۔

المختصر تفسیر مجمع البیان حسن ترتیب، اسلوب نگارش اور زور بیان کے لحاظ سے شاندار جامع ہے اور بہت حد تک غلو اور مبالغے سے پاک ہے۔

۶۔روح المعانی از آلوسیؒ

تعارف مؤلف

علامہ آلوسی کا پورا نام سید محمد آفندی کنیت ابو الثناء لقب شہاب الدین اور نسبت آلوسی

Marfat.com

بغدادی ہے۔ آلوس ایک گاؤں کا نام ہے جو ملک شام اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ اس سے نسبت کے باعث آپ آلوسی کہلاتے ہیں۔ ۱۲۱۷ ہجری بمطابق ۱۸۰۳ء میں آلوس میں آپ بغداد کے ایک محلہ کرخ میں پیدا ہوئے۔

علمی مرتبہ و مقام

علامہ آلوسیؒ اپنے زمانے میں علمائے عراق کے سرخیل اور منقولات کے جامع عالم اور عدیم المثال محدث ومفسر تھے۔ اکابر علماء سے کسب فیض کیا۔ اور ہر وقت اسی فکر میں غلطیاں و پیچاں رہے کہ کسی نہ کسی طرح زندگی کے ہر لمحے میں اضافہ علم ہوتا رہے۔ ابھی تیرہ سال کی عمر تھی کہ تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ تعلیم و تعلم کو اپنایا اور مختلف مدارس میں تعلیم و تدریس کا آغاز کیا اور وہاں دور و نزدیک کے طالب علم آپ کے چشمۂ علمی سے سیراب ہونے کے لیے آنے لگے۔ آپ طلباء کو نہ صرف زیور تعلیم سے آراستہ کرتے بلکہ ان کو کھانا بھی کھلاتے اور اپنے گھر میں قیام بھی دیتے۔ نثر نویسی اور قوت تحریر میں آپ منفرد مقام رکھتے تھے اور اس مقام اور اکرام کے نتیجے میں آپ نے بہت سی کتب و رسائل اور فتاویٰ و مسائل پر اپنے زور قلم کو کام پر لگایا۔ اپنے حافظے کے بارے میں کہا کرتے ”میں نے اپنے ذہن کو کوئی ایسی امانت سپرد نہیں کی جس میں میرے ذہن نے خیانت سے کام لیا ہو اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ اپنی قوت فکر و تدبر کو کسی مشکل کے حل کے لیے بلایا اور اس نے میری عقدہ کشائی نہ کی ہو۔“

۱۲۸۴ ہجری میں آپ کو مفتی مقرر کیا گیا۔ اس سے چند ہی ماہ پہلے آپ کو مدرسہ مرجانیہ اوقاف کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ منصب اس وقت شہر کے سب سے بڑے عالم کے لیے مخصوص تھا۔ ۱۲۶۳ ہجری میں افتاء کے منصب سے الگ ہو کر تفسیر قرآن کی تالیف میں لگ گئے۔ ۱۲۶۷ ہجری میں عازم قسطنطنیہ ہوئے اور اپنی تفسیر سلطان عبدالمجید خان کو پیش کی، جسے سلطان نے بہت پسند کیا۔

آپ مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے۔ لیکن بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے۔ عمر کے آخری حصہ میں آپ کا میلان اجتہاد کی طرف ہو گیا۔ آپ نے بہت سی یادگار

Marfat.com

تصانیف چھوڑیں جن میں تفسیر روح المعانی سر فہرست ہے۔

دوسری تصانیف

۱۔ حاشیہ الفطر (آپ نے یہ حاشیہ نوجوانی میں شروع کیا تھا لیکن زندگی میں مکمل نہ ہوا اس لیے آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے سید نعمان آلوسیؒ نے اس کو مکمل کیا)

۲۔ شرح المسلم فی المنطق

۳۔ الاجوبۃ العراقیہ

۴۔ درہ الغواص فی ادھام الخواص

۵۔ النفحات القدسیہ فی المباحث الامامیہ

۶۔ الفوائد السنیۃ فی آداب البحث

وفات

علامہ آلوسیؒ نے بروز جمعۃ المبارک ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۷۰ ہجری میں وفات پائی اور محلہ کرخ میں شیخ معروف کرخیؒ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

تعارف تفسیر: روح المعانی

تفسیر روح المعانی کا پورا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" ہے۔ تفسیر کے ابتدائی تعارف کے حوالے سے علامہ آلوسیؒ خود اس کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ "میں نے اس کا آغاز ۱۶ شعبان ۱۲۵۲ ہجری کو بوقت شب کیا اس وقت میری عمر چونتیس برس تھی۔ یہ سلطان محمود خان بن سلطان عبدالحمید خان کے عہد سلطنت کی بات ہے۔ تفسیر کا اختتام منگل کی شب ۴ ربیع الآخر ۱۲۶۷ ہجری کو ہوا۔ پھر میں نے اس کے نام کے بارے میں سوچنا شروع کیا مگر کوئی پسندیدہ نام ذہن میں نہیں آیا۔ میں نے وزیر اعظم علی رضا پاشا کے سامنے اس مشکل کا اظہار کیا تو انھوں نے فی الفور اس کا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" تجویز کیا۔"

استفادہ

اس تفسیر کی تالیف و تدوین میں علامہ آلوسیؒ نے تفسیر ابن عطیہ، ابو حیان، ابو المسعود،

Marfat.com

بیضاوی، رازی، کشاف اور دیگر معتبر کتب تفسیر سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور ان کے اقتباسات نقل کیے ہیں اور بعض اوقات ان اقتباسات و روایات پر بحث بھی کی ہے۔

زبان وضخامت

یہ تفسیر عربی زبان میں دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ علماء کے لیے ایک نادر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دس جلدوں نادر علمی مباحث اور الفاظ کی صورت میں تحقیقات کے خزانے جمع ہیں۔

تحریری معمولات

علماء بیان کرتے ہیں کہ علامہ آلوسی کا سارا دن افتاء و تدریس کے لئے وقف تھا۔ آغاز شب اپنے اصحاب تلامذہ کو مستفید کرتے۔ آخر شب میں تفسیر کے چند اوراق تحریر کرتے اور صبح کے وقت وہ اوراق کاتبوں کے حوالے کر دیتے جو انھوں نے اس مقصد کی خاطر مقرر کر رکھے تھے۔

سبب تفسیر

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی کا سبب تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''جمعہ کی شب میں نے ایک خواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین و آسمان کو لپیٹنے اور ان کے طول و عرض کی علیحدگی کو متصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں نے اپنا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اور دوسرا پانی کے مستقر کی طرف بڑھایا۔ اسی حالت میں بیدار ہو گیا۔ میں نے اس خواب کی تعبیر کے بارے میں غور و خوض کیا تو یہ نتیجہ نکلا کہ یہ مجھے قرآن حکیم کی تفسیر کی تالیف کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس کے فوری بعد میں نے یہ تفسیر لکھنی شروع کر دی۔

عمومی انداز تفسیر

مؤلف نے تفسیر ہذا کو روایتاً درایتاً اقوال سلف کی ایک جامع کتاب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اگر اس تفسیر کو سابقہ کتب تفسیر کا خلاصہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ لیکن علامہ آلوسی تفسیر میں سلف کے اقتباسات کو صرف اسی حالت میں جوں کا توں قبول نہیں کرتے بلکہ ان پر محاکمہ اور مباحثہ بھی کرتے ہیں اور آزادانہ اپنی رائے کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

مؤلف چونکہ سلفی المشرب اور سنی العقیدہ تھے اس لیے معتزلہ اور دیگر فرقوں کے نظریات

Marfat.com

واعتقادات کا ابطال بھی کرتے ہیں۔ وہ فلکیات کے سلسلہ میں کھل کر بات کرتے ہیں۔ علماء ہئیت وحکمت کا کلام نقل کر کے بعض جگہ اس کو قبول کرتے ہیں اور گاہے اس کی تردید کرتے ہیں۔ نحوی مسائل میں اس قدر دلچسپی ہے کہ وہاں وعلامہ آلوسیؒ مفسر کی بجائے نحوی استاد نظر آتے ہیں۔ آیات الاحکام کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسیؒ ایک جید فقیہہ محسوس ہوتے ہیں اور دوسرے فقہا کے مذاہب ودلائل بیان کرتے ہوئے کسی کی طرف داری نہیں کرتے۔

تفسیر پر تبصرہ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ علامہ آلوسی اسرائیلیات اور جھوٹے قسم کے واقعات کو شدید نقد وجرح کا نشانہ بناتے ہیں۔

آپ تفسیر میں مختلف وجوہ قرأت کا بھی ذکر کرتے ہیں مگر اس میں قرأت متواتر کا التزام نہیں رکھتے۔ بخلاف ازیں وہ ہر قسم کی قرأت بیان کرنے میں باک نہیں رکھتے ایک قرأت کا ظاہری معنی بیان کرنے کے بعد مؤلف ان کے باطنی اور صوفیانہ معنی پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ اس لیے بعض علماء نے روح المعانی اور نیشاپوری کی تفسیر کو صوفیا کی کتب میں شمار کیا ہے۔ مگر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ علامہ آلوسیؒ کا مقصد صوفیانہ تفسیر لکھنا نہیں تھا۔

۷۔ تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی

تعارف مؤلف

تفسیر مظہری کے مؤلف قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہریؒ اٹھارویں صدی کے جید اور قابل ترین علماء میں سے ایک ہیں۔ شہرہ آفاق مفسر قرآن ہیں۔ آپ کا اصل نام قاضی ثناء اللہ ہے۔ ۱۱۴۳ ہجری بمطابق ۳۱۔۱۷۳۰ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے پانی پتی کہلائے۔ آپ حضرت عثمان بن عفانؓ کی نسل میں سے ہیں اسی لیے عثمانی کہلائے۔ اپنے استاد مظہر جان جاناںؒ سے بے حد انسیت اور تعلق تھا اس لیے مظہری کہلوائے۔ آپ کی شخصیت کے ساتھ ایک بہت بڑا اعزاز وابستہ ہے کہ آپ نے صرف سات برس کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کر لیا تھا۔ اس کے بعد دوسرے علوم دینیہ کے حصول کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ دہلی میں رہ کر انہی کے زیر سایہ فقہ وحدیث اور تفسیر کا علم حاصل کیا۔ اس

Marfat.com

کے ساتھ حافظ محمد عابد لاہوری، سنامی اور احمد نقشبندی سے علم طریقت حاصل کیا۔ جوانی میں مرزا مظہر جان جاناںؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرصہ دراز تک فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔ تحصیل علم کے بعد عمر بھر تصنیف و تالیف، اشاعت دین اور فتاویٰ میں اپنی اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔ اپنی انہی گراں قدر علمی خدمات کے پیش نظر آپ کے استاد حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا قول ہے کہ ''اگر اللہ نے قیامت کے روز مجھ سے دریافت فرمایا کہ ہمارے دربار میں کیا تحفہ لائے ہو تو میں عرض کروں گا کہ ثناء اللہ پانی پتی کو لایا ہوں۔''

تصانیف

۱۔ السیف المسلول
۲۔ حرمت غنا
۳۔ رسالہ در عشر و خراج
۴۔ تذکرۃ المعاد
۵۔ شہاب ثاقب
۶۔ رسالہ نج روزی
۷۔ وصیت نامہ
۸۔ رسالہ حرمت متعہ
۹۔ رسالہ اسماء و وحدت الوجود
۱۰۔ ارشاد الطالبین
۱۱۔ تذکرۃ الموتی والقبور
۱۲۔ حقوق اسلام
۱۳۔ رد مذہب شیعہ
۱۴۔ مالا بدمنہ
۱۵۔ کتاب مبسوط
۱۶۔ حقوق الاسلام
۱۷۔ تفسیر مظہری

تعارف تفسیر

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی مشہور و معروف تصانیف میں سرفہرست ان کی ''تفسیر مظہری'' ہے۔ یہ عربی زبان میں سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ تفسیر جناب قاضی نے اپنے مرشد مظہر جان جاناں کی وفات کے بعد لکھنا شروع کی تھی۔ اس لیے اس کا نام تفسیر مظہری رکھا۔ موجودہ دور میں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ بہت سے علماء کرام علمی مسائل کے حل کے لیے تفسیر مظہری کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

Marfat.com

تفسیر کے بارے میں علماء کی رائے

مولانا محمد تقی عثمانی تفسیر مظہری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''یہ تفسیر بہت سادہ اور واضح پیرائے میں ہے۔ اختصار کے ساتھ آیات قرآنی کی تشریح معلوم کرنے کے لیے بہت مفید ہے۔ انھوں نے الفاظ قرآن کی تشریح کے ساتھ ساتھ روایات کو بھی کافی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں زیادہ چھان پھٹک کر کے روایات لینے کی کوشش کی ہے۔

خصوصیات

☆ اپنی تفسیر میں مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ نے محدثانہ اسلوب زیادہ اختیار کیا ہے۔ آیات کی تفسیر کرتے وقت احادیث نبوی ﷺ کے ساتھ اقوال صحابہؓ بھی بیان کیے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا قاضی نے بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ابن داؤد، نسائی، دارمی، دارقطنی اور مستدرک وحاکم سے خوب استفادہ کیا ہے۔

☆ مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی تفسیر میں بغوی، بیضاوی اور ابن جریر وغیرہ کی تفاسیر کے کافی حوالے دیے ہیں۔

☆ تفسیر میں مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اسرائیلیات کا خوب محاسبہ کیا ہے اور انہیں ماننے سے انکار کیا ہے۔ مثلاً ہاروت ماروت نامی فرشتوں کا زہرہ نامی عورت پر فریفتہ ہونا اور اس کی پاداش میں آگ سے بھرے کنوئیں میں الٹا لٹکے رہنا، مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں یہ سب لغو باتیں ہیں۔ ان کی قرآن سے کوئی صراحت نہیں ملتی۔ یہ سارا قصہ جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔

☆ تفسیر مظہری تفسیر بالرائے کی نمائندہ تفسیر محسوس ہوتی ہے، جگہ جگہ وہ روایات نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

☆ تفسیر مظہری میں محققانہ رنگ بھی غالب ہے۔ خصوصاً احادیث کی صحت وغیرہ پر خوب تحقیق اور عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔

Marfat.com

۸۔ تفسیر ثنائی از مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

تعارف مؤلف

تفسیر ثنائی کے مؤلف و مفسر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ بیسویں صدی کے عظیم علمائے قرآن میں سے ایک ہیں۔آپ کے آباؤ اجداد برہمنوں کی ایک گوت ''منٹو'' سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے والد جن کا نام خضر تھا، علاقہ ڈور تحصیل اسلام آباد سری نگر کشمیر سے کاروبار کے سلسلہ میں امرتسر آئے اور پھر یہیں مقیم ہو گئے، مولانا ثناء اللہ ۱۸۶۸ء میں یہیں امرتسر میں پیدا ہوئے۔آپ عمر کے ساتویں برس میں تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔اس کے بعد آپ نے اپنے بڑے بھائی ابراہیم سے رفوگری کا کام سیکھا۔آپ کی عمر چودہ سال تھی کہ والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔اس کے بعد آپ کو علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔رفوگری کے ساتھ ساتھ آپ کتابیں پڑھنے میں بھی مصروف ہو گئے۔فارسی کی ابتدائی کتب مولانا احمد اللہ (رئیس امرتسر) سے پڑھیں۔علم حدیث کے لیے مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور پھر مولانا سید نذیر حسین سے اجازت تدریس حاصل کی۔کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں بھی زیر تعلیم رہے اور وہاں سے سند حاصل کی۔اس کے بعد مدرسہ فیض عام کانپور سے مولانا احمد حسن سے علم حدیث میں مزید استفادہ کیا۔

تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آپ مدرسہ تائید الاسلام، امرتسر میں کتب درس نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوئے۔آپ عمر بھر خدمت دین اور تعلیم و تعلم میں مصروف رہے۔عیسائیوں، آریوں اور مرزائیوں سے زبردست مناظرے کیے اور ان کے اعتراضات و اعتقادات کے حوالے سے جواب میں کتابیں لکھیں۔

مولانا اہل حدیث مسلک کے نہ صرف پیروکار تھے بلکہ اسی مسلک کے بہت بڑے مبلغ و داعی بھی تھے۔اہل حدیث مسلک کی ترویج و اشاعت کے لیے آپ نے ''اہل حدیث'' کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندوستان کے وقت آپ پاکستان تشریف لے آئے۔کچھ عرصہ لاہور اور

Marfat.com

گوجرانوالہ میں سکونت اختیار کی۔ بعد میں مستقل طور پر سرگودھا میں مقیم ہو گئے اور ۱۹۴۸ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تصانیف

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں چند مشہور کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ بیان القرآن علیٰ علم البیان
۲۔ تشریح القرآن
۳۔ تفسیر ثنائی
۴۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن
۵۔ اسلام اور اہل حدیث
۶۔ تحریک وہابیت پر ایک نظر
۷۔ خلافت ورسالت
۸۔ فتاویٰ
۹۔ دلیل قرآن بجواب اہل القرآن
۱۰۔ الفوز العظیم
۱۱۔ مقدس رسول
۱۲۔ الہامات مرزا
۱۳۔ فاتح قادیان
۱۴۔ برھان التفسیر بجواب سلطان التفاسیر
۱۵۔ رفع یدین
۱۶۔ آمین
۱۷۔ تحفہ احمدیہ
۱۸۔ عقائد مرزا
۱۹۔ اسلام اور مسیحیت
۲۰۔ حق پرکاش
۲۱۔ اجتہاد اور تقلید
۲۲۔ معقولات حنفیہ
۲۳۔ علم الفقہ
۲۴۔ الکلام المبین فی جواب اربعین
۲۵۔ محبت حدیث اور اتباع رسول

تعارف تفسیر ثنائی

تفسیر ثنائی مولانا ثناء اللہ امرتسری کی نادر تفسیر ہے۔ جو اردو زبان میں آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر اہل حدیث مسلک کی نمائندہ تفسیر ہے۔ اس تفسیر کی پہلی جلد ۱۸۹۵ء میں اور آخری جلد ۱۹۱۷ء میں امرتسر سے شائع ہوئی۔ ہم عصر علماء نے تفسیر ثنائی کی بہت تعریف کی ہے اور اس میں مناظرانہ اور تکلمانہ طرز تخاطب کو بہت پسند کیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا کہنا ہے کہ ”مرحوم

Marfat.com

چونکہ مناظر تھے اس لیے تفسیر ثنائی میں آیات صفات کی بابت مولانا امرتسری نے سلفی عقائد کی بجائے شاہ ولی اللہ کی پیروی میں تاویل کی راہ اختیار کی ہے۔

خصوصیات

☆ تفسیر ثنائی کا طرز مناظرانہ اور خطیبانہ ہے۔آریوں، عیسائیوں اور قادنیوں کے دلائل کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ بھی مولانا نے جن عقائد ونظریات کو غلط سمجھا ہے ان پر خوب تنقید کی ہے۔

☆ تفسیر میں فقہائے اربعہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔

☆ تفسیر ثنائی میں بدعت اور شرک پر مشتمل عقائد ونظریات کا خوب رد کیا گیا ہے اور توحید کا واضح اور بیّن و موثر بیان کیا گیا ہے۔

☆ متن قرآن کا ترجمہ انتہائی آسان زبان میں کیا گیا ہے۔ترجمہ کرتے وقت عربی محاورہ کو ہندی محاورہ میں منتقل کیا گیا ہے۔

☆ ہر سورت کے شروع میں اس کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔اس کے بعد سورت کا شان نزول اور سورۃ سے اخذ مضامین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

☆ الفاظ قرآن سے متعلق نہایت تحقیق وتطبیق سے کام لیا گیا ہے۔الفاظ قرآن کا مفہوم پہلے الفاظ قرآن ہی سے تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔بعد میں نحوی طریقے سے بھی الفاظ پر بحث کی گئی ہے۔

☆ تفسیر کرتے وقت آیات اور سورتوں کا ربط باقی رکھنے کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

☆ احادیث کی تحقیق وجستجو میں خوب عرق ریزی اور تفکر وتدبر سے کام لیا گیا ہے۔البتہ مولانا امرتسری نے انہی احادیث واقوال کو نقل کیا ہے جو ان کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

المختصر حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری جید عالم دین تھے۔آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا شاگرد ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔سرور کائنات ﷺ کی ختم نبوت کے دفاع میں آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظرے، مباحثے اور مکالمے بھی کیے اور فتح کا تاج ہمیشہ آپ کے

Marfat.com

سر رہا۔ تفسیر ثنائی میں فرقہ باطلہ کا رد، ادیان کا ذبہ بالخصوص مرزائیت اور قادیانیت کے خلاف جنگ آپ کی علمیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۹۔ معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیعؒ

تعارف مؤلف

تفسیر معارف القرآن کے مؤلف مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبند کے عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ۱۳۱۳ھ میں قصبہ دیوبند محلّہ ''بڑے بھائیاں'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی مولانا محمد یٰسین عثمانی دارالعلوم دیوبند میں درجہ فارسی کے مشہور استاد تھے۔ آپ کا خاندان ابتداء میں موضع چوراسی متصل قصبہ نگلور سہارن پور میں آباد تھا۔ بعد میں دیوبند منتقل ہوا اور پھر یہ گھرانہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

مولانا مفتی محمد شفیع نے قرآن کی ابتدائی تعلیم حافظ عبدالعظیم اور حافظ نامدار خان سے حاصل کی جو دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے تھے۔ اردو، فارسی، ریاضی اور عربی کی تعلیم اپنے والد مولانا محمد یٰسین سے حاصل کی۔ حضرت مفتی نے ۱۹۱۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ عربی میں باقاعدہ داخلہ لیا اور ۱۹۱۷ء تک درس نظامی مکمل کر لیا۔ دینی تعلیم کے حصول میں حضرت مفتی صاحب کو مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا سید اصغر حسین، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سے خصوصی طور پر شرف تلمذ کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا سید اصغر حسین محدث دارالعلوم دیوبند سے آپ کو خاص تعلق تھا۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن سے آپ نے مشکوۃ اور جلالین پڑھی۔

دارالعلوم میں بحیثیت مفتی اور بیعت شیخ الہندؒ

حصول تعلیم کے بعد مولانا مفتی شفیع کو دارالعلوم دیوبند میں ہی تدریس کی خدمت پر مامور کر دیا گیا اور مسلسل کئی برس تک آپ نے دیوبند میں درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔ مفتی عزیز الرحمٰن کی وفات کے بعد مولانا مفتی شفیع کو باقاعدہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں مفتی

Marfat.com

کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ یہ آپ کے لیے بہت بڑی سعادت اور اعزاز کی بات تھی۔ نوجوانی میں ہی آپ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی۔ بعد میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تجدید کر لی تھی اور کئی سال تک حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اور پھر بہت کم عرصہ میں ان سے بھی خلافت حاصل کر لی تھی۔ حضرت مولانا مفتی شفیع دار العلوم دیو بند کے ان علماء میں سے ہیں جن پر دار العلوم بجا طور پر فخر کر سکتا ہے، آپ قوی الاستعداد اور وسیع المعلومات مفسر، محدث، فقیہہ اور عالم دین تھے۔

تصنیف و تالیف

حضرت مفتی صاحب کو تصنیف و تالیف کا ذوق وشوق شروع سے تھا۔ چنانچہ تفسیر، فقہ، حدیث اور فن مناظرہ میں کئی کتابیں آپ کی مرہون قلم ہیں۔ آپ کی شہرہ آفاق تصانیف میں مندرجہ ذیل کتب خاص طور پر ہر خاص و عام میں مقبول و معروف ہوئیں۔

۱۔ تفسیر معارف القرآن
۲۔ احکام القرآن
۳۔ آداب المساجد
۴۔ احکام القمار
۵۔ اعضائے انسانی کی پیوندکاری
۶۔ ضبط ولادت کی شرعی حیثیت
۷۔ سوشلزم اور اسلام
۸۔ سیرت خاتم الانبیاء
۹۔ تصویر کے شرعی احکام
۱۰۔ شہید کربلا
۱۱۔ فتاویٰ دار العلوم دیو بند
۱۲۔ اصول اللغۃ
۱۳۔ جواہر الفقہ
۱۴۔ شرح نفحۃ الیمن
۱۵۔ نکاح وطلاق
۱۶۔ ووٹ اور ووٹر کی شرعی حیثیت
۱۷۔ مقام صحابہ
۱۸۔ جہاد پاکستان
۱۹۔ ختم نبوت
۲۰۔ درس عبرت
۲۱۔ معیشت و سیاست
۲۲۔ دستور قرآنی

مولانا مفتی شفیع ۱۹۴۸ء میں ہندوستان سے پاکستان کراچی منتقل ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں مسجد باب السلام کورنگی ٹاؤن کراچی میں آپ نے ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی اور وہیں ایک دار الافتاء

Marfat.com

تشکیل دیا جس میں لوگوں کے مسائل کے بارے میں فتاویٰ جاری کیے جاتے تھے۔ یہ دارالعلوم عصر حاضر میں معیار اور تعلیم و تدریس کے لحاظ سے پاکستان کی عظیم علمی درس گاہوں میں منفرد مقام و مرتبے کا حامل ہے۔

تعارف تفسیر معارف القرآن

دور حاضر کے اردو تفسیری سرمائے میں ایک انمول اور لاجواب علوم و معارف کا خزانہ مولانا مفتی محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن ہے۔ بلاشبہ یہ دور حاضر کی سب سے بہتر اور جامع اردو تفسیر ہے۔ یہ آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور شائقین علوم قرآن کے لیے بے نظیر تحفہ ہے۔

تفسیر میں ترجمہ قرآن کے بارے میں مولانا کی اپنی وضاحت

قرآن مجید کے ترجمے کے بارے میں حضرت مفتی صاحب خود اپنی تفسیر کی تمہید میں لکھتے ہیں "تفسیر قرآن میں، جو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو، سب سے اہم احتیاط کی چیز ترجمہ قرآن ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے کلام کی حکایت ہے، اس میں ادنیٰ سی کمی بیشی بھی اپنی طرف سے روا نہیں۔ اس لیے میں نے خود کوئی ترجمہ لکھنے کی ہمت نہیں کی اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ اکابر علماء یہ کام بڑی احتیاط سے سرانجام دے چکے ہیں۔ اردو زبان میں اس خدمت کو سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزندان ارجمند حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اپنی اپنی طرز میں سرانجام دیا۔ اول الذکر میں بالکل تحت اللفظ ترجمہ کو اختیار کیا گیا ہے اور دوسرے ترجمہ میں تحت اللفظ کے ساتھ ساتھ اردو محاورہ کی رعایت بھی ہے۔ جس کو حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے چالیس سال مسجد میں معتکف رہ کر پورا کیا۔ یہاں تک کے آپ کا جنازہ بھی مسجد سے نکلا۔ دارالعلوم کے پہلے مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب کا فرمانا ہے کہ بلاشبہ یہ ترجمہ الہامی ہے۔ انسان کے بس کی بات نہیں کہ ایسا ترجمہ کر سکے۔ شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے اپنے وقت میں جب دیکھا کہ اب بہت سے محاورات بدل جانے کی وجہ سے بعض مقامات پر ترمیم کی ضرورت ہے تو انھوں نے اس ترجمہ کی یہ خدمت انجام دی جو ترجمہ شیخ الہند کے نام سے معروف و مشہور ہوا۔ احقر نے قرآن کریم کے زیر متن اس ترجمہ کو بعینہ لے لیا ہے۔[8]

Marfat.com

سببِ تالیف

قضاء قدر کی طرف سے اس تفسیر کی تالیف کا سبب یہ ہوا کہ ریڈیو پاکستان کراچی کے ڈائریکٹر نے حضرت مفتی صاحب سے ریڈیو پاکستان پر معارف قرآن کے نام سے ایک پروگرام کا سلسلہ شروع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے محض اللہ کی رضا کے لیے اس خدمت کو قبول فرمالیا۔ لہٰذا 1954 سے 1964 تک دس سال ریڈیو پر پروگرام معارف قرآن جاری رکھا۔ اس پروگرام کو نہ صرف پاکستان میں بہت پسند کیا گیا بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں اس سلسلے کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے ٹیپ کر کے تبلیغی مجالس میں بار بار سنانے کا اہتمام کیا گیا۔ اور سب طرف سے اس تفسیر کو مدون کر کے اشاعت کا تقاضا شروع ہو گیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب سے یہ کام لینا تھا، اس محرک نے ان کو قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ "احقر نا کارہ اس کا اہل نہیں تھا کہ تفسیر قرآن لکھنے کی جرأت کرے، نہ کبھی اس خیال کی ہمت کرتا تھا۔ البتہ اپنے مرشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن، جو اس زمانہ میں نہایت اعلیٰ و ارفع تفسیر تھی، اس سے حوصلہ اخذ کیا۔ چونکہ حضرت تھانویؒ کی تفسیر میں الفاظ اور اصطلاحات کچھ مشکل تھیں۔ میں نے انہی کو آسان کر کے سلیس زبان میں مدوّن کر دیا۔

خصوصیات

☆ معارف القرآن میں حضرت مفتی صاحب کے بقول ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ہی، جو دراصل حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ ہے اور حضرت شیخ الہندؒ نے اس میں تصحیح فرمائی ہے، نقل کیا گیا ہے۔

☆ خلاصہ تفسیر کے عنوان سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن میں بھی خلاصہ تفسیر مختصر الفاظ میں پیش کیا گیا ہے اس کو پورے کا پورا لے لیا گیا ہے۔ البتہ اس خلاصہ میں جو مشکل الفاظ ہیں ان کی تشریح مفتی صاحب نے

Marfat.com

اپنی عبارت میں کر دی ہے۔

☆ حضرت تھانویؒ نے خلاصہ تفسیر میں ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ مختصر مگر جامع تفسیر اس طریقے سے لکھی کہ اصل ترجمہ کو ذرا طویل کر دیا ہے اور تفسیری نکات کو قوسین کے درمیان لکھ دیا ہے۔ معارف القرآن میں حضرت تھانویؒ کا ترجمہ اور تفسیر بھی آ گئی اور دو مستند تراجم بھی سامنے آ گئے۔

☆ معارف و مسائل کے عنوان سے معارف القرآن میں حضرت مفتی صاحب نے عصر حاضر کی شاہکار تفسیر فرمائی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تفسیر میں صرف الفاظ میرے ہیں، مضامین علماء سلف کی تفسیر سے لیے گئے ہیں جن کے حوالے لکھ دیے گئے ہیں۔

☆ فن لغات اور فن بلاغت کے نکات جو کہ صرف علماء کے استفادے کے لیے مفید ہوئے مگر عام آدمی کے لیے نہیں۔ اس لیے ان کی بجائے صرف قول راجح کو نقل کر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ

ولقد یسرنا القرآن لذکر فھل من مدکر۔

ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے اب ہے کوئی جو اس میں سوچے سمجھے اور غور کرے۔

لہٰذا اس تفسیر میں عوام الناس کی سہولت کے لیے اس کے معنی و مفہوم کو جس قدر ممکن ہوا سادہ زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ مستند اور معتبر تفاسیر سے ان مضامین کو شامل کیا گیا ہے جو انسان کے دل میں قرآن کی عظمت و محبت پیدا کرنے کا باعث ہوں اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کا شوق پیدا کریں۔

☆ اس مشینی دور میں جو نئے سے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنے کی اس تفسیر میں پوری کوشش کی گئی ہے۔

☆ اس تفسیر کی ایک اور بہت عمدہ خوبی یہ ہے کہ پڑھتے پڑھتے اگر کوئی شکوک و شبہات یا قاری کے ذہن میں اگر کوئی سوال آنے کا خدشہ تھا، وہاں نزاکت کو سمجھتے ہوئے خود ہی

Marfat.com

سوال قائم کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ ''ایک کا ازالہ'' کا عنوان قائم کر کے شبہات کا بھی جواب دے دیا گیا ہے۔

☆ معارف القرآن آج کے دور میں ہر دل عزیز تفسیر ہے۔ مسائل حاضرہ کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے میں مفتی صاحب نے انتھک محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس تفسیر کو ایک غیر معمولی مقبولیت نصیب فرمائی ہے۔ مفتی صاحب کا طرز تحریر نہایت سادہ اور آسان فہم ہے۔ قاری تفسیر پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو قرآنی مطالب کے سمندر میں گوہر نایاب حاصل کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

☆ آیات کی تفسیر کرنے کے بعد احکام و مسائل کو الگ سے بیان کیا گیا ہے۔

☆ چند آیات کی تشریح و تفسیر کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب جب اگلی آیات کی تشریح کرتے ہیں تو ان آیات کا پچھلی آیات سے ربط و تعلق ضرور بیان کرتے ہیں۔

☆ فقہی مسائل کے ضمن میں فقہائے اربعہ کے اقوال بیان کیے گئے ہیں اور دور جدید میں پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں خود بھی اپنے قیاس وخیالات کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۰۔ تدبر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحیؒ

تعارف مؤلف

تفسیر تدبر القرآن کے مؤلف مولانا امین احسن اصلاحی عصر حاضر کے بلند پایہ علماء میں سے ہیں۔ آپ ۱۹۰۴ء میں ضلع اعظم گڑھ (ہندوستان) کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ضلع اعظم گڑھ میں ہی قائم دینی ادارے ''مدرسۃ الاصلاح'' سے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔ ادب اور لکھنے لکھانے کا مزاج شروع سے شغف تھا۔ جس کا اثر تھا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد اخبار ''مدینہ'' اور ''سچ'' کے مدیر مقرر ہو گئے۔

۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۰ء تک مولانا حمید الدین فراہی کے حلقہ درس سے وابستہ ہو رہے اور ان سے علوم دینیہ اور علوم جدیدہ میں خوب مہارت حاصل کی۔ اس تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ جس ''مدرسۃ الاصلاح'' سے آپ نے تعلیم حاصل کی تھی وہیں آپ دوسروں کو تعلیم دینے لگے۔

Marfat.com

علوم القرآن سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ قرآن حکیم میں غور وفکر اور تفکر و تدبر میں آپ کا خصوصی میلان اور ذوق شوق رہا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی قلم سے قرآن پاک کی تفسیر لکھی تو اس کا نام بھی تدبر القرآن رکھا۔ مولانا نے ۱۹۰۹ء میں لاہور میں "میثاق" نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ جس میں آپ اپنی تفسیر تدبر القرآن کو قسط وار شائع کرتے رہے۔

زندگی کا تمام وقت دین کی اشاعت اور خدمت میں گزارا۔ بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ تدبر القرآن (تفسیر)	۲۔ فقہی اختلافات کا حل
۳۔ پاکستانی عورت دوراہے پر	۴۔ اسلامی ریاست
۵۔ عائلی کمیشن رپورٹ	۶۔ تزکیہ نفس
۷۔ حقیقت توحید	۸۔ حقیقت شرک
۹۔ حقیقت تقویٰ	۱۰۔ دعوت دین اور اس کا طریقہ کار

تعارف تفسیر

تدبر القرآن مولانا امین احسن اصلاحی کی اردو زبان میں لکھی گئی نادر تفسیر ہے۔ آپ نے اس تفسیر میں قرآن حکیم کے ذریعے سے زیادہ سے زیادہ ہدایت حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔

ہدایت کا ایک ہی راستہ قرآن

مولانا اصلاحی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے امتیاز کے لیے ایک کسوٹی بنا کر ہمارے ہاتھوں میں دیا ہے۔ اگر یہ کسوٹی ہمارے پاس نہ رہے یا ہم اس کے استعمال سے نا آشنا ہو جائیں تو پھر حق و باطل کے امتیاز کے لیے ہمارے پاس کوئی روشنی باقی نہیں رہ جاتی اس لیے اگر اس امت کو بحیثیت امت مسلمہ زندہ رہنا ہے تو یہ کام قرآن کا وظیفہ پڑھنے سے نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے لیے سب سے مقدم شے قرآن حکیم کے صحیح علم کو اجاگر کرنا ہوگا۔"

مولانا فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

''اس تفسیر میں قرآن مجید پر غور اور اس کی مشکلات حل کرنے کے لیے براہ راست غور کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی تفسیر کا اصل ماخذ قرآن کی زبان، اس کی آیات کے نظام اور اس کے اندرونی نظائر و شواہد کو قرار دیا گیا ہے۔ الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور نحوی مشکلات میں بھی براہ راست عربی زبان سے رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ اسی طرح آیات کی تاویل و توجیہہ میں بھی قرآن کی زبان، کلام کے نظام اور قرآن کے نظائر و شواہد کو ہی پوری اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن کی منطق اور اس کی حکمت کی بنیادیں بھی اس میں نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اس کا عقلی استدلال اور اس کی حجت دل نشین انداز میں سامنے آئے۔ تفسیر کی کتابوں، قدیم آسمانی صحیفوں، تاریخ کی کتابوں اور شان نزول کی روایتوں سے بھی اس میں پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے اور ان کو قرآن کے تحت رکھ کر استفادہ کیا گیا ہے۔

کسی اعلیٰ کلام کا حسن و جمال اس کے نظام اور اس کی ترتیب کے اندر ہی مضمر ہوتا ہے اور اس کی قوت استدلال کا انحصار بھی بیشتر اس چیز پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کتاب میں قرآن کا یہ پہلو سب سے زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ جو لوگ قرآن کے اندر کسی نظم و ترتیب کے قائل نہیں ان کا یہ سوءِ ظن دور ہو اس میں ہر سورت کے مطالب کا تجزیہ کر کے سورۃ کا عمود اور موضوعِ متعین کیا گیا ہے۔ جس سے ہر سورت منتشر باتوں کے مجموعے کے بجائے ایک معین موضوع پر اور دل نشین خطبہ کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ مطالب کا تجزیہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ان کا باہمی منطقی ربط بھی خود بخود واضح ہو جائے اور عمود کے ساتھ ان کا تعلق بھی واضح ہو جائے۔''[۹]

خصوصیات

☆ مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں تفسیر سے پہلے ہر سورت کا شان نزول بیان کیا ہے۔ پھر بتایا ہے کہ اس سورت میں کون کون سے مضامین ہیں۔

Marfat.com

☆ متن قرآن کا ترجمہ بامحاورہ دیا گیا ہے۔

☆ تفسیر میں سیاق و سباق مضامین کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

☆ فقہی اور کلامی مسائل سے مولانا نے پرہیز کیا ہے۔

☆ حدیث و تاریخ اسلام کے علاوہ زمانہ جاہلیت کی تاریخ اور گزشتہ انبیاء کے صحائف و کتب سے بھی تفسیر تدبر القرآن میں استدلال کیا گیا ہے۔

☆ اس تفسیر کو علماء اور عوام سب میں مقبولیت کا شرف نصیب ہوا ہے اور فہم قرآن کے لیے نئی نئی راہیں متعین ہوئی ہیں۔

۱۱............فتح المنان فی تفسیر القرآن

از مولانا عبدالحق حقانیؒ

تعارف مؤلف

''فتح المنان فی تفسیر القرآن'' کے مؤلف حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ انیسویں صدی کے جیّد علماء میں سے ایک ہیں۔ ۱۸۵۱ء میں انبالہ کے نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کی پھر کانپور چلے گئے۔ آپ کے والد محمد امیر بن شمس الدین نسب کے اعتبار سے مظفر الدین شاہ محمد تبریزی کی اولاد میں سے ہیں۔

مولانا عبدالحق حقانی نے حدیث کا علم مولانا عالم علی سے حاصل کیا۔ جو کہ مراد آباد کے مشہور علماء میں سے تھے۔ آخر میں آپ دہلی چلے گئے اور وہاں سید نذیر حسین دہلویؒ سے اکتسابِ فیض کیا۔

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں مولانا حقانی خود ہی تدریس کے سلسلے سے منسلک ہو گئے اور پھر آپ دہلی ہی کے ہو کر رہ گئے۔ ۱۹۱۷ء میں دہلی میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔

تصانیف

۱۔ فتح المنان فی تفسیر القرآن

Marfat.com

۲۔ التعلیق النامی علی الحسامی فی اصول فقہ

۳۔ عقائد اسلام فی اصول الدین

۴۔ مقدمہ تفسیر البیان فی علوم القرآن

تعارف تفسیر: فتح المنان فی تفسیر القرآن

مولانا عبدالحق حقانی برصغیر پاک و ہند کے معروف اور بلند پایہ علمائے دین میں سے ہیں۔ آپ کی تفسیر فتح المنان فی تفسیر القرآن اردو زبان میں علوم قرآن کا انمول خزانہ ہے۔ یہ تفسیر عام طور پر تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔

قرآنی انسائیکلوپیڈیا

مولانا حقانی کی یہ تفسیر صرف تفسیر نہیں بلکہ قرآن کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ پڑھ کر طبیعت بے حد متاثر ہوتی ہے۔ مولانا حقانی صرف علوم دین پر ہی نہیں بلکہ دوسرے علوم پر بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ قرآن حدیث فقہ کے علاوہ مولانا نے اپنی تفسیر میں کیمیا، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ پر بھی ایسی مدلل بحث کی ہے کہ اگر اس کتاب کی ابواب بندی کی جائے تو یہ کئی مضامین میں منقسم ہو جائے گی۔

خصوصیات

مولانا حقانی خود اپنے ترجمہ اور تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں مندرجہ ذیل امور کی خصوصیت کے ساتھ رعایت رکھی گئی ہے۔

- ☆ اردو ہی میں اصل مطلب قرآن کو واضح کیا گیا ہے۔
- ☆ شان نزول بروایت صحیحہ لکھی گئی ہے۔
- ☆ آیات احکام میں اول مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلاف مجتہدین اور ان کے دلائل کو بیان کیا گیا ہے۔
- ☆ فقط ایک ہی قرآن کے موافق وجہ اعراب کو بیان کیا گیا ہے۔
- ☆ وجوہ مختلفہ میں سے ایک کو سب سے قوی سمجھ کر ذکر کیا گیا ہے۔
- ☆ معانی اور بلاغت کے متعلق نکات قرآنیہ کو ظاہر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

- ☆ کوئی حدیث بغیر سند کتب صحاح وغیرہ سے نہیں لی گئی۔
- ☆ قصص میں جو کچھ بروایت صحیحہ یا کتب سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں کئی جگہ بیان وارد ہے وہاں سے ملخص کر کے بیان کر دیا گیا۔
- ☆ آیات قرآنی میں ربط دیا گیا ہے۔
- ☆ تاریخی واقعات سے متعلق مخالفین کے تمام شکوک وشبہات مخالفین کے شکوک و شبہات جس قدر تاریخی واقعات کی بابت وارد تھے۔ ان سب کا الزامی اور تحقیقی جواب دیا گیا ہے۔

اصل بات

اصل بات یہ ہے کہ مندرجہ ذیل نکات کے بیان میں مولانا نے بہت عجز اور انکساری سے کام لیا ہے ورنہ ان مذکورہ نکات کے علاوہ تفسیر میں بیش بہا باتیں شامل ہیں۔ ترجمہ میں مولانا نے مطلب واضح کرنے کے لیے بین قوسین عبارت بڑھا کر خوب ربط، تسلسل اور وضوح پیدا کیا ہے۔ اسلوب عالمانہ ہوتے ہوئے بھی واضح اور آسان فہم ہے۔ طریقہ استدلال بھی خوب ہے اور بلحاظ زبان دانی شستہ اور صاف اردو ہے۔[۱۱]

طریقہ تفسیر

مولانا عبدالحق حقانی کا طریقہ تفسیر یہ ہے کہ پہلے ہر سورت کے بارے میں عام معلومات دیتے ہیں۔ اس کی آیتوں، رکوعوں اور کلمات کا شمار بیان کرتے ہیں۔ پچھلی سورت سے اس کا ارتباط، اس کی آیات کے مکی یا مدنی ہونے کی دلیل اور شان نزول بیان کرنے کے بعد ایک ایک رکوع علیحدہ علیحدہ نمبروار کے کر اس کا ماحصل بیان کرتے ہیں۔ پھر سورۃ کے خاص نکات اور فوائد لکھتے ہیں۔ بعدازاں ایک آیت یا چند آیتوں کا ترجمہ کر کے تفصیل سے نحوی، لسانی اور معنوی بحث کرتے ہوئے تفسیر فرماتے ہیں۔

مولانا کے ترجمے کی مقبولیت

تفسیر فتح المنان کے نام سے مولانا عبدالحق حقانیؒ کا انیسویں صدی کا لکھا ہوا یہ ترجمہ اور تفسیر بعد کے مترجمین ومفسرین کے لیے ایک مشعل راہ ثابت ہوا ہے۔ مفصل اور جامع تفسیروں

Marfat.com

میں اس کا نہایت اعلیٰ مقام ہے اور بعد کے تقریباً تمام علماء نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

مقدمہ تفسیر

تفسیر کی ابتداء میں ایک مبسوط مقدمہ ہے۔ جن میں اسلام کے بنیادی افکار کی وضاحت کی گئی ہے اور تجدد پسندوں کے خیالات کا رد کیا گیا ہے۔ اس میں ان تمام علوم کا مختصر تذکرہ بھی ہے۔ جو قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

تفسیر حقانی کی ایک منفرد خصوصیت

اس تفسیر کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ انیسویں صدی کی ابتداء میں جب ایک طرف عیسائیوں نے قرآن مجید اور اسلام کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا تھا اور دوسری طرف سائنسی ترقیات سے مرعوب ہو کر بعض لوگوں کا یہ خیال ہو گیا تھا کہ قرآن کی بعض تعلیمات سائنس کے برعکس ہیں تو اس صورت حال میں مولانا حقانی نے اپنی اس تفسیر میں عیسائیوں کے ان افکار کی سختی سے تردید کی ہے اور ان کے شبہات کا مدلل جواب دیا ہے۔ دوسری طرف نا قابل تردید عقلی اصول قائم کر کے یہ بھی بتایا ہے کہ قرآن کی کوئی تعلیم سائنس اور علوم جدیدہ کے برعکس نہیں ہے۔ بلکہ سائنس کا کوئی اصول ایسا نہیں ہے جو اٹل ہو اس لیے قرآن کو سائنسی افکار کے پیش نظر بدلا نہیں جا سکتا۔

الختصر تفسیر حقانی (فتح المنان) اردو زبان کی ضخیم، بلند پایہ اور محققانہ اسلوب پر لکھی جانے والی تفاسیر میں سے ایک ہے۔ اس کا شمار بلاشبہ اردو کی درجہ اول کی تفاسیر میں ہوتا ہے۔

۱۲۔ تفسیر فی ظلال القرآن از سید قطب

تعارف مؤلف

تفسیر فی ظلال القرآن کے مؤلف مصر کے مایہ ناز ادیب، شاعر اور ماہر تعلیم سید قطب شہید ہیں۔ آپ مصر کی ایک جماعت الاخوان المسلمون کے رہنما بھی تھے۔ آپ ۱۹۰۶ء میں مصر کے صوبہ سیوط کے ایک گاؤں موشا میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی قطب الدین اور والدہ کا نام فاطمہ حسین شاہ تھا۔ ماں باپ دونوں عربی النسل تھے۔

سید قطب شہید کو قرآن حکیم سے اس قدر محبت اور شغف تھا کہ آپ نے بچپن میں حفظ

Marfat.com

قرآن مکمل کرلیا تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسے سے حاصل کی۔ اس کے بعد ثانوی تعلیم تجہیزیہ دارالعلوم میں حاصل کی۔ جہاں ابتدائی سکول کے فارغ طلباء کو دارالعلوم قاہرہ میں داخلہ کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ نے قاہرہ کے اس کالج میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۳ء میں یہاں سے بی اے ایجوکیشن میں ڈپلومہ حاصل کیا اور ساتھ ہی محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۵۲ء تک انسپکٹر آف سکولز رہے۔ ۱۹۴۹ء میں آپ وزرات تعلیم کی جانب سے طریقہ تعلیم اور نظام تربیت کے مطالعہ کے لیے امریکہ چلے گئے اور دو سال قیام کے بعد ۱۹۵۱ء میں واپس آ گئے۔

آپ کافی عرصہ مصر کی ایک جماعت الاخوان المسلمون کی قیادت کرتے رہے۔ جب اس تنظیم کو خلاف قانون قرار دیا گیا تو آپ کو ۱۹۵۴ء میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۶۶ء میں جمال عبدالناصر کے قتل کیے جانے کی سازش میں آپ کو سزائے موت ہوئی۔

تعارف تفسیر

تفسیر فی ظلال القرآن سید قطب شہید کی عمدہ اور شاندار تصنیف ہے۔ سید صاحب نے اس تفسیر کو زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے لکھا ہے۔ جس میں جدید ذہن کے شبہات اور مسائل کو خاص طور پر زیر بحث لایا گیا ہے. وہ اجتماعی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی مسائل جو نئے ذہن کو پریشان کرتے ہیں سید صاحب نے ان کا حل پیش کرنے کی اپنی بساط سے بڑھ کر سعی کی ہے۔ یہودی اور عیسائی مستشرقین نے اسلام پر جو اعتراضات کیے ہیں، قطب شہید نے ان کا بھی شافی اور مفصل جواب دیا ہے۔ جدید علم کی شاید ہی کوئی شاخ ہوگی جس پر مؤلف کی گہری نظر نہ گئی ہو۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں سیاست، معیشت، عمرانیات، فلسفہ، ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ کے حیرت انگیز تفسیری موتی بکھیرے ہیں۔

جیل میں قید کے دوران لکھی گئی تفسیر

تفسیر فی ظلال القرآن، جس کے اردو زبان میں معنی بنتے ہیں ''قرآن کے زیر سایہ''، کو سید قطب شہید نے جیل میں قید کے دوران لکھا اور مکمل کیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ''اخون المسلمون'' جماعت کی جن دنوں وہ قیادت کر رہے تھے، حکومت کی طرف سے اس جماعت پر پابندی لگ گئی۔ سید قطب نے اس پابندی سے انحراف کیا جس کی پاداش میں آپ کو ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء کو

Marfat.com

گرفتار کرلیا گیا۔ اب اہل علم ودانش کا یہ طرہ رہا ہے کہ وہ اس طرح کی جبری فراغت کو بھی عظیم الشان مصروفیت میں بدل لیتے ہیں۔ لہٰذا سید قطب نے جیل کی سلاخوں کے پیچھے فارغ بیٹھنے یا تنہائی کے آنسو بہانے کے بجائے اس فراغت کو علمی مصروفیت میں بدل دیا اور اپنی کتابوں کی تصنیف و تالیف یا نظر ثانی میں لگ گئے۔ اس طرح یہ تفسیر جیل میں ہی مکمل ہوئی۔

یہ تفسیر عربی میں تیس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ جب کہ اس کا فارسی ترجمہ بھی ''در سایہ قرآن'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

نقد و نظر

☆ بعض علماء کا کہنا ہے کہ سید قطب کی یہ تفسیر اصطلاحاً کوئی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ مصنف نے وہ تاثرات قلمبند کر دیے ہیں جو مطالعہ قرآن کے دوران ان پر طاری ہوئے۔

☆ بعض کا کہنا ہے کہ یہ تفسیر سراسر دعوتی عمل ہے۔ اس کے ایک ایک جملے سے اسلام اور ایمان ٹپکتا ہے۔ پوری کتاب میں تجدد پسندی، سقیم تاویلات اور معذرت خواہانہ انداز بیان کا نام و نشان نہیں ہے اور جدید تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود مغرب کے مادی تصورات کی خوب بیخ کنی کی گئی ہے۔ نیز بڑے ہی دل نشین انداز میں دنیا کی بے ثباتی ثابت کی گئی ہے۔

☆ اسلوب نگارش اور اسلوب ترتیب بالکل نیا اور اچھوتا ہے۔ اس بارے میں سابقہ تفاسیر یا ان کے نمونہ ہائے ترتیب و تالیف کی پیروی نہیں کی گئی۔

☆ مولانا افتخار بلخی تفسیر ظلال القرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ علامہ سید قطب کی وہ معرکتہ الآرا تفسیر ہے جس میں ایک طرف دور حاضر کی تمدنی مسائل کا تجزیہ کر کے ان مفاسد کی نشان دہی کی گئی ہے۔ جو اس دور کا خاصہ ہیں اور دوسری طرف دور جدید کی معاشیات و سیاسیات کے ان کانٹوں کو دکھایا گیا ہے جن کی چبھن اور خلش انسانیت کو بے چینی اور اضطراب میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ مزید برآں سید قطب کی یہ تالیف خالص اور فنی نوعیت کی تفسیر ہے جو بتاتی ہے کہ اس ''قرآن کے زیر سایہ'' (فی ظلال القرآن) آ جانے میں انسان کے لیے سکون و راحت اور امن و سلامتی ہے کیوں کہ صرف قرآن ہی انسان کو ایسا ہمہ گیر نظام حیات دیتا ہے جس کے

Marfat.com

اختیار کرنے میں اس کی سعادت اور فوز وفلاح ہے۔

☆ تفسیر میں اسرائیلیات کا قطعاً نام ونشان نہیں ملتا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب نے اپنی تفسیر میں مستند سے مستند بات لکھنے کو ہی ترجیح دی ہے۔

☆ یہ تفسیر ادبی مقالات کا مجموعہ نہیں بلکہ معلومات کا دائرۃ المعارف معلوم ہوتی ہے۔

☆ معتزلہ، خوارج اور اشاعرہ وماتریدیہ کے نزاعات بھی اس تفسیر میں نہیں ملتے۔

۱۳۔ تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی

تعارف مؤلف

تفہیم القرآن کے مؤلف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ۲ رجب ۱۳۲۱ ہجری بمطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو حیدرآباد دکن کے شہر اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ خاندان کا دہلی سے تعلق تھا۔ لیکن آپ کا بچپن اورنگ آباد میں ہی گزرا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ لکھنے لکھانے کا شوق طبعاً شروع ہی سے بہت تھا۔ دین تعلیمات میں غور وغوض مولانا کا محبوب مشغلہ تھا۔ ہر علمی نقطے کو عوام کی طرح اور عوام کے لیے سوچنا مولانا کی ذات اور زندگی کا خاص طرۂ امتیاز ہے۔

مولانا مودودی کے والد کا نام سید احمد حسن (ایڈووکیٹ) ہے۔ آپ خواجہ قطب الدین مودود چشتی کی اولاد میں سے ہیں۔

مولانا کی صحافتی اور تصنیفی زندگی

صرف ۱۵ سال کی عمر میں مولانا مودودی نے اپنی صحافتی اور تصنیفی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں اخبار مدینہ بجنور کے ادارے میں شمولیت اختیار کر لی۔ اسی سال تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ ۱۹۱۹ء میں ''مجلس اعانت نظر بندان اسلام'' کے سرگرم رہنما رہے۔ ۱۹۲۰ء میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تو اسی سال آپ نے روزنامہ ''تاج'' (جل پور) کی ادارت سنبھالی۔ ۱۹۲۱ء میں عربی ادب اور انگریزی کا گہرا مطالعہ کیا۔ ۱۹۲۲ء میں آپ نے جمعیت علمائے ہند کے اخبار ''مسلم'' کی ادارت سنبھالی۔ ۱۹۲۳ء میں اخبار مسلم بند ہو گیا۔ ۱۹۲۵ء میں آپ نے ''الجمعیۃ'' (دہلی) کی ادارت سنبھالی جو چار سال تک جاری رہی۔ اسی دوران آپ نے کئی کتب بھی تصنیف کیں۔ ۱۹۲۸ء میں آپ ''الجمعیۃ'' کی ادارت سے مستعفی ہو گئے اور ۱۹۳۰ء میں حیدرآباد چلے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں حیدرآباد دکن سے ''ترجمان القرآن'' جاری کیا اور تصنیف وتالیف میں منہمک

Marfat.com

ہو گئے۔ ۱۹۳۸ء میں آپ دکن سے پنجاب منتقل ہو گئے۔ ۱۹۴۱ء میں لاہور میں جماعت اسلامی کا تاسیسی اجتماع ہوا۔ آپ اس جماعت کے امیر منتخب ہو گئے۔ اس کے بعد ۳۱ سال تک آپ جماعت اسلامی کی قیادت کرتے رہے۔ ۱۹۷۲ء میں آپ مسلسل علالت اور کمزوری صحت کی وجہ سے جماعت اسلامی کی امارت سے مستعفی ہو گئے۔

آپ کی پوری زندگی مطالعہ علم اور تقریری و تحریری خدمات میں صرف ہوئی۔ اسلامی موضوعات پر مولانا نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ اس قدر وسیع مطالعے اور تحقیقی فکر رکھنے کی بنیاد پر ہی مولانا کا شمار بیسویں صدی کے عظیم مفکرین میں ہوتا ہے۔ آپ بیک وقت ایک مدبر، مفکر، ادیب، خطیب اور صحافی تھے۔

مولانا نے اسلامی تعلیمات کے تقریباً ہر پہلو کو ایک خاص نقطۂ نظر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مولانا نے اپنی تصنیفات و تالیفات میں جن موضوعات پر خاص طور پر قلم اٹھایا اس میں قرآن، فقہ، دستور، سیاست، معیشت اور معاشرت جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ مولانا کی اہم تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تفہیم القرآن (تفسیر)	۲۔ خلافت و ملوکیت
۳۔ الجہاد فی الاسلام	۴۔ سنت کی آئینی حیثیت
۵۔ تفہیمات	۶۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات
۷۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی	۸۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان
۹۔ مسئلہ ملکیت زمین	۱۰۔ معاشیات اسلام
۱۱۔ اسلامی ریاست	۱۲۔ اسلامی نظام زندگی
۱۳۔ تجدید و احیائے دین	۱۴۔ پردہ
۱۵۔ خطبات	۱۶۔ دکن کی سیاسی تاریخ
۱۷۔ سود	۱۸۔ اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر

مولانا علماء کی نظر میں

☆ سید اسعد گیلانی کہتے ہیں:

Marfat.com

''آپ کتب دینیہ میں ماہرانہ دست رس اور تطبیق اور استنباط میں قدرت رکھتے تھے۔''

☆ مولانا مناظر احسن گیلانی معترف ہیں کہ

''معاشرتی مسائل پر مولانا مودودی کی نظر محیط اور ہمہ گیر واقع ہوئی ہے۔''

☆ مولانا ابوالحسن علی ندوی کہتے ہیں کہ:

''مولانا مودودی کا اسلوب تحریر محکم استدلال، اصولی و بنیادی طریق بحث، ہماری افتادِ طبع اور ذہنی ساخت کے عین مطابق ہے۔''

☆ نعیم صدیقی کہتے ہیں کہ:

''مولانا مودودی ایک ایسی تفسیر ہمارے ہاتھوں دے گئے ہیں کہ جس سے ایک عالم دین، وکیل، طالب علم، استاد اور صحافی یکساں استفادہ کر سکتے ہیں۔''

تعارف تفسیر: تفہیم القرآن

''تفہیم القرآن'' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خوبصورت تفسیر ہے۔ مولانا کی بے شمار تصنیفات مین عزت اور شہرت کے اعتبار سے جو مقام تفہیم القرآن کو نصیب ہوا ہے وہ کسی اور کتاب یا تصنیف کے حصے میں نہیں آیا۔ مولانا نے اپنی تمام علمی زندگی کا نچوڑ اس تفسیر کی صورت میں اپنے معتقدین کو پیش کر دیا ہے۔ یہ چھ جلدوں پر مشتمل اردو زبان میں شاندار تفسیر ہے۔

مولانا کو یہ فن اور مہارت حاصل تھی کہ پیچیدہ مسئلہ کو آسان طریقہ، آسان اسلوب اور آسان زبان میں پیش کر دیتے تھے۔ اسی فن اور مہارت نے تفہیم القرآن کو بھی ہر خاص و عام میں بے حد مقبول بنا دیا۔

اسلوب نگارش کے بارے میں مولانا کے اپنے الفاظ

''اس کام میں میرے پیش نظر علماء و محققین کی ضروریات نہیں ہیں اور نہ ان لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لیے بہت سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی سے

Marfat.com

اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے۔ انہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علم تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں مگر وہ اس طبقے کے لیے غیر ضروری ہیں۔ پھر جو مقصد میں نے اس کام میں اپنے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اس پر ڈالنا چاہتا ہے۔ نیز دوران مطالعہ میں جہاں جہاں اسے الجھنیں پیش آسکتی ہیں وہ صاف کردی جائیں، اور جہاں کچھ سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہوں ان کا جواب اسے بروقت مل جائے۔"[ل]

تفسیر میں لفظی ترجمہ نہ کرنے کے بارے میں مولانا کے دلائل

"میں نے اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں پابندی لفظ کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کو غلط سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ترجمہ قرآن کا تعلق ہے یہ خدمت اس سے پہلے متعدد بزرگ بہترین طریقہ پر انجام دے چکے ہیں اور اس راہ میں اب کسی مزید کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی، فارسی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ، اردو میں شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا محمود الحسن صاحب، مولانا اشرف علی صاحب اور حافظ فتح محمد جالندھری صاحب کے تراجم ان اغراض کو بخوبی پورا کرتے ہیں جن کے لیے ایک لفظی ترجمہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمہ سے پوری نہیں ہوتیں اور نہ ہوسکتی ہیں ان کو میں نے ترجمانی کے ذریعہ سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمے کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روانی عبارت، زور بیان و بلاغت زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہے۔ (لفظی ترجمے کی صورت میں) قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایک ایسی بے جان عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اس کی روح وجد میں آتی ہے، نہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ اس کے جذبات میں کوئی طوفان بپا ہوتا ہے، نہ اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و

Marfat.com

جگر تک اترتی چلی جا رہی ہے۔اس طرح کا کوئی تاثر رونما تو درکنار (لفظی) ترجمے کو پڑھتے وقت بسا اوقات تو آدمی یہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی یہ وہ کتاب ہے جس کی نظیر لانے کے لیے دنیا بھر کو چیلنج کیا گیا تھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظی ترجمے کی چھلنی صرف دوا کے خشک اجزاء ہی اپنے اوپر سے گزرنے دیتی ہے۔رہی ادب کی وہ تند و تیز سیرت جو قرآن کی اصل عبارت میں بھری ہوئی ہے، اس کا کوئی حصہ ترجمے میں شامل نہیں ہونے پاتا وہ اس چھلنی کے اوپر سے ہی اڑ جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کی تاثیر میں اس کی پاکیزہ تعلیم اور اس کے عالی قدر مضامین کا جتنا حصہ ہے، اس کے ادب کا حصہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔یہی تو وہ چیز ہے جو سنگ دل سے سنگ دل آدمی کا دل پگھلا دیتی ہے۔جس نے بجلی کے کڑکے کی طرح عرب کی ساری زمین ہلا دی تھی۔جس کی قوت تاثیر کا لوہا اس کے شدید ترین مخالفین تک مانتے تھے اور ڈرتے تھے کہ یہ جادو اثر کلام جو سنے گا وہ بالآخر نقد دل ہار بیٹھے گا۔یہ چیز اگر قرآن میں نہ ہوتی اور وہ اسی طرح کی زبان میں نازل ہوا ہوتا جیسی کہ اس کے ترجموں میں ہمیں ملتی ہیں تو اہل عرب کے دلوں کو گرمانے اور نرمانے میں اسے ہرگز کامیابی نہ ہوتی، جو فی الواقع اسے حاصل ہوتی ہے۔

ایک اور بڑی اہم وجہ لفظی ترجمے کے غیر موثر ہونے کی یہ ہے کہ قرآن کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔اگر اس کو منتقل کرتے وقت تقریری زبان کو تحریری زبان میں تبدیل نہ کیا جائے اور جوں کا توں اس کا ترجمہ کر ڈالا جائے تو ساری عبارت غیر مربوط ہو جاتی ہے۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ قرآن چونکہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی ایک مخصوص اصطلاحی زبان بھی رکھتا ہے۔اس نے بکثرت الفاظ کو ان کے اصل لغوی معنی سے ہٹ کر ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے اور بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کو وہ مختلف مواقع پر مختلف مفہومات میں استعمال کرتا ہے۔پابندئ لفظ کے ساتھ جو ترجمے کیے جاتے ہیں ان میں اس اصطلاحی زبان کی رعایت ملحوظ رکھنا بہت مشکل ہے۔اور اس کے ملحوظ نہ رہنے سے بسا اوقات ناظرین طرح طرح کی الجھنوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔مثلاً ایک لفظ کفر کو لیجیے جو قرآن کی اصطلاح میں اصل عربی لغت اور ہمارے فقہاو متکلمین کی اصطلاح دونوں سے مختلف معنی رکھتا ہے اور پھر خود قرآن میں بھی ہر جگہ ایک ہی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔کہیں اس سے مراد مکمل غیر ایمانی حالت ہے، کہیں یہ مجرد انکار کے معنی میں آیا ہے، کہیں اس سے محض ناشکری اور

Marfat.com

احسان فراموشی مراد لی گئی ہے۔ کہیں مقتضیات ایمان میں سے کسی کو پورا نہ کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے، کہیں اعتقادی اقرار مگر عملی انکار یا نافرمانی کے لیے یہ لفظ بولا گیا ہے، کہیں ظاہری اطاعت مگر باطنی بے اعتقادی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان مختلف مواقع پر اگر ہم ہر جگہ کفر کا ترجمہ کفر ہی کرتے چلے جائیں یا کسی اور لفظ کا التزام کریں تو بلاشبہ ترجمہ اپنی جگہ صحیح ہو گا۔ لیکن قارئین کہیں مطلب سے محروم رہ جائیں گے کہیں کسی غلط فہمی کے شکار ہوں گے اور کہیں خلجان میں پڑ جائیں گے۔

لفظی ترجمے کے طریقے میں کسر اور خامی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کے لیے میں نے ''ترجمانی'' کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ میں نے اس قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کی بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔ اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو، عربی مبین کی ترجمانی اردوئے مبین میں ہو، تقریر کا ربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو اور کلام الٰہی کا مطلب و مدعا صاف صاف واضح ہونے کے ساتھ اس کا شاہانہ وقار اور زور بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہو جائے۔ اس طرح کے آزاد ترجمے کے لیے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ادائے مطالب کی جسارت کی جائے، لیکن معاملہ کلام الٰہی کا تھا اس لیے ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے۔ جس حد تک احتیاط میرے امکان میں تھی اس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں نے اس امر کا پورا اہتمام کیا ہے کہ قرآن کی اپنی عبارت جتنی آزادی بیان کی گنجائش دیتی ہے اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔''[۱۲]

تفسیر القرآن کا آغاز واختتام

مولانا مودودی خود ہی لکھتے ہیں:

''اس کتاب کو میں نے محرم ۱۳۶۱ ہجری فروری ۱۹۴۲ء میں شروع کیا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ مدت تک اس کا سلسلہ جاری رہا یہاں کہ سورہ یوسف کے آخر تک ترجمانی اور تفہیم تیار ہوگئی۔ اس کے بعد پے در پے ایسے اسباب پیش آتے چلے گئے کہ مجھے نہ تو آگے کچھ لکھنے کا موقع مل سکا اور نہ اتنی فرصت ہی میسر آسکی کہ جتنا کام ہو چکا تھا اسی کو نظر ثانی کر کے اس قابل بنا سکتا کہ کتابی

Marfat.com

صورت میں شائع ہو سکے۔اب اسے حسن اتفاق کہیے یا سوء اتفاق کہ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں یکا یک مجھے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور یہاں مجھ کو وہ فرصت بہم پہنچ گئی جو اس کتاب کو پڑھی جانے کے قابل بنانے کے لیے درکار تھی۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس غرض کے لیے میں نے یہ محنت کی ہے وہ پوری ہو اور یہ کتاب قرآن مجید کے فہم میں بندگان خدا کے لیے واقعی کچھ مددگار ثابت ہو سکے۔"[۱۳]

تفہیم القرآن کی خصوصیات

۱۔ ہر سورت کے بارے میں تفسیر سے پہلے تاریخ شان نزول:

مولانا نے ایک دیباچہ اپنی تفسیر کے شروع میں مجموعی طور پر دیا ہے۔اس کے بعد ہر سورت کی تفسیر کرنے سے پہلے بھی اس کے متعلق دیباچہ لکھا ہے۔جس میں پوری وضاحت کی گئی ہے کہ یہ سورت کس زمانے میں اور کن حالات میں نازل ہوئی۔اس وقت اسلام کی تحریک کس مرحلے میں تھی اور کیا کیا مسائل درپیش تھے۔مولانا کے اس طریقے نے قاری کو تفسیر پڑھنے اور سارے حالات جاننے کا تجسس دیا ہے۔

۲۔ **عصر حاضر کے مسائل:** مولانا نے تفسیر میں عصر حاضر کے مسائل پر بھی محققانہ قلم اٹھایا ہے اور ان کے حل کے لیے رہنمائی بھی کی ہے۔مولانا نے معاشی، سیاسی، معاشرتی اور بہت سے دوسرے مسائل پر خوب بحث کی ہے۔

۳۔ **تاریخی واقعات:** تفہیم القرآن میں تاریخی واقعات کو بہت موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔بعض مقامات پر تاریخی واقعات کو سمجھنے کے لیے نقشے بھی پیش کیے گئے ہیں۔

۴۔ **ادبی اسلوب تحریر:** تفہیم القرآن کا اسلوب تحریر بہت سادہ مگر ادبی ہے۔عبارت میں دلکشی اور روانی ہے اور وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اردو ادب کا تقاضا ہے۔

۵۔ **اسرئیلیات سے گریز:** تفہیم القرآن میں مولانا نے اسرائیلیات کے حوالوں سے مکمل پرہیز کیا ہے۔

۶۔ **تفسیر بالرائے:** تفسیر میں احادیث اور اقوال صحابہؓ کے ساتھ اپنی رائے بھی موثر انداز میں پیش کی گئی ہے۔اس لیے بلاشبہ کہا جاسکتا ہے یہ تفسیر بالرائے کا ایک شاندار نمونہ ہے۔

Marfat.com

۱۴۔ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

تعارف مؤلف

پیر محمد کرم شاہ بن پیر محمد شاہ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ بمطابق یکم جولائی 1918ء شب بروز دوشنبہ بعد نماز تراویح بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالحسنات ہے۔ جو کہ آپ کے بیٹے محمد امین الحسنات شاہ کے نام سے منسوب ہے۔

خاندانی روایت کے مطابق آپ کی تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے ہوا۔ جن اساتذہ سے آپ کو علمی فیض حاصل ہوا ان میں حافظ دوست محمد صاحب، حافظ مغل صاحب اور حافظ بیگ صاحب خاص طور قبل ذکر ہیں۔

سکول کی تعلیم کا آغاز محمدیہ غوثیہ پرائمری سکول سے ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد اورنٹیل کالج لاہور سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔ فاضل عربی کا امتحان دینے کے بعد مانسہرہ میں مولانا حمید الدین صاحب سے فقہ اور اصول فقہ کے اسباق پڑھے۔ جب علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت ہوئی تو دورہ حدیث کے لیے سوچ بچار کا سلسلہ شروع ہوا اور اس ضمن میں ۱۹۴۲ء میں حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی کے پاس حاضری ہوئی اور ۱۹۴۳ء میں تکمیل دورہ حدیث کی دستار بندھی۔

دورہ حدیث کی فراغت کے بعد ۱۹۴۵ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اس دوران آپ نے تحریک پاکستان کی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔

برصغیر پاک وہند سے علم وآگہی کا خزانہ سمیٹ چکے تو احباب سے مشاورت کا سلسلہ جاری ہوا کہ جامعہ ازہر میں داخلہ لیا جائے۔ لہٰذا ۱۹۵۱ء میں جامعہ ازہر میں آپ نے اسباق کا آغاز کر دیا۔ وہاں آپ کا داخلہ فقہ واصول فقہ کے شعبہ میں ہوا۔ لیکن اب تک حاصل کیے گئے تمام علوم آپ کو ناکافی لگتے تھے۔ لہٰذا آپ نے الازہر کے ساتھ ساتھ قاہرہ یونیورسٹی میں بھی ایم اے میں داخلہ لے لیا اور دونوں جگہ کامیاب ہوئے۔ الازہر میں ایم فل فی القضاء کے شعبے میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مصر میں آپ نے تین سال تک قیام کیا اور ۱۹۵۴ء میں واپس وطن تشریف لائے تو والد گرامی بیمار تھے۔ آپ نے تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ والد گرامی کی خوب خدمت بھی کی۔

Marfat.com

شاہ صاحب کی شخصی صفات اوران کے علم وفن کے بارے میں ان کے ایک عقیدت مند صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی نے بہت شاندار اور عمدہ الفاظ میں کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

''حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کے سر میں دماغ عالمانہ، سینے میں دل صوفیانہ اور ہاتھ میں قلم ادیبانہ تھا۔ان کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' اور سیرت پر ''ضیاء النبی'' سے علم جھلکتا ہے۔ان کی صحبت سے تصوف چھلکتا تھا اوران کی نوک قلم سے ادب برستا ہے۔ان کا اسلوب تصنیف محققانہ، طرز زیست قلندرانہ اور انداز نگارش ہمیشہ ساحرانہ رہا ہے۔جو نرا عالم ہو وہ خشک مزاج ہوتا ہے مگر پیر صاحب انتہائی رقیق القلب تھے۔ جو محض صوفی ہو وہ گوشہ گیر ہوتا ہے مگر پیر صاحب مرد میدان تھے۔ جو محض ادیب ہوتا ہے وہ صرف لفظ وحرف کی مشق کرتا ہے مگر پیر صاحب معانی و مصارف سے عشق کرتے تھے۔

عالموں،صوفیوں اور ادیبوں کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔بعض عالم وہ ہوتے ہیں جو صرف فتویٰ پر انحصار کرتے ہیں تقویٰ اختیار نہیں کر پاتے۔بعض کتاب خواں ہوتے ہیں، صاحب کتاب نہیں ہوتے۔بعض جزئیات کے عامل ہوتے ہیں کلیات سے قاصر رہتے ہیں۔بعض کتابی عبارتوں سے آشنا ہوتے ہیں زبانی ضرورتوں سے آگاہ نہیں ہوتے۔بعض مجادلے میں مگن رہتے ہیں مطالعے سے لگن نہیں رکھتے۔بعض شعلہ مقالی سے کام چلاتے ہیں، تلقین غزالی کو نہیں آزماتے اور بعض دیوان ومکتب کے محض دربان ہوتے ہیں مگر انسان کے محرم اور راز داں نہیں ہوتے۔اس طرح کچھ صوفی تسبیح کے دانے پلٹنے کے ماہر ہوتے ہیں دل کی دنیا بدلنے پر قادر نہیں ہوتے، کچھ وظائف پر لگے رہتے ہیں، تاہم معارف ولطائف سے پرے رہتے ہیں۔کچھ اپنا حلقۂ بیعت تو وسیع کر لیتے ہیں قرینہ تربیت نہیں رکھتے۔کچھ وجد ورقص کی پرچار کرتے ہیں تزکیہ نفس پر اصرار نہیں کرتے، کچھ لمبی عباؤں میں ملبوس رہتے ہیں لیکن قلندرانہ اداؤں سے محروم رہتے ہیں۔کچھ ویرانوں میں جا کر بستے ہیں انسانوں سے نباہ نہیں کر سکتے اور کچھ فقط مزاروں پر چراغ جلاتے ہیں دلوں کی جوت نہیں جگاتے اور ایسے ہی ادیبوں کا معاملہ ہے جن میں سے کچھ لفظ وحرف تو رکھتے ہیں ان کا صحیح مصرف نہیں جانتے، کچھ لفظوں کا ابلاغ تو کر سکتے ہیں دلوں کا سراغ نہیں پا سکتے، جو قلم تو زوردار رکھتے ہیں مگر موضوع بیکار چنتے ہیں جو کاغذی تصویر تو اچھی بناتے ہیں روحانی تاثیر سے محروم رہتے ہیں، کچھ نظم ونثر سے ہنگامہ تو اٹھا دیتے ہیں لیکن اسرار حیات اور رموز کائنات سے

Marfat.com

پردہ اٹھانے کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں......لیکن حضرت پیر صاحب کی شخصیت ہمہ پہلو تھی۔آپ بیک وقت عالمانہ کمال، صوفیانہ جمال اور ادیبانہ کمال کے حامل ووارث تھے۔

بالعموم کہا جاتا ہے کہ بڑے لوگ صرف بڑے شہروں میں ہوتے ہیں۔ جب کہ یہ مفروضہ سرے سے غلط ہے اور اس کے ابطال کے لیے پیر صاحب کی شخصیت بہت بڑی دلیل ہے۔ بڑا ہونے کے لیے بڑا قصبہ نہیں سچا جذبہ درکار ہوتا ہے۔ روشنی کے لیے گھی کا چراغ نہیں، دماغ مطلوب ہوتا ہے۔منزل پانے کے لیے سفارش اور اپروچ نہیں بلکہ اونچی سوچ کی ضرورت ہوتی ہے۔ناموری کے لیے دارالحکومت میں قیام نہیں، خداداد صلاحیت کام آتی ہے۔نیک نامی اشتہار سے نہیں حسن کردار سے ملتی ہے۔ بقائے دوام کے لیے پبلسٹی کافی نہیں نیک نیتی ضروری ہے۔اور کسی اعلیٰ مقصد کے لیے کوچہ اقتدار کا پھیرا لازم نہیں یہ کام ''بھیرہ'' میں بیٹھ کر بھی پورا ہو سکتا ہے۔''

بحیثیت مفسر قرآن پیر کرم شاہ صاحب کو پروفیسر حبیب اللہ چشتی اس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

''علمائے تفسیر مفسر میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیتے ہیں۔صحت عقیدہ، خواہشات نفسانی سے مبرا، عربی لغت اور اس کے فروغ کا علم، قرآنی علوم کا علم اور پیر صاحب میں یہ تمام شرائط بدرجہ اتم موجود تھیں۔علمائے تفسیر نے تفسیر قرآن کے بنیادی طور پر چار ماخذ بیان کیے ہیں۔قرآن مجید، حدیث، نبوی، اقوال صحابہ واقوال تابعین اور صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے بھی یہی اختیار کیے ہیں۔''

علمائے تفسیر نے مفسر کے لیے درج ذیل آداب تحریر کیے ہیں۔

حسن نیت، حسن خلق، اطاعت باری تعالیٰ، تواضع، عزت نفس، حق گوئی و بے باکی، فضول گفتگو سے پرہیز، سچائی کی تلاش، نقل میں مکمل احتیاط اور اپنے سے اعلیٰ کی تقدیم، جب کہ پیر صاحب کی ذات گرامی بھی انہی تمام صفات کا پیکر تھی۔اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کی زندگی کا مقصد سوائے رضائے مولا کے اور کچھ نہیں تھا۔آپ کی زندگی کا ہر قدم رضائے الٰہی کی تلاش میں تھا۔آپ کا خلق مظہر خلق مصطفوی تھا۔اطاعت باری تعالیٰ آپ کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔آپ خودداری اور عزت نفس کے امین تھے۔آپ کلام فرماتے تو حکمت و دانش کے موتی جھڑتے۔اکثر لمبی لمبی راتیں مطالعہ کی میز پر ہی گزر جاتی تھیں۔جب بھی کوئی بات نقل کرتے تو

Marfat.com

اصل کتاب دیکھ کر مکمل احتیاط سے نقل کرتے اور دوسروں کی تقدیم کا جذبہ تو اس قدر تھا کہ آدمی ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتا تھا۔

تعارف تفسیر: ضیاء القرآن

''ضیاء القرآن'' ابوالحسنات پیر محمد کرم شاہ الازہری کی پانچ جلدوں پر مشتمل اردو زبان میں شاندار اور عمدہ تفسیر ہے۔ آپ کی یہ تفسیر اس قدر عالمانہ اور محققانہ ہے کہ صرف مولانا کرم شاہ کے ہم فکر ہی نہیں بلکہ اس حقیقت کا دوسرے مکاتیب فکر بھی اعتراف کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تفسیر کے بارے میں خود پیر کرم شاہ صاحب کے لکھے ہوئے مقدمے سے استفادہ کرتے ہیں، شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''خدا شاہد ہے کہ کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے یا میں یہ کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں یا اپنے فہم و ادراک کے ناخن سے کس پے چیدہ گرہ کو کھول سکتا ہوں یا میرے قلم میں اتنا زور ہے کہ میری نگارشات قرآن فہمی کے راستے سے ساری رکاوٹیں دور کر سکتی ہیں۔ ان تمام کوتاہیوں کا پورا احساس ہوتے ہوئے یہ کچھ ہو گیا۔ اس کی توجیہہ میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے کہ میں یہ کہوں کہ اللہ رب العزت نے چاہا اور یہ ہو گیا۔ اسی مسبب الاسباب نے اسباب فراہم کیے اور اسی کی توفیق نے دستگیری فرمائی۔ اسی کی عنایات پیہم کہ سارے قدم اٹھتے رہے۔ اسی کی تائید مسلسل سے میں یہاں تک پہنچا اور اسی کی بارگاہ بے کس پناہ میں دامن طلب پھیلائے۔ بصد عجز و نیاز فریاد کناں ہوں کہ اے ذروں کو رشک آفتاب بنانے والے اے قطروں کو سمندر کی وسعتیں بخشنے والے، اے گداؤں کو ہفت اقلیم کی سلطانی کا تاج پہنانے والے، اے دلوں کے ظلمت کدوں میں اپنی معرفت کا چراغ روشن کرنے والے، اس ذرہ ناچیز کو اس قطرہ حقیر کو یا اس بے نوا فقیر کو اس سیاہ رو اور سیاہ دل کو اپنے محبوب مکرم رسول معظم ﷺ کے طفیل اپنی عنایات خسروانہ سے، اپنے الطاف شاہانہ سے، اپنی نوازشات کریمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ سرفراز فرمائے رکھنا (آمین)''[1]

تقاضائے فہم قرآن

پیر کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن میں قرآن کی حقیقی روح کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو ہی انسان کی ارتقائی ترقی او کامیابی کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

Marfat.com

''یہ صرف باتیں ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ زندہ جاوید حقیقت اور نا قابل انکار حقیقت کہ قرآن کی ہدایت سے بگڑا ہوا انسان سدھر کر ساری کائنات کے لیے آئینہ رحمت بن گیا۔ غور فرمایئے حکمت الٰہی نے نزول قرآن کے لیے جس سرزمین کو منتخب کیا وہ عرب کا خطہ تھا۔ وہاں بسنے والے لوگ شکل و صورت میں تو انسان تھے لیکن انسانیت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ کفر و شرک فسق و فجور، ظلم و ستم، وحشت و بربریت، جہالت اور اجڈ پن اس پر فقر و افلاس مستزاد۔ غرض کون سا عیب تھا یا کون سی گمراہی تھی جو ان میں بدرجہ اتم موجود نہیں تھی اور دنیا نے دیکھا کہ قرآن حکیم کی تاثیر اور صاحب قرآن کی برکت سے وہ کیا سے کیا بن گئے۔ اگر قرآن عرب کے اجڈ بدوؤں کو آدم و بنی آدم کے لیے باعث عزت و شرف بنا سکتا ہے، اگر ان جاہلوں کو جو ابجد خواں بھی نہ تھے ان کو بزم علم و دانش کا صدر نشین بنا سکتا ہے، اگر حرم کعبہ میں ۳۶۰ بتوں کی پوجا کرنے والی قوم کے دل میں معرفت الٰہی کی شمع فروزاں کر سکتا ہے تو ہمارے صنم کدہ تصورات کے لات و ہبل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا۔ ہمارا ظلمت خانہ حیات اس کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو اور ہمارا کاروان حیات اس شاہراہ ہدایت پر گامزن ہو جائے جو قرآن نے ہمارے لیے تجویز کی ہے۔

اے درماندہ راہ قوم! قرآن تمھیں عظمت و عزت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جا سکتا ہے بشرطیکہ تم اس کی قیادت کو قبول کر لو۔

اے اپنی قسمت پر آہ و فغان کرنے والے نوجوانو! دنیا کی امامت تمہاری متاع گم گشتہ ہے۔ تمھیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو۔ قرآن تمھیں واپس دلا سکتا ہے، اگر تم اس کا حکم ماننے کے لیے تیار ہو۔

زندگی کہ یہ ساری چہل پہل تقسیم کار کے باعث ہے۔ ایک ہی ملت کے مختلف افراد مختلف کام سرانجام دیتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں حکمرانی کی باگ دوڑ ہے، کوئی مجالس مشاورت کا رکن رکین ہے، کوئی تجارت و صنعت کو چار چاند لگا رہا ہے، کوئی وعظ و نصیحت کے منبر پر جلوہ نما ہے، کوئی تعلیم و تدریس کی مسند کو رونق بخشے ہوئے ہے اور کوئی سجادہ فقر و درویشی پر تشریف فرما ہے۔ قوم کو مجموعی طور پر اصلاح یافتہ اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب اس کے تمام عناصر حق کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں قرآن مجید کی ہدایت پر کاربند ہوں اور اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری دیانت داری سے مصروف ہوں۔ ان عناصر کا باہمی تعلق اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اگر ایک عنصر بھی جادۂ حق سے برگشتہ ہو جائے تو دوسرے عناصر اس سے متاثر ہوئے

Marfat.com

بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ہر ایک کو اپنی خصوصی توجہ کا مستحق سمجھا ہے اور ہر گروہ میں راہ پانے والی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے اور انھیں اس کے عبرتناک انجام سے آگاہ کیا ہے۔

ہم اکثر بگڑی ہوئی قوموں کے حالات اور ان کے حسرت ناک انجام کے متعلق قرآن میں پڑھتے ہیں اور ایک لمحہ توقف کیے بغیر آگے نکل جاتے ہیں۔ ہم یہ زحمت گوارہ نہیں کرتے کہ اپنے بھی اعمال کا موازنہ برباد شدہ قوموں کے اعمال سے کریں اور یہ سوچیں کہ کہیں ہم بھی انہی نافرمانیوں کا شکار نہیں اور اگر خدانخواستہ ہیں تو انجام کی ہولناکیوں سے غافل کیوں ہیں۔ کیا مکافات عمل کا قانون قدرت کا اٹل قانون نہیں؟ کیا ہم نے یہ نہیں پڑھا ولن تجد لسنة الله تبديلا۔

میں نے ہر ایسے موقع پر کوشش کی ہے کہ مطالعہ کرنے والے کے وجدان کو جھنجھوڑوں اور اسے اپنا محاسبہ کرنے کی رغبت دلاؤں تا کہ وہ اپنی جنس عمل کو اسلام اور قرآن کے مقرر کیے ہوئے ترازو میں تولے اور اس کی کسوٹی پر پرکھے تاکہ اسے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی یا اشتباہ نہ رہے اور اگر اس کا قدم جادۂ حق سے پھسل گیا ہے تو وہ سنبھلنے کی بروقت کوشش کرے۔ قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو ایک واضح اور مکمل ضابطہ حیات (شریعت) بھی عطا کیا ہے اور یہ ضابطہ اتنا ہی وسیع ہے جتنی زندگی اپنے بوقلموں تنوع کے ساتھ وسیع ہے۔ بلکہ بلا مبالغہ اس سے بھی وسیع تر۔ انسان کیا ہے؟ اس کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ اور اس کی مخلوق کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے اگر وہ حاکم ہے تو اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں اگر وہ رعایا ہے تو اس کے فرائض کی نوعیت کیا ہے اگر وہ دولت مند ہے تو اس کا طرز عمل کیسا ہو اور اگر وہ فقیر و محتاج ہے تو کس طرح باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے۔ قرآن نے جو شریعت کاملہ ہمیں دی ہے اس میں ان سوالات کا مکمل جواب ہے اسی لیے عبادات، سیاسیات، معاشیات نظام اخلاق وغیرہ تمام کو شریعت نے اپنے دامن میں سمیٹا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں بھی یہ مباحث آئے ہیں میں نے کوشش کی ہے کہ ان کو اس سے واضح اسلوب میں پیش کیا جائے جسے عصر حاضر کا انسان سمجھ بھی سکے اور قبول کر سکے۔

ملت اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ ان رستے ہوئے ناسوروں کو مندمل کرنا ہے۔ اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے یہ کہاں کی دانشمندی اور عقیدت ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں ان ناسوروں کو اور اذیت ناک اور تکلیف دہ بناتے رہیں۔

میں نے پورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط و تفریط سے بچتے ہوئے

Marfat.com

اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کروں جو قرآن کریم کی آیات بینات، احادیث صحیحہ یا امت کے علماء حق کے ارشادات سے ماخوذ ہے تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں یا اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں وہ اٹھ جائیں اور حقیقت آشکار ہو جائے بفضل تعالیٰ اس طرح بہت سے الزامات کا خود بخود ازالہ ہو جائے گا اور ان کے دلوں میں یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی جو غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ واقعی ملت کا ایک حصہ شرک سے آلودہ ہے یا ان کے اعمال اور مشرکین کے اعمال میں مماثلت پائی جاتی ہے (العیاذ باللہ) خداوند کریم ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور دلوں کو حسد اور نفرت کے جذبات سے پاک کر کے ان میں محبت والفت پیدا فرما دے۔" [53]

زبان دانی کی مشکلات کا حل

پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

"فرقان حمید عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی کا ایک اپنا ادب ہے۔ فصاحت و بلاغت کا ایک اپنا معیار ہے۔ اس کے اپنے مجازات، استعارات اور امثال ہیں۔ مفردات کے اشتقاق اور جملوں کی ترتیب کے الگ قواعد ہیں۔ اس کا دامن الفاظ کی کثرت سے معمور ہے اور قواعد اشتقاق نے تو اس میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جہاں کہیں کوئی نحوی یا حرفی الجھن معلوم ہوئی یا لغوی بے چیدگی نظر آئی میں نے کوشش کی ہے کہ ائمہ فن کے مستند اقوال سے اس کا حل پیش کروں تاکہ دل میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔"

اسلوب تفسیر

مولانا لکھتے ہیں۔

"ہر سورۃ سے پہلے میں نے اس کا تعارف لکھا ہے جس میں سورۃ کا زمانہ نزول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض ومطالب، اس کے مضامین کا خلاصہ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر بیان کیا ہے تاکہ قارئین پہلے جب اس تعارف کو پڑھ لیں تو سورۃ کا مطالعہ کرتے وقت وہ ان امور خصوصی پر زیادہ توجہ مبذول کر سکیں گے۔"

Marfat.com

ترجمہ قرآن

تفسیر میں ترجمہ قرآن کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

''قرآن کریم کے اردو تراجم جو میری نظر سے گزرے ہیں وہ عموماً دو طرح کے ہیں۔ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی ہے۔لیکن ان میں وہ زور بیان مفقود ہے جو قرآن کریم کا طرہ امتیاز بلکہ اس کی روح رواں ہے۔دوسری قسم با محاورہ تراجم کی ہے ان میں دقت یہ ہے کہ لفظ کہیں ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دو سطر پہلے یا دو سطر بعد درج ہوتا ہے اور مطالعہ کرنے والا یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ جو نیچے لکھا ہوا ترجمہ پڑھ رہا ہوں اس کا تعلق کس کلمہ یا جملہ سے ہے۔

میں نے سعی کی ہے کہ ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کر دوں کہ کلام کا تسلسل اور روانی بھی برقرار رہے زور بیان میں بھی حتی الامکان فرق نہ آنے پائے۔اور ہر کلمہ کا ترجمہ اس کے نیچے بھی مرقوم ہو۔''

حوالہ جات

۱۔ طبقات المفسرین داؤدی، ص ۳۲۷۔

۲۔ تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۲۲۱۔

۳۔ ابن کثیر جلد ۴، ص ۲۲۱ بحوالہ تاریخ تفسیر و مفسرین۔

۴۔ غلام احمد حریری پروفیسر، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۲۷۱۔

۵۔ طبرسی، مجمع البیان، ج ۱، ص ۱۷۔

۶۔ حریری، غلام احمد پروفیسر، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۴۲۰۔

۷۔ فقیر محمد! اصول تفسیر و تاریخ، ایورنیو بک پیلس لاہور، ص ۱۴۸۔

۸۔ محمد شفیع مفتی، مولانا، معارف القرآن جلد اول، ص ۶۸۔

۹۔ تدبر القرآن جلد ششم دیباچہ، ص ۸-۹

۱۰۔ عبدالحکیم صالحہ شرف الدین ڈاکٹر: قرآن حکیم کے اردو تراجم، طبع کراچی، ص ۲۱۶-۶۱۷۔

۱۱۔ دیباچہ تفہیم القرآن۔

۱۲۔ دیباچہ تفہیم القرآن۔

۱۳۔ دیباچہ تفہیم القرآن۔

۱۴۔ پیر کرم محمد شاہ الازہری، مقدمہ ضیاء القرآن۔

۱۵۔ پیر کرم شاہ الازہری، مقدمہ ضیاء القرآن۔

Marfat.com

Assignment

علم اصولِ تفسیر

اصول تفسیر سے مراد وہ اصول، قوانین اور شرائط ہیں جن پر پورا اتر کر ہی ایک مفسر کو قرآن حکیم کی تفسیر کرنی چاہیے۔

علم اصول تفسیر کی ضرورت واہمیت

علم اصول تفسیر کی ضرورت واہمیت کے بارے میں مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے جس کے لیے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں ہے بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو وصرف اور بلاغت وادب کے علاوہ علم حدیث، اصول فقہ، تفسیر اور عقائد وکلام کا وسیع وعمیق علم رکھتا ہو۔ کیونکہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآن کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصے سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لیے کافی سمجھ رکھا ہے چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد بدھ رکھنے والے لوگ جنھیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگے ہیں اور وہ بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملے میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ دنیاوی علوم وفنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کر سکتا ہے جب

Marfat.com

تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی ہو۔ اس لیے ڈاکٹر بننے کے لیے صرف انگریزی زبان سیکھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کوئی انگریزی دان انجنیئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجنیئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی بھی باشعور انسان اسے انجنیئر تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آسکتا بلکہ اس کے لیے ماہر اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے۔ جب ڈاکٹر اور انجنیئر بننے کے لیے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن وحدیث کے معاملہ میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کیسے کافی ہوسکتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ہر شخص اسی اصول کو جانتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم وفن کو سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں جن کو پورا کیے بغیر اس علم وفن میں اس کی رائے معتبر نہیں ہوسکتی۔ پھر قرآن وسنت ہی اس قدر لاوارث کیسے ہوسکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لیے کسی علم وفن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اس کے معاملے میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کردے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے:

ولقد یسرنا القرآن للذکر (سورۃ القمر۔ ۱۷)

اور بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا ہے۔

لہٰذا جب قرآن کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لیے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً دنیا کی ناپائیداری، جنت دوزخ کے حالات، خوف خدا اور فکر آخرت پیدا کرنے والی باتیں اور زندگی کے دوسرے سیدھے سادے حقائق۔ اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں اور جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے۔ اس قسم کی آیات کی تعلیم کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کردیا ہے۔ چنانچہ خود اس آیت میں لفظ "للذکر" (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کررہا ہے۔

Marfat.com

اس کے برعکس دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں۔ اس قسم کی آیتوں کا کماحقہ سمجھنا اور ان سے احکام ومسائل منضبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے، جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی اور عربی سمجھنے کے لیے ان کو کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی لیکن وہ آنحضرت ﷺ سے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے۔ علامہ سیوطی نے امام عبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے سرکار دو عالم ﷺ سے قرآن کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ، انھوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت ﷺ سے قرآن کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں سے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کریں۔ وہ فرماتے تھے کہ ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔ چنانچہ موطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سورہ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کیے اور مسند احمد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ لیتا ہماری نگاہوں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا تھا۔

غور کرنے کے بات یہ ہے کہ صحابہ کرام جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعر و ادب میں مہارت رکھتے تھے اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہو جایا کرتے تھے۔ انھیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لیے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ سال صرف ایک ایک سورت پڑھنے میں صرف ہو جائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لیے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی بلکہ اس کے لیے آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرام کو عربی زبان کی مہارت اور نزول وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود "عالم قرآن" بننے کے لیے باقاعدہ حضور ﷺ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو نزول قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شد بد پیدا کر کے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت

Marfat.com

اور علم دین کے ساتھ کیسا افسوس ناک مذاق ہے؟[1]

ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ

"جو شخص قرآن کے معاملہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔"[2]

اور اگر ہم اصول تفسیر کو پیش نظر رکھے بغیر تفسیر قرآن کی جسارت کریں گے تو نہ صرف خود گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہے بلکہ دوسروں کو بھی گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب بن سکتے ہیں اور آئندہ نسلوں کو صراط مستقیم دکھانے کی بجائے ان کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مقدمہ، ج ۱، مطبوعہ کراچی۔

۲۔ ابو داؤد از اتقان (۲۔۱۷۹)

❁❁❁

Marfat.com

بارہواں باب

چند اہم اصول تفسیر

ذیل میں مفسر قرآن کے لیے ضروری علوم اور اصول اور ان کی ضرورت و اہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ا۔ عربیت

سرزمین نزول قرآن عرب ہے اور اس کے اوّلین مخاطب بھی عرب ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم کی روح، اس کا مزاج، اس کی زبان اور اس کا اسلوب عربی ہے۔ قرآن کی تہہ تک پہنچنا انسان کو صرف اسی وقت میسر ہو سکتا ہے جب اس روح عربی، مزاج عربی اور ذوق عربی کا اسے پورا ادراک اور کامل قرب حاصل ہو۔ کوئی شک نہیں کہ قرآن کے معانی اور مقاصد اجتماع انسانی کے لیے مفید، دور رس اور ہمیشہ کے لیے پائیدار ہیں لیکن یہ سب کے سب انسانیت کے پاس عربی لباس اور عربی عبارت میں آئے ہیں۔ لہٰذا خصوصیات عرب کا پورا فہم حاصل کرنا ہی ایک راستہ ہے جو قرآن فہمی تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مقرر اور متعین ہے۔ یہاں اس بات کی ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ عربی ماحول سے بھی پوری واقفیت حاصل کی جائے، عرب کی زمین، اس کے پہاڑ، صحرا، میدان، عرب کا آسمان، بادل، ستارے، عرب کی فضا، اس کی گرمی، سردی، آندھیاں اور ہواؤں کے نرم جھونکے، عرب کی ربیعات، اس کی خشک سالی اور سرسبزی، اس کی قوت نشوونما، اس کے نباتات اور اشجار وغیرہ غرض جو کچھ بھی اس عرب کی مادی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس سے واقفیت اس قرآن مبین کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ضروری مسائل میں سے ہے۔

اس کے علاوہ عرب کا دور دراز زمانۂ ماضی، اس کی سابقہ تاریخ، خاندانوں اور قبیلوں کا نظام ان کی حکومتیں خواہ کسی بھی سطح کی سہی، ان کے عقیدے خواہ کسی رنگ کے ہوں، ان کے فنون خواہ کسی بھی طرح کے ہوں، ان کے اعمال خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، غرض وہ تمام چیزیں جن پر

Marfat.com

حیات عربی کی چھاپ ہے قرآن فہمی کے اساسی عناصر میں سے ہیں۔

قرآن حکیم اس سارے عربی ماحول کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ جتنا ایک مفسر کے لیے ضروری ہے اور کسی کے لیے بھی ضروری نہیں ہے۔

۲۔ لغتہ عربیہ

اس سے مراد یہ ہے کہ تفسیر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان میں کامل مہارت حاصل ہو۔ اس مہارت سے مراد صرف عربی زبان کی اتنی استعداد نہیں ہے کہ کوئی شخص عربی سے اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر سکے۔ صرف اتنی استعداد سے ایک شخص قرآن کی اجمالی مراد تو سمجھ سکتا ہے مگر قرآن کی روح اور اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کوئی مفسر عربی زبان کے ہی انداز فہم و تعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ قرآن مجید کے بلیغ اسلوب بیان کی فہم و تفسیر کا اہل نہیں ہو سکتا۔ سطحی عربی زبان کے جاننے سے قرآنی مفہوم و مطالب کے بہت سے گوشے اور پہلو اس کی گرفت میں نہیں آسکیں گے۔

لغتہ عربیہ میں مہارت کا پہلا مرحلہ مفردات الفاظ پر غور کرنا ہے اور اس بات کا ادراک حاصل کرنا ہے کہ عربی الفاظ کے معنوں میں کیا تدریجی تغیر واقع ہوا ہے اور اس تدریجی تغیر پر مختلف زمانوں کا کیا اثر مرتب ہوا ہے۔ یہ اور اس قسم کے دیگر حوادث کا ٹھیک ٹھیک علم ہونا چاہیے جن کے اندر سے عربی الفاظ کو اس تمام عرصے میں گزرنا پڑا۔ یہ حقیقت ہے کہ لغت عربیہ کو بہت سی امتوں نے، جن کے رنگ، خون، ماضی اور حال آپس میں مختلف تھے، اختیار اور استعمال کیا اور ان سب نے اپنی اپنی ثقافت اور معاشرت کے مطابق عربی زبان کو نئے سے نئے معنی اور مفہوم بھی دیے۔ مفسر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ جس قرآن کی تفسیر کرنا چاہتا ہے اس کے مادہ لغویہ میں بخوبی غور کرے اس کے بعد درجہ بدرجہ معانی و مفہوم کے عصری تغیر و تبدل پر غور کرے اور ظن غالب کی بنیاد پر ان تغیرات میں ترتیب قائم کرے یہاں تک کہ اسے حتی المقدور لفظ کے ایک معنی کو ترجیح دینے کی بابت کچھ اطمینان حاصل ہو جائے کہ اس کے لغوی معنی یہی تھے جو عرب نے سب سے پہلے قرآن کی اس آیت میں اسے سن کر سمجھے تھے۔

Marfat.com

مفسر کے لیے ضروری ہے کہ ان معانی لغویہ کے درمیان تمیز کرتے وقت اوران پر غور وفکر کے اثناء میں لغات کے باہمی تعلقات اور ان کے رشتوں سے بھی حتی الامکان واقفیت رکھے۔ تاکہ اس بات کا بھی اطمینان حاصل ہو جائے کہ لفظ زیر تفسیر اصل عربی زبان کا ہے یا کسی اور زبان سے لیا گیا ہے۔ اگر کسی اور زبان کا ہے تو پہلے معنی کیا تھے اور اب کون سے معنی بن پا رہے ہیں یعنی قرآن مجید نے اس لفظ کو کون سے معنی میں استعمال کیا ہے۔

مفردات کے بعد مرکبات پر غور کی باری ہے۔ اس سلسلے میں علوم ادبیہ یعنی صرف ونحو سے مدد لینی پڑے گی۔ اس کے بعد بلاغت کے اعتبار سے ان مرکبات کا تجزیہ کیا جائے گا جن کے نتیجے میں ایک مفسر کے سامنے جمال کلام اور حسن ادا کی جھلکیاں بے حجاب ہو جائیں۔

عربیت اور اس کے متعلقہ علوم وفنون کے ساتھ فہم اور تفسیر قرآن کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام لہجوں اور اصوات (آوازوں) سے بھی پوری واقفیت پیدا کی جائے جو نزول قرآن کے وقت عرب میں مستعمل تھے اور پھر اس کا سراغ لگایا جائے کہ قرآن ان میں سے کس کس آواز اور لہجہ پر نازل ہوا ہے۔

اس کے علاوہ لغت عربیہ کی بعض اپنی ہی رعنائیاں ہیں۔ قرآن حکیم میں کہیں کہیں غیر مانوس اور اجنبی الفاظ (غرائب القرآن) بھی ہیں ان کا فہم بھی مفسر کے لیے ضروری ہے اور تفسیر میں ان الفاظ کے معانی کی صحت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم کی عربی زبان میں بھی عام زبانوں کی طرح کہیں حذف کا استعمال ہے کہیں اضافے کا، کہیں ابدال ہے، کہیں تقدیم وتاخیر کلام، کہیں ایک طرح کے ضمائر کا مختلف جگہوں پر استعمال ہے، کہیں تعریض وکنایہ اور مجاز عقلی کا استعمال، کہیں آیات محکم ہیں کہیں متشابہ۔ زبان دانی کی ان تمام باریکیوں اور نیرنگیوں کا فہم اور ادراک بھی بوقت تفسیر مفسر کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسباب نزول

قرآن حکیم میں بعض آیات خاص حالات وواقعات کے جواب میں نازل ہوئیں، بعض محض تعلیم کے طور پر بغیر کسی واقعہ اور سبب کے نازل ہوئیں۔ بعض آیات پہلے نازل ہوگئیں مگر بعد

Marfat.com

میں کئی ایسے واقعات پیش آ گئے جو ان آیات کے احکام سے متعلق تھے مگر وہ واقعات ان آیات کا سبب نزول قرار نہیں پا سکتے۔ لہٰذا اس اعتبار سے سبب نزول کی ان تمام باریکیوں کا ادراک بھی اصول تفسیر میں نہایت اہم حیثیت کا حامل ہے۔

ناسخ و منسوخ

قرآن مجید کی کئی آیتوں کے احکام بعض کئی آیات نے منسوخ کر دیے مگر کون سی آیات نے کون سی آیات کو منسوخ کیا، مفسر کے لیے تفسیر کے وقت ان کا گہرا فہم بہت ضروری ہے ورنہ تفسیر قرآن میں بہت اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک مفسر کے نزدیک ایک آیت منسوخ ہو، وہ اس کی اسی پیرائے میں تفسیر کرے گا جب کہ وہ حقیقت میں منسوخ نہ ہو۔ اس لحاظ سے اس کی تفسیر کچھ اور ہوئی لہٰذا اصول تفسیر میں ناسخ و منسوخ آیات کے ضمن میں متقدمین اور متاخرین کی تحقیقات کے علاوہ اس وقت کے عرب کے معاشرتی حالات کا بھی بنظر غائر مطالعہ کرنا ہوگا۔

اسرائیلیات

تفسیر قرآن میں ایک اصول یہ بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ سابقہ امتوں سے متعلق آیات کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کو کس قدر درجہ استناد دینا ہے کیونکہ اگر ان واقعات سے متعلق قرآن وسنت میں کوئی صحیح اور مستند وضاحت موجود ہے تو اسرائیلیات کی طرف رجوع قرآن کی تفسیر میں کئی قسم کی غلط فہمیوں کا باعث ہوگا۔ لہٰذا حتی المقدور اسرائیلیات سے اجتناب ہی تفسیر قرآن کے لیے زیادہ موزونیت کا باعث ہے۔

مکی و مدنی آیات میں مضامین کا لحاظ

تفسیر قرآن کے وقت مکی اور مدنی آیات کے مضامین میں فرق کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مکی زندگی میں واسطہ چونکہ زیادہ تر عرب کے بت پرستوں سے تھا اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی اس لیے اس دور میں زیادہ تر عقائد کی درستگی، اخلاق کی اصلاح، بت پرستوں کی مدلل تردید اور قرآن کریم کی شان اعجاز کے اظہار پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس مدنی زندگی میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آ چکی تھی، لوگ جوق در جوق اسلام کے پرچم تلے جمع ہو رہے

Marfat.com

تھے، عالمی سطح پر بت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا اس لیے ان آیات میں زیادہ تر احکام وقوانین اور حدود وفرائض کی تعلیم اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی اور اس کے لیے مناسب اسلوب بیان اختیار کیا گیا۔ قرآن کی تفسیر کرتے وقت مضامین اور احکام کے اس فرق کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا لازمی ہے۔

علم رموز واوقاف

قرآنی عبارت میں مختلف قسم کی علامات لگائی گئی ہیں جو اس بات کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ تلاوت قرآن کے دوران کہاں رکنا ہے، کہاں ٹھہرنا ہے۔ کس مقام پر کون سے جملے کو ملا کر پڑھنا ہے، ایک ہی جملے میں کہاں زیادہ اور کہاں کم ٹھہرنا ہے۔ تفسیر قرآن میں اصول کے طور پر ان رموز کا فہم اور ادراک بھی ضروری ہے۔

رسم الخط

اس زمانے میں کتاب کا انداز کچھ یوں تھا کہ اگر کسی لفظ کے درمیان میں الف (ا) آتا تو الف کو تحریر نہیں کیا جاتا تھا۔ بالخصوص کتابت قرآن میں یہی طریق تھا جیسا کہ ''الکتاب'' کی بجائے ''الکتب'' اور ''الرحمان'' کی بجائے ''الرحمن'' لکھا جاتا تھا۔ عصر نبوت اور عصر صحابہ کرام میں یہی ایک متعین رسم الخط رواج پذیر ہو گیا لیکن دنیا کی ہر زبان میں چونکہ عمل ارتقاء ہمیشہ جاری رہا ہے، کسی نہ کسی صورت میں تغیر وتبدل کی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں لہٰذا عربی زبان کے رسم الخط میں بھی ایک نمایاں تبدیلی ہوئی۔ لیکن قرآن حکیم کا رسم الخط بدستور وہی رہا جو عہد رسالت اور دور صحابہ میں تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربی رسم الخط میں جو تبدیلی پیدا ہوئی اس سے قرآن حکیم کو کیوں مستثنیٰ رکھا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ، تاکہ قرآن حکیم ادنیٰ سے ادنیٰ صورت میں بھی اندیشہ تحریف سے پاک رہے اور یہ مکمل طور پر وہی رہے جو دور رسالت میں تھا۔ بہرحال جدید عربی رسم الخط اور قرآن کے رسم الخط میں امتیاز بھی مفسر کے ذہن میں ہونا چاہیے اور اس کی وجہ سے تفسیری اسلوب میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے۔

قصص القرآن کی تاریخی آگہی

قرآن مجید میں تخلیق حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہودؑ، حضرت

Marfat.com

صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یوشعؑ بن نون، حضرت حزقیلؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت شموئیلؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت محمد ﷺ، عمران اور حنہ، حضرت مریم، یاجوج ماجوج، اصحاب الرس، اصحاب سبت، اصحاب کہف، اصحاب القریہ، اصحاب الجنہ، قوم سبا، اصحاب الاخدود، اصحاب الفیل، ابولہب، جنوں کی سماعت کا قصہ، ہجرت، اصحاب ثلثہ، زید بن حارثؓ کے قصے بیان ہوئے ہیں۔ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام واقعات کی تفسیر کے وقت ان سب واقعات کے تاریخی منظر سے پوری طرح واقف ہو۔

ترجمہ وتفسیر میں فرق سے آگاہی

☆ ترجمے کے الفاظ مستقل ہوتے ہیں اور اصل کی جگہ لے کر اس کے قائم مقام بن جاتے ہیں، اس کے برعکس تفسیر میں یہ بات نہیں ہوتی۔ تفسیر ہمیشہ اصل کلام کے ساتھ مربوط ومتصل ہوتی ہے۔ مثلاً مفرد یا مرکب کلمات کو لایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی تفسیر کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اصل کلام کے ساتھ یوں ملی ہوئی ہوتی ہے جیسے مبتدا خبر کے ساتھ، پھر اس کے ساتھ کسی اور مفرد یا مرکب کلمے کو لا کر اس کی تفسیر کی جاتی ہے علیٰ ہذا القیاس۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر تفسیر کو اصل کلام سے الگ کر دیا جائے تو کلام لغو ہو جاتا ہے۔

☆ ترجمے میں شرح وتفصیل کی گنجائش نہیں ہوتی جب کہ تفسیر میں یہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ ترجمہ اصل کے بالکل مطابق ہوتا ہے اور اس میں اصل کلام سے کمی بیشی نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر اصل کلام میں غلطی ہو تو یہ ترجمے میں بھی منتقل ہو جائے گی۔ مگر تفسیر میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

☆ ترجمے میں اصل کلام کے تمام معانی ومقاصد کو برقرار رکھا جاتا ہے جب کہ تفسیر میں صرف مفہوم کلام مقصود ہوتا ہے۔ بے شک مختصر ہو یا تفصیل سے۔

Marfat.com

☆ ترجمے کے بارے میں دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ مترجم نے جن معانی و مقاصد کو اصل کلام سے نقل کیا ہے وہ درست ہوں گے اور اصل متن کے مصنف کے پیش نظر بھی وہی مقاصد ہوں گے۔ جب کہ تفسیر میں مفسر کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض اوقات مفسر خود بھی اپنے علم و نظر کی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہے۔ اکثر مفسرین متشابہات کے معنی و مفہوم کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتے ہیں۔[1]

قرآن کا تفسیری ترجمہ

قرآن کے تفسیری ترجمے سے مراد یہ ہے کہ متن قرآن کا دوسری زبان میں کھل کر اظہار کر دیا جائے اور اس میں الفاظ کی نظم و ترتیب اور کلام کے اصل تمام معانی کا خیال رکھنا ضروری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت ہے۔

ولا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط

(سورۂ بنی اسرائیل۔۲۹)

حد درجہ بخل سے کام نہ لو اور نہ ہی اسراف کرو۔

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا ''اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھو اور نہ ہی بالکل کھلا چھوڑ دو'' ظاہر ہے کہ اس ترجمے سے قرآن کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور کوئی دانا شخص اس فعل کا مرتکب نہیں ہوتا کہ اپنے ہاتھوں کو یونہی گردن سے باندھ لے۔ جب لفظی ترجمہ کیا جائے گا تو صاحب زبان کے قلب و ذہن میں ہرگز اس بات کو تصور نہیں آئے گا کہ اس بلیغ تشبیہ سے قرآن کا مقصد کیا ہے۔

اس کے برعکس مذکورہ آیت کا تفسیری ترجمہ یہ ہوگا کہ ''بخل سے کام نہ لو اور نہ ہی اسراف کرو'' گویا بخل (کنجوسی) اور اسراف (فضول خرچی) سے روکنے کا یہ موثر ترین انداز ہے جو قرآن حکیم نے اختیار کیا۔ جس زبان میں تفسیری ترجمہ کیا جائے اس کے مناسب حال ایسے الفاظ میں اس کی صورت گری کی جائے کہ جس سے بخل و امساک اور اسراف کے خلاف انسان میں نفرت کے جذبات پیدا ہوں۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض آیات کا مقصد و مدعا لفظی ترجمہ ہرگز پورا نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے تفسیری ترجمہ ہی ضروری ہوتا ہے۔

Marfat.com

تفسیری ترجمے کی شرائط

تفسیر قرآن ہو یا تفسیری ترجمہ، امت کے لیے ان کا سیکھنا دینی فرائض میں سے ہے۔ تفسیری ترجمہ اس لیے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں کیا جاتا ہے اور اس کی بدولت قرآن کے مطالب و معانی کو ان مسلمانوں اور غیر مسلموں تک بھی پہنچایا جاتا ہے جو عربی بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا تفسیری ترجمے میں بھی وہی اصول اور شرائط کارفرما ہیں جو کہ تفسیر میں درکار ہوتی ہیں۔

☆ اس موقع پر بھی تفسیری ترجمہ کرنے والا عربیت، نور بصیرت اور احادیث نبویہ کا گہرا مطالعہ رکھتا ہو۔ ترجمہ کرتے وقت وہ مترجم کی ایسی تفسیر پر بھروسہ کرے جو بنیادی ماخذ سے ہی منقول ہو۔

☆ مترجم گمراہانہ اور باطل عقائد و افکار نہ رکھتا ہو ورنہ اس کے باطل خیالات ترجمہ اور تفسیری نقطہ ہائے نظر پر بھی اثرات مرتب کریں گے۔

☆ تیسری شرط یہ ہے کہ مترجم جس زبان سے جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے ان دونوں کا بخوبی ماہر ہو اور ان زبانوں کی اصطلاحات اور ادب سے بھی پوری طرح آگاہ ہو۔[۲]

اتباع سنت

تفسیر قرآن کے وقت ایک اہم اصول یہ بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ الفاظ قرآن کے مطالب سنت نبوی سے تلاش کیے جائیں ورنہ یہ قرآن حکیم مبہم اوامر و نواہی اور قصص کا ایک مجموعہ بن جائے گا۔ مثال کے طور پر اقیموا الصلوٰۃ کی تفسیر اگر سنت نبوی کی روشنی میں نہ کی جائے تو اس حکم کی تعمیل میں بہت انتشار نظر آئے گا۔ کیونکہ صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں اگر سنت نبوی کی اتباع کے بغیر اس حکم قرآن پر عمل کیا جائے تو محض دعا کی جائے گی اور اس کے لیے بھی وقت اور آداب کا کوئی تعین نہیں ہوگا۔ اسی طرح اتباع نبوی کے بغیر وارکعوا مع الراکعین کا حکم بھی عجیب سا محسوس ہوگا۔ غرض پورے قرآن کا مقصد و مدعا اتباع نبوی کے بغیر سمجھ نہیں آسکتا۔ مفسر کو یہ اصول تفسیر بنیادی حیثیت سے اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔

Marfat.com

قرآن اور عقلی دلائل

بعض مصنفین قرآن وسنت کے ارشادات میں بعض اوقات یہ کہہ کر تاویلات کا دروازہ کھولتے ہیں کہ ان ارشادات کا ظاہر مفہوم عقل کے مطابق نہیں ہے۔ دراصل قرآن وسنت کی کوئی بات اگر ان کی اپنی عقل اور رائے کے خلاف ہے تو اسے وہ خلاف عقل کہہ کر اپنے مطابق بنانے کے لیے تاویلات کا راستہ کھولتے ہیں۔ اس ضمن میں ایسے مصنفین سے پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کون سی اور کس کی عقل کو قرآن فہمی اور تفسیر کے لیے بنیاد مانتے ہیں؟ دنیا میں ہر انسان کی عقل وفہم برابر نہیں ہوتی دوسری بات یہ ہے کہ جو عقل قرآن وسنت کے احکام کی غلامی سے آزاد ہوگی، وہ ہمارا معیار کسی صورت میں ہو بھی نہیں سکتی۔ تیسری بات یہ ہے کہ قرآن کا کوئی حکم ایسا نہیں جو عقل کے مطابق نہ ہو۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جہاں عقل رہنمائی کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے وہیں سے تو وحی کی رہنمائی کا آغاز ہوتا ہے۔ لہٰذا عقل کی حیثیت آغاز وحی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر وحی الٰہی کو نظر انداز کر کے ہر بات کو عقل کے مطابق پرکھا جائے گا تو نظام کائنات تباہ ہو جائے گا اور انسان اپنی خواہشات نفس کا غلام ہو کر رہ جائے گا۔ جس کی طرف خود قرآن حکیم نے ارشاد کیا ہے۔

"اور اگر حق ان کی خواہشات کے پیچھے چلے تو آسمان وزمین اور ان کی مخلوقات درہم برہم ہو کر رہ جائیں۔" (سورۃ المومنون۔ ۷۱)

"تو کیا وہ شخص جسے اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی ملی ہو ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جن کو اپنی بدعملی اچھی لگتی ہے اور جو خواہشات نفس کا اتباع کرتے ہیں۔" (سورۂ محمد۔ ۱۴)

"اور تم اس شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہشات نفس کے پیچھے ہو لیا اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا۔" (سورۂ کہف۔ ۲۸)

"پس تمہیں وہ شخص آخرت سے ہرگز گریزاں نہ کرے جو خود اس پر ایمان نہیں رکھتا اور وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے (ایسا نہ ہو) کہ تم

Marfat.com

ہلاک ہو جاؤ۔" (سورۂ طٰہٰ۔۱۶)

"اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے۔" (سورۂ القصص۔۵۰)

زمانے کی تبدیلی اور احکام شریعیہ

آج کل جدت پسندی کا زمانہ ہے اور ہر جدت پسند کا نظریہ ہے کہ وقت اور زمانے کے اعتبار سے کسی بھی قانون کو جامد نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے حالات کے مطابق تغیر پذیر ہونا چاہیے اور ایسے ہی خیالات کا اظہار وہ قرآن حکیم کے احکامات کے بارے میں بھی کرتے ہیں۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ ہر چیز کا ہر حال میں "ناقابل تغیر" رہنا انسانیت کے لیے مفید ہے اور نہ ہر چیز کا ہر حال میں "تغیر پذیر" رہنا۔ انسان کو اس دنیا میں اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے جہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کرتا رہے وہاں اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اس کے پاس کچھ اصول و احکام ہر حال اور ہر زمانے میں ان مٹ اور ناقابل ترمیم رہیں اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان میں تبدیلی نہ کر سکے ورنہ اس کی بہیمی اور نفسانی خواہشات "زمانے کی تبدیلی" کی آڑ لے کر اس کو شر و فساد اور اخلاقی دیوالیہ پن کی اس آخری سرحد تک پہنچا سکتی ہیں جہاں وہ "انسانیت" کے ہر جامے سے آزاد ہو کر جانوروں کی صف میں شامل ہو جائے۔ اگر دنیا کے ہر فکری اصول، ہر اخلاقی ضابطے اور ہر قانونی حکم کو "تغیر پذیر" قرار دے کر جب جی چاہے بدل دینے کی آزادی ہو تو اس کا انجام اس "اخلاقی باختگی" انسانیت کشی اور اضطراب و بے چینی کے سوا ہو ہی نہیں سکتا جو ہمارے زمانے میں مغربی معاشرے کا مقدر بن چکی ہے۔

اور جب یہ بات طے ہو گئی کہ تمام فکری اصول اور قانونی احکام قابل ترمیم و تغیر نہیں ہونے چاہئیں بلکہ کچھ احکام ایسے بھی رہنے چاہئیں جو کسی حال میں تبدیل نہ ہوں تو اب صرف یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ قانون کے کون سے احکام کو ناقابل تغیر قرار دیا جائے اور کون سے احکام کو قابل تغیر؟ اس معاملے کو بھی عقل پر نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ کائنات میں ہر انسان کی عقلی سطح دوسرے سے

Marfat.com

مختلف ہے، لہٰذا اس مسئلہ کا حل بھی بجز اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس ذات نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو انسان کی تمام واقعی ضروریات سے باخبر ہے اور اس کے نفس کی چوریوں سے بھی آگاہ ہے، اسی سے اس معاملہ میں رہنمائی طلب کی جائے اور اس سے رہنمائی طلب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کے ارشادات کی طرف رجوع کیا جائے جو بالترتیب قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہیں۔

جب ہم قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ان میں بعض احکام صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور بعض احکام میں قرآن و سنت نے چند موٹے موٹے اصول بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور ان کی جزوی تفصیلات بیان نہیں فرمائیں۔ قرآن کریم کے ارشادات اور آنحضرت ﷺ کی رسالت چونکہ کسی خطے یا زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر جگہ اور ہر زمانے کے لیے عام ہے اس لیے جن احکام پر زمانے کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا ان کو قرآن و حدیث میں صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اور بعض اوقات انکی جزوی تفصیلات بھی معین فرما دی گئی ہیں۔ اس کے برعکس جو احکام زمانے کی تبدیلی سے متاثر ہو سکتے تھے قرآن و حدیث نے ان کی جزوی تفصیلات معین کرنے کی بجائے کچھ عام اور ہمہ گیر اصول بیان فرما دیے ہیں جن کی روشنی میں ہر دور کے اہل علم جزوی تفصیلات معین کر سکتے ہیں۔

لہٰذا قرآن و حدیث میں جو احکام مخصوص ہیں اور جن پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے وہ قطعی طور پر نا قابل تغیر اور ہر دور کے لیے واجب العمل ہیں۔ کیونکہ اگر زمانے کے بدلنے سے ان میں فرق پڑتا تو انھیں قرآن و حدیث میں مخصوص نہ کیا جاتا البتہ جو احکام قرآن و سنت میں مخصوص نہیں ہیں اور ان پر امت کا اجماع ہوا ہے ان میں قرآن و سنت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق قیاس اور اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اس قسم کے احکام پر زمانے کی تبدیلی اثر انداز ہو سکتی ہے اور ایسے ہی احکام کے بارے میں فقہاء کا یہ مقولہ ہے کہ

الاحکام تتغیر بتغیر الزمان.

احکام زمانے کی تبدیلی سے بدلتے ہیں۔

Marfat.com

ورنہ اگر قرآن وسنت کے واضح اور صریح احکام میں بھی زمانے کی تبدیلی سے ترمیم وتغیر کی گنجائش ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو آسمانی کتاب نازل کرنے اور پیغمبروں کو مبعوث فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی بس ایک ہی حکم کافی تھا کہ ''اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اپنی عقل سے احکام وضع کرلیا کرو'' لہٰذا جو شخص قرآن وسنت کے صریح اور واضح احکام سننے کے بعد بھی ''زمانے کی تبدیلی'' کی بنیاد پر قرآن وسنت کے واضح احکام کو من مانے معنی پہنائے اور ان میں ترمیم و تحریف کے لیے تیار رہے وہ آسمانی کتابوں کے نزول اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے بنیادی مقصد سے بے خبر ہے۔

مذکورہ بحث کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یوں ہے کہ جو احکام قرآن وسنت میں منصوص ہیں ان کے بارے میں زمانے کے کسی مروجہ نظریہ یا اہل زمانہ کے عام چلن سے مرعوب ومتاثر ہوکر عقلی گھوڑے دوڑانا اور قرآن وسنت کو توڑ مروڑ کر ان میں دور از کار تاویلات تلاش کرنا یا زمانے کی تبدیلی کا عذر پیش کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیونکہ قرآن وسنت میں جو احکام منصوص ہیں وہ ایسے ہی ہیں جن پر زمانے کی تبدیلی سے کوئی حقیقی اثر نہیں پڑتا خواہ زمانے کے شور وشغب اور خواہشات کی لہر نے انہیں کتنا ہی اجنبی اور اچنبھا بنا دیا ہو۔ لہٰذا ایسے موقع پر ''عقلی تاویلات'' کو احکام شریعہ میں داخلہ دینا درحقیقت عقل سلیم کا نہیں بلکہ اس ''عقل'' کا اتباع ہے جو خواہشات نفس کی غلام ہوتی ہے اور جس کے بارے میں طے ہے کہ اس کا نتیجہ گمراہی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خود ''عقل سلیم'' ہی کا تقاضا ہے کہ انسانی دماغ کی حدود کو پہچانا جائے اور اس پر وہ بوجھ نہ ڈالا جائے جس کا وہ متحمل نہیں ہے۔ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی صلاحیتوں کی کچھ حدود ہیں جن سے آگے وہ کام نہیں دیتیں، عقل بھی اس کائنات کا حصہ ہے اور اس کی صلاحیتیں بھی غیر محدود نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہی حقائق واحکام کی طرف انسان کی رہنمائی فرمائی ہے جن کے ادراک میں عقل ٹھوکریں کھا سکتی تھی۔ لہٰذا ان آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی صراحتوں کے مقابلہ میں عقلی حکمتوں کو پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی احمق ہوائی جہاز کے انجن کو ریل گاڑی کے اصولوں کے مطابق ٹیسٹ

Marfat.com

کرنا شروع کردے۔

اس بحث کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ قرآن وسنت پر ایمان لانے کے بعد عقل کا کوئی کام باقی نہیں رہتا، وجہ یہ ہے کہ انسان کو زندگی میں جن کاموں سے سابقہ پیش آتا ہے ان میں سے ایسے افعال بہت کم ہیں جنھیں شریعت نے فرض، واجب یا مسنون ومستحب یا حرام ومکروہ قرار دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایسے افعال بے شمار ہیں جنھیں مباح قرار دیا گیا ہے۔ یہ ''مباحات'' کا دائرہ عقل کی وسیع جولانگاہ ہے جس میں انسان عقل کو استعمال کرکے مادی ترقی اور سائنسی انکشافات کے بام عروج تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ [ٹ]

نظم قرآن کا لحاظ

جس طرح قرآن حکیم کے مفرد الفاظ کے معنی کی تعین کے لیے ضروری ہے کہ وہ لفظ قرآن حکیم میں جہاں جہاں آیا ہے ان سب مواقع کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس طرح کسی آیت سے کوئی حکم استنباط کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ حکم قرآن حکیم میں جتنے مواقع اور مقامات پر آیا ہے ان سب کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایک موقعہ کے سیاق وسباق پر مبصرانہ نگاہ ڈال کر اس حکم کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا نہایت نامناسب ہوگا کہ قرآن مجید جدید زمانہ کی کسی قانونی کتاب کی طرح نہیں ہے کہ جس میں تمام احکام مختلف ابواب اور پھر ہر باب کے ذیل میں مختلف دفعات اور ذیلی دفعات ایک ترتیب اور ایک خاص نظم ونسق کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں بلکہ اس کی مثال اس طبیب حاذق کی ہے یا اس کی مثال فوج کے اس کمانڈر کی طرح ہے جو طریقہ جنگ کی مصلحتوں اور فریق مخالف کی مورچہ بندیوں اور اصول اقدام کے پیش نظر کبھی فوج کو ایک محاذ پر لڑنے کی ہدایت کرتا ہے اور کبھی دوسرے محاذ پر جنگ کرنے کا حکم دیتا ہے، کبھی وہ تلوار استعمال کراتا ہے کبھی بندوق یا توپ، کبھی وہ آگے بڑھنے کا حکم دیتا ہے اور کبھی فوج کو مصلحتاً پیچھے ہٹاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب احکام اپنی اپنی جگہ نہایت ضروری اور واجب العمل ہیں۔ سطحی طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک حکم دوسرے حکم کے منافی ہے یا ایک نسخہ دوسرے نسخہ کی ضد ہے

Marfat.com

لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باہمی تضاد کے باوجود اس کلام کا ہر حکم اور نسخہ اپنے مخصوص موقعہ و محل کے اعتبار سے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ حکمت و دانش مندی کی روشنی میں درکار ہوتا ہے۔ اگر ایک حکم کو دوسرے حکم کی جگہ یا ایک نسخے کو دوسرے نسخہ کی جگہ رکھ کر عمل کیا جائے تو اس کا انجام بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ [ك]

نور بصیر

ان علوم رسمیہ میں کمال حاصل کرنے کے ساتھ ایک چیز جو مطالب قرآن کو بصیرت قرآن کے ساتھ سمجھنے اور بیان کرنے کے لیے ازبس ضروری ہے وہ نور بصیرت یا دوسرے لفظوں میں اسے ذوق قرآنی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف قرآن حکیم پر ہی موقوف نہیں بلکہ دنیا کا کوئی بھی علم و فن ایسا نہیں جس میں کمال اور مجتہدانہ نظر پیدا کرنے کے لیے عام فطانت و ذکاوت کے علاوہ اس علم کے ساتھ ایک فطری لگاؤ اور گہری دلچسپی نہ ہو۔ یہ فطری بات ہے کہ کسی انسان کو کسی فن میں جب ایک خاص لگاؤ اور دلچسپی ہوتی ہے تو اس کی نظر اس فن کے مسائل کے لیے ایک بیگانہ کی نہیں بلکہ آشنائے دیرینہ کی ہوتی ہے۔ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ہم کامیابی کا مشاہدہ کریں تو اس شعبہ میں خاص دلچسپی اور لگن بنیادی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔

اتّقا

اتقا سے مراد ہے کہ قرآن کی تفسیر کرنے والا شخص روحانی اعتبار سے اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ کلام الٰہی کو سن کر اس کا اثر قبول کر سکے۔ ظاہر ہے کوئی دوا کتنی ہی مفرح اور مقوی کیوں نہ ہو لیکن اگر جسم تندرست نہیں ہے اور معدہ یا جگر کے کام نہ کر سکنے کی وجہ سے قوت ہاضمہ بے کار یا ختم ہونے کے برابر ہو گئی ہے تو کوئی دوا اپنا اثر قائم نہیں کر سکتی بلکہ بسا اوقات مضر نتائج کے مرتب ہونے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ یہی مثال قرآن کی تفسیر کے کام پر بھی صادق آتی ہے کہ قرآن انہی کو سمجھ آ سکتا ہے یا وہی سمجھا سکتے ہیں جو ظاہری اور باطنی پاکیزگی کے بھی حامل ہوں گے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو نام نہاد مفسر قرآن مجید کی حقیقی مراد کے خلاف اس سے استنباط احکام کریں گے۔ وہ الفاظ کے حقیقی مفہوم کو توڑ مروڑ کر ایسے معانی پہنائیں گے جو ہرگز قرآن کی مراد نہیں ہوں گے۔

Marfat.com

ان شرائط اور اصول تفسیر کے علاوہ بھی چند اور علوم وقوانین ہیں جن پر دسترس ایک مفسر کے لیے ضروری ہے۔ مثلاً

علم اصول فقہ: تاکہ مفسر احکام شریعیہ آیات قرآن سے اخذ کر سکے۔

علم القرأت: تاکہ اسے کلام اللہ کے الفاظ کا صحیح تلفظ اور کیفیت نطق معلوم ہو سکے۔

علم جغرافیہ: کیوں کہ قرآن کی بہت سی آیات قصص اور مختلف علاقوں اور بستیوں کے حالات پر مشتمل ہیں ان کے سمجھنے کے لیے علم تاریخ اور جغرافیہ کی ضرورت ہے۔

علم الاسرار: کیوں کہ اسرار قرآنی کا فہم اسی پر موقوف ہے۔

علم الحساب: کیوں کہ قرآن کا ایک حصہ میراث وفرائض پر مشتمل ہے اس لیے اس کی تشریح وتوضیح کے لیے اس علم کا جاننا بھی ضروری ہے۔

غرض تفسیر قرآن کے لیے ان اصولوں کو پیش نظر رکھنا اور ان علوم میں مہارت وبصیرت رکھنا شرط ہے۔

حوالہ جات

۱۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ، لاہور، مقالہ دو قرآن۔

۲۔ تاریخ وتفسیر مفسرین، ص ۲۷۔

۳۔ محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی، ص ۴۴۶۔۴۴۸۔

۴ سید احمد اکبر آبادی، مولانا، فہم قرآن، ادارہ اسلامیات لاہور، ص ۵۲۔

❁❁❁

Marfat.com

تیرہواں باب

علم اصول تفسیر کا ارتقاء

قرآن حکیم کی تفسیر کے اصول نبی ﷺ کے دور سے لے کر تبع تابعین کے دور تک ایک تدریج اور ارتقا سے گزر کر ایک مخصوص شکل میں ہم تک پہنچتے ہیں۔ ذیل میں اس ارتقا کا احاطہ کیا گیا ہے۔

عہد رسالت

قرآن حکیم امت کی ہدایت کا ابدی سرچشمہ ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور جامع اصول وکلیات ہے۔ اس کی جزئیات کی تفصیل وتفسیر کا کام اس کے نزول کے ساتھ ساتھ خود ذات رسول کریم ﷺ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اگرچہ نزول قرآن کے وقت جو لوگ موجود تھے وہ اہل زبان تھے اور کلام الٰہی کے معانی ومطالب سمجھنے میں ان کو زیادہ دقت نہیں ہوتی تھی مگر اس کے باوجود ان کو بھی قرآن کے فہم وادراک میں دشواری پیش آجاتی تھی۔ مثلاً جب آیت

حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود (سورۃ البقرہ۔۱۸۷)

یہاں تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگہ سے متمیز ہو جائے یعنی سفید دھاگے کا سیاہ دھاگے سے فرق واضح ہو جائے) نازل ہوئی تو عدیؓ بن حاتم نے عرض کی ''یارسول اللہ میں اپنے تکیے کے نیچے دو دھاگے رکھتا ہوں ایک سیاہ اور ایک سفید اور اس وقت تک کھاتا پیتا ہوں جب تک سفید دھاگہ نظر نہ آنے لگ جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم سمجھے نہیں سیاہ دھاگہ سے مراد رات کی سیاہی اور سفید دھاگہ سے مراد دن کی روشنی ہے۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے اولین شارح اور مفسر خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ قرآن حکیم کا جو حصہ نازل ہوتا جاتا آپ ﷺ منشائے الٰہی کے مطابق اپنے قول وفعل سے اس کی تفسیر فرما دیتے تھے۔

عہد صحابہ

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام مسند تفسیر پر فائز

Marfat.com

ہوئے۔اس لیے کہ یہی اصحاب مقدسہ قرآنی احکام کے اولین مخاطب تھے، یہی حضرات امت میں سب سے زیادہ گزیدہ اور علم وفہم میں بے مثال تھے۔جبرائیل علیہ السلام انہی کے سامنے اور موجودگی میں وحی لے کرآتے اور رسول اللہ ﷺ انہی کو آیات قرآن پڑھاتے اور معانی سمجھاتے تھے۔آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے ان میں بھی اتنی قابلیت واستعداد پیدا ہوگئی تھی کہ آپ ﷺ کے بعدامت کو اس کلام کے اسرار ورموز اوراس کے مقصد وغایت سے آگاہ کرسکیں۔

صحابہ میں اگرچہ تمام حضرات اوصاف وکمالات کا نمونہ تھے مگراذہان اورقابلیتوں کا تفاوت جیسے ہر طبقے میں ہوتا ہے اس طرح سے حضرات صحابہ میں بھی باطنی انوار وکمالات اورعلوم ومعارف میں کسی کوکسی پر زیادہ فوقیت حاصل تھی اوردس صحابہ کرامؓ توتفسیر قرآن کے حوالے سے ممتاز فضیلت کے حامل تھے جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ،حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ،حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ،حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ،حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ،حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اورحضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

خلفائے راشدین میں تفسیری روایات خاص طور پرحضرت علی رضی اللہ عنہ سے بکثرت منقول ہیں جب کہ حضرت ابوبکر،حضرت عمراورحضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے تفسیری روایات نسبتاً کم ملتی ہیں۔اسی طرح خلفائے راشدین کے بعدصحابہ میں تفسیر کے حوالے سے سب سے زیادہ فائق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مانا جاتا ہے۔اس لیے آپ کو''ترجمان القرآن'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

اصول تفسیر کے حوالے سے صحابہ کرامؓ قرآن اور حدیث کو بنیاد بنانے کے علاوہ لغت عرب اورعربوں کے فضائل وعادات وغیرہ سے بھی قرآنی مفہوم کا استخراج کرتے رہے۔اکثر صحابہ نزول وحی کے وقت موجود ہوتے اس لیے سبب نزول سے بھی آگاہ ہوتے۔لیکن تفسیر قرآن میں صحابہ ارشادات اورفرمودات رسول ﷺ کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے لیکن کسی حدیث کا حوالہ دینے سے قبل اس کی صحت کے بارے میں خوب چھان بین کرتے تھے۔صحابہ کے دور کی تفاسیر میں فقہی احکام بہت کم اخذ کیے گئے کیوں کہ تمام صحابہ متفق العقائد تھے۔اس پہلی صدی

Marfat.com

ہجری میں حضرت ابی بن کعب نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ موصوف صحابی رسول کا انتقال حضرت عمر کے عہد خلافت میں ہوا۔ اس لیے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ تصنیف اسی دور میں ہوئی۔ اگر چہ یہ تفسیر بعد ازاں ناپید ہوگئی مگر مشہور مفسر محمد بن جریر الطبری اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیروں میں اس سے بے بکثرت روایات اخذ کی ہیں۔ [1]

بعد ازاں حضرت عبداللہ بن عباس نے تفسیر لکھی جس کا نسخہ امام احمد بن حنبل کے زمانے میں مصر میں موجود تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح جامع میں بوساطت مجاہد اور سعید بن جبیرؓ اسی تفسیر سے روایات بیان کی ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ صحابہ کے دور میں کوئی باقاعدہ مدون شکل میں تفسیر نہیں لکھی گئی بلکہ صحابہ کے اپنے اپنے مصحف میں ہی تفسیری حاشیے اور اشارے لکھے تھے۔

عہد تابعین

تابعین وہ مبارک اور مقدس حضرات ہیں جن کو صحابہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب اسلام عرب سے نکل کر دور دراز کے ملکوں تک بھی پھیل رہا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب کہ مسلمانوں کے درمیان بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ان حضرات نے بھی جب تفسیری کام میں طبع آزمائی کی تو اپنی تفاسیر میں احادیث مبارکہ اور اقوال صحابہ کے ساتھ اسرائیلیات کو بھی شامل کر لیا۔ دور تابعین میں کچھ مذہبی اختلافات بھی پیدا ہو گئے تھے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف مذہبی گروہوں اور فرقوں کے لوگ اپنے اپنے مکتبہ فکر کے مفسرین کو ہی دینے لگے نیز اس سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ لوگ صرف انہی آیات کی تفسیر کرتے جن میں کوئی اشکال پیش آتا تھا مگر اس دور تابعین میں پورے قرآن کی تفسیر لکھنے کا بھی رواج فروغ پانے لگا۔

اس دور میں چونکہ مختلف علوم بھی پھیلنے لگے تھے لہٰذا اس لیے کسی نے تفسیری حوالے سے اسباب نزول پر رسالے لکھے، کوئی قرآن کے غریب الفاظ کی تشریح کرنے لگا، کسی نے ناسخ و منسوخ کو اپنے قلم کا موضوع بنایا۔ اس دور کے مفسرین میں مجاہدؒ، عطاؒ بن رباح، عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ خاص امتیاز اور مقام رکھتے ہیں۔ یہ تمام وہ حضرات ہیں جن کی روایات پر آئندہ ائمہ تفسیر نے

Marfat.com

پورے شرح صدر سے اعتبار اور انحصار کیا۔ اس کے علاوہ حسن بصری، عطا بن مسلم خراسانی، محمد بن کعب قرظی ضحاک قتادہ، ثوری بھی تابعین میں تفسیر کے امام مانے جاتے ہیں۔

عہد تبع تابعین

یہ ان حضرات کا دور ہے جنھوں نے صحابہ اور تابعین کے علوم کو جمع کیا اور یہی وہ دور ہے جب کتب تفسیر کی تصنیف اور تالیف کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اسی دور میں تفسیر نویسی کا عام رواج ہو گیا اور سینکڑوں ہزاروں تفاسیر معرض وجود میں آئیں۔ یہ دور خاندان بنو امیہ کی خلافت کے اواخر سے خاندان بنو عباسیہ کے اوائل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں شیعان علی، خوارج، مرجیہ معتزلہ، زیدیہ، کیسانیہ اور جبریہ جیسے فرقوں نے جنم لیا۔

اصول تفسیر کے حوالے سے اس دور میں تفاسیر کے اندر قرآن وسنت کے بعد اقوال صحابہ اور تابعین کو بنیاد بنایا گیا۔ تفسیر اور حدیث کو دو الگ الگ علوم میں تقسیم کیا گیا۔ حدیث اور تفسیر کی الگ الگ کتب لکھی گئیں۔ اس دور میں مسلمان چونکہ پہلے سے فرقوں میں بٹ گئے تھے اس لیے اب ہر فرقہ اپنے اپنے عقیدے کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے لگا اور خاص طور پر تفسیر میں عقلیت پسندی کو بھی شامل کیا گیا۔

سفیان بن عینیہ، وکیع بن الجاح اور شعبہؒ جیسے حضرات اسی دور کے امام ہیں۔ تفسیر یزید بن ہارون، تفسیر عبدالرزاق، تفسیر سعید، تفسیر ابوبکر بن ابی شیبہ اس دور کی ممتاز تفاسیر ہیں۔ اس طبقے کے کچھ مفسرین نے ضعیف حتیٰ کہ موضوعی روایات بھی تفسیر میں شامل کر دیں اس لیے محققین کے نزدیک ان کی تفاسیر مستند اور معتمد شمار نہیں ہوتیں۔

اصول تفسیر کے دو اہم موڑ (عہد بنو عباس)

دور بنو عباس میں جب پورے قرآن کی تفسیر کو بروئے قلم لایا گیا تو اس دور کے مفسرین نے واضح کیا کہ اس کتاب میں کن کن مسائل اور احکام پر بحث کی گئی ہے۔ کائنات میں انسانی اقدار میں روز بروز ترقی کے عمل سے مسائل اور حالات وواقعات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ارتقاء کے اس موڑ پر قدرتاً یہ سوال ابھرا کہ تفسیر کی حدود کا تعین کیا جائے اور اس سوال کے

Marfat.com

جواب میں دو واضح اور متعین مدارس فکر وجود میں آئے۔ ایک مدرسہ فکر اس بات کا حامی تھا کہ تفسیر و تشریح قرآن کے سلسلے میں ماثور و منقول یا صرف روایت ہی پر اکتفا کیا جائے اور فکر و نظر کی بدعات کو اس کے دائرے میں نہ لایا جائے جن سے اسلام کی بنیادی روح متاثر ہوتی ہے۔ ان کی رائے میں تفسیر کے بارے میں کچھ جاننا ضروری تھا تو اس کی وضاحت یا تو خود آنحضرت ﷺ نے فرمادی تھی اور یا پھر صحابہ اور تابعین کے اقوال میں یہ سب تصریحات آگئی تھیں، اس لیے اب غیر ضروری بحثوں میں الجھنا مناسب نہیں کیونکہ اس سے عمل کمزور ہوتا ہے اور ایمان کے داعیوں اور تقاضوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے روایات ماثورات پر اس لیے بھی اکتفا ضروری ہے کہ تفسیر کے معنی ایک نوع کی شہادت اور گواہی کے ہیں یعنی ایک شخص جب کسی لفظ کے مدلول (شرعی دلائل) پر روشنی ڈالتا ہے تو گویا وہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ منشائے الٰہی اسی میں پوشیدہ ہے اور ایسا کہنا بہت بڑی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے جو ظاہر ہے کہ آسان نہیں۔

دوسرا مدرسہ فکر اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ علوم و فنون کے ارتقاء سے جو نئے نئے مطالب، موضوع اور پہلو فکر و نظر کو بھائیں ان کو قبول کیا جائے اور اس کی روشنی میں ایک متوازن اور صحیح نقطۂ نظر اور موقف متعین کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ تاریخ کا عمل ہے کہ ارتقاء و تغیر سے فقہ، کلام اور تکوینیات کے بارے میں نئے نئے سوالات ابھرتے ہیں اور ایسی صورت میں عمل کی دو ہی راہیں ممکن ہیں کہ یا تو نئی باتوں اور تقاضوں کو تسلیم و قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ آسان نہیں، اور یا پھر ان کو قرآن کی روشنی میں حل کیا جائے۔ اس مدرسہ فکر کے حضرات نے اپنی تفاسیر میں یہی دوسری صورت اپنائی۔ پہلے مدرسۂ فکر کو اصحاب الحدیث یا اصحاب ماثور کے نام سے پکارتے ہیں جب کہ دوسرے مدرسۂ فکر کو اصحاب الرائے کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اصحاب الحدیث یا اصحاب ماثور کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دبستان نبوت کی شمیم آرائیوں کو عام کیا۔ آنحضرت ﷺ کے ایک ایک عمل اور قول کو ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کے سانچوں میں ڈھالا، اسماء الرجال کے فن کی طرح ڈالی اور احادیث کو جانچ پرکھ کر نقد و جرح کے علمی پیمانوں کو رواج دیا۔ اس طرح گویا انھوں نے جو ورثۂ علمی چھوڑا اس کا فائدہ یہ ہوا کہ

Marfat.com

دین اپنی تمام جزئیات، اپنے تمام علوم اور تہذیبی و تمدنی خصوصیات کے ساتھ ہمیشہ کے لیے محفوظ و منضبط ہو گیا۔ یہی نہیں انھوں نے علوم و معارف کے اس ورثے کو بھی ہم تک پہنچایا جس کا تعلق عصر صحابہ سے تھا۔

اصحاب الرائے کی خدمت کا دائرہ بھی خاصا وسیع اور قابل قدر ہے۔ اس گروہ نے قرآن و سنت کے فقہی مضمرات کی نشاندہی کی۔ فکری اور کلامی نکتہ سنجیوں کو نکھارا اور تعبیر و تشریح کے دائروں میں وسعت و ربط پیدا کیا۔ یہ اسی گروہ کا فیضان ہے کہ اسلام ایک مکمل اور منضبط نظریہ حیات کی شکل میں مدون ہوا۔[کے] کیوں کہ یہی دور تھا جب یونانی علوم و معارف کا مسلمانوں کے علمی حلقے میں تعارف ہوا اور علماء مجبور ہوئے کہ ان علوم کے نتیجے میں جو نئے سوالات پیدا ہوئے ہیں ان کا جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ قرآن کے نقطۂ نظر سے کس کا موقف صحیح ہے۔ یہ تاریخ کا ناگزیر اور ضروری عمل ہے کہ نیا دور نئے مسائل لاتا ہے، نئی ذہنی الجھنیں پیدا کرتا ہے اور نئے علمی موضوع اور نظام فکر کا تعین کرتا ہے۔ اصحاب الرائے نے اپنی تصنیفات میں تاریخ کے اس چیلنج کو قبول کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کی سادہ تشریح کے پہلو میں اب اس طرح کے مسائل بھی زیر بحث آنے لگے کہ اثبات باری تعالیٰ کے دلائل کیا ہیں، انسان مجبور ہے یا غیر مجبور اور یہ کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ یہ وہ دور تھا جب عقلی اور فلسفیانہ مذاہب ایک خاص حلقے میں مقبول ہو چکے تھے اور ان مسائل پر بحث و تمحیص اور غور و فکر نے ایک طرح کی علمی ضرورت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے اصحاب الرائے مجبور تھے کہ فکر و نظر کے اس نئے سچ کی روشنی میں اپنے خیالات و افکار کا جائزہ لیا جائے۔[کے]

اصحاب الحدیث یا اصحاب ماثور کے قافلہ سالاروں میں طبری سرفہرست ہیں۔ جب کہ اصحاب الرائے میں فخر الدین رازی کا نام درجہ فوقیت پر ہے۔

اس کے بعد

مفسرین حضرات نے مختلف رجحانات کو پیش نظر رکھ کر اسی سے متعلقہ اصولوں کی بنیاد پر تفسیر قرآن کا آغاز کیا۔ کسی نے اعراب قرآن پہ بحث کی، کسی نے ناسخ و منسوخ، کسی نے صرف علوم نحو و صرف کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن کی تفسیر کی تو کسی نے محض فقہی احکام و مسائل کے استنباط کو

Marfat.com

موضوع اسلوب و نگارش بنایا۔ کسی نے تکلمانہ اصول پیش نظر رکھتے ہوئے فلاسفہ کے اصول و مسائل اوران کے ایسے دلائل کا رد کیا جو اصول دین پر معترض ہوتے تھے۔ کسی نے صرف قرآن میں سے تصوف کے مسائل اور عارفانہ اسرار و نکات کو مقصد تفسیر ٹھہرایا تو کسی نے قواعد فصاحت و بلاغت کے پیش نظر قرآن حکیم کے معجزانہ نکات اور دلائل اعجاز کے بیان کو اپنی تفسیر کا موضوع بنایا۔

مثال کے طور پر

۵۳۸ ہجری کی تفسیر کشاف (زمخشری) لطائف عربیہ اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ممتاز ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں فخر الدین رازی کی مشہور تفسیر "مفاتیح الغیب" جو "تفسیر کبیر" کے نام سے مشہور ہے، علوم اور معارف و حکمت کا عظیم الشان خزانہ ہے۔ اسی صدی ہجری کی تفسیر "انوار التنزیل واسرار التاویل" ہے جو عام طور پر تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں علوم عقلیہ اور اسرار کلام اللہ ہی نہیں مفردات قرآن بھی موضوع بحث ہیں اور آیات کے محاسن اور خوبیاں بھی۔

آٹھویں صدی کی تفسیر ابن جریر روایت کے اصول پر لکھی گئی نہایت معتمد تفسیر ہے۔ نویں صدی کی تفسیر جلال الدین محلی نے تفسیر جلالین سورۃ الاسراء سے ختم قرآن تک لکھی جس کو دسویں صدی کے آغاز میں علامہ جلال الدین سیوطی نے سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الاسراء تک مکمل کیا، اس لیے یہ "تفسیر جلالین" کے نام سے مشہور ہے۔

علمائے ہند میں شاہ ولی اللہ سلسلہ تفسیر کا آغاز فرمانے والے ہیں۔ آپ نے اصول تفسیر پر فتح الخبیر اور الفوز الکبیر کے نام سے تصانیف تحریر فرمائیں جو اب تک علمائے تفسیر کے لیے ایک بنیاد ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے تلامذہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری کے نام سے عربی زبان میں تفسیر لکھی جو مضامین قرآن کی تشریح و تفصیل میں ایک انمول ذخیرہ ہے۔

اسی عہد کے ایک بے مثال محقق علامہ شہاب الدین سید محمد آلوسی ہیں جن کی تفسیر روح المعانی نے بہت شہرت پائی۔ اس میں روایت اور درایت کی روشنی میں مضامین قرآن کی ایسی عجیب ولطیف تشریح فرمائی گئی ہے کہ مطالعہ کرنے والوں کے قلوب عظمت کلام اللہ سے لبریز ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

متاخرین مفسرین میں فخر المفسرین مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی کی تفسیر فتح المنان جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے، اردو زبان میں بے نظیر تفسیر ہے، جس میں حل لغات اعراب، فصاحت و بلاغت کے نکات، مطالب قرآن اور ان کی تشریح کے ساتھ ساتھ مخالفین و معترضین کے شکوک و شبہات کے رد کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ یہ تفسیر زمانہ حال کے فلاسفروں اور متشرقین یورپ کے مقابلہ میں اصول تفسیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن بھی ایک نہایت بلند پایہ تفسیر ہے۔ اس میں آیات کا شان نزول، مسائل فقہ اور سلوک و تصوف کے لطائف و معارف خاص طور پر سجائے گئے ہیں۔

علمائے ہند میں سے ہی مولانا ادریس کاندھلوی کی معارف القرآن اور اسی نام سے مولانا مفتی شفیع کی معارف القرآن اردو زبان میں قرآنی حقائق و معارف کے شاندار نمونے ہیں۔

اس طرح سے اصول تفسیر ارتقاء کی منازل طے کرتے رہے اور آج تفاسیر قرآن محض روایات تک محدود نہیں رہی بلکہ جدید حالات و زمانہ کے تناظر میں تقریباً ہر موضوع کو، خواہ وہ سیاسی حوالے سے ہو یا معاشی، سائنس کے نقطۂ نظر سے ہو یا تصوف سے، قرآنی احکام کی روشنی میں تفسیر کا موضوع بنایا جارہا ہے اور یہی اصول تفسیر کے ارتقاء کا ثبوت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ، قرآن، ص ۵۳۱۔

۲۔ ندوی، محمد حنیف مولانا، مطالعہ قرآن، ادارہ اسلامیات لاہور، ص ۵۲۔

۳۔ ندوی، محمد حنیف، مولانا، مطالعہ قرآن، ادارہ اسلامیات لاہور، ص ۵۲۔

Marfat.com

چودھواں باب

اصول تفسیر کی اہم کتب کا تعارف

اس باب میں امام ابن تیمیہ اور علامہ جلال الدین سیوطی کی اصولِ تفسیر سے متعلق کتب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ا۔ مقدمہ اصول تفسیر از علامہ تقی الدین ابوالعباس ابن تیمیہؒ

علامہ تقی الدین ابوالعباس ابن تیمیہؒ امت کی ان ممتاز شخصیتوں میں سے ہیں جن کے عظیم کارنامۂ حیات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایک طرف داعی اسلام اور مجاہد حق کی شکل میں ابھرے ہیں تو دوسری طرف انھوں نے اپنے پیچھے ایسی تصانیف چھوڑی ہیں جو علم و حکمت کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ شیخ عماد الدین ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن الواسطی نے لکھا ہے:

''خیمۂ فلک کے نیچے علم، عمل، اخلاق، اتباع رسول، کرم اور حلم میں ابن تیمیہ کی مثل کسی شخص نے کسی کو کہیں بھی نہیں دیکھا۔''[1]

ابن تیمیہ ۱۰ یا ۱۲ ربیع الاول ۶۶۱ ہجری میں حران (عراق) میں پیدا ہوئے۔ ۶۶۶ ہجری میں اپنے والد کے ساتھ دمشق گئے اور وہیں پر ۶۸۳ ہجری تک تحصیل علم کے بعد درس و تدریس کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ۷۰۲ ہجری میں کسروان کے وحشی قبائل پر حملہ کر کے انھیں شکست دی۔ اظہار حق کے جرم میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ حکومت وقت نے انھیں چار بار گرفتار کیا اور جیل میں ڈالا اور اسیری کے دوران ۲۰ ذی قعدہ ۷۲۸ ہجری بمطابق ۱۴ اکتوبر ۱۳۲۸ء جیل ہی میں سے آپ کا جنازہ اٹھا۔ تقریباً آپ کی زندگی کے سوا چھ سال جیل میں گزرے۔

حالانکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی زندگی قید و بند، شورتوں اور دشمنوں کی سازشوں کی اضطراب انگیزیوں میں گزری اس کے باوجود آپ نے کم و بیش پانچ سو تصانیف یادگار چھوڑیں۔ علامہ ابن

Marfat.com

قیمؒ، علامہ ذہبیؒ، حافظ عماد الدینؒ، حافظ شمس الدین بن قدامہؒ، زین الدین ابوحفصؒ، شیخ شرف الدینؒ جیسی علم و فضل کی حامل شخصیتیں آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ ان بزرگوں کے علم سے دنیا کس قدر مستفید ہوئی اہل علم حضرات اس سے بے خبر نہیں ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے سینکڑوں مسائل پر اپنی تصانیف میں بحث کی ہے۔ انھوں نے اپنے دور کی ہر برائی کے خلاف آواز بلند کی۔ قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد، فلسفہ، منطق، اخلاق، تصوف، الغرض کوئی بھی ایسا اہم موضوع نہیں ہے جس پر انھوں نے اپنی کسی نہ کسی تصنیف میں بحث نہ کی ہو۔[1]

علمی کارنامہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تحریری کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے علمی اور اصلاحی حلقوں کی توجہ قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے مطالعہ کی طرف براہ راست موڑ دی۔ آپ کا یہ امتیازی وصف ہے جو ان پانچ سات صدیوں میں بہت ہی کم کسی کے حصے میں آیا ہوگا۔ جہاں تک اندازہ ہوسکا ہے آپ نے اس کے لیے تین طریقے اختیار فرمائے۔ ایک یہ کہ اپنے عہد کے جملہ مسائل (کلامی ہوں یا فقہی، معاشرتی ہوں یا اقتصادی یا سیاسی) پر جو مباحث لکھے ان میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو اس کثرت سے مدار استدلال بنایا ہے کہ دوسرے مروجہ طریقہ ہائے استدلال سب ہیچ ہو گئے اور شاید پہلی مرتبہ حقیقت نکھر کر سامنے آئی کہ سب ہی شعبہ ہائے زندگی میں قرآن حکیم کے فہم میں جہاں متکلمین، فقہا اور دوسرے فرقوں نے ٹھوکریں کھائیں ان مقامات کی خود تفسیر فرمادی جس میں سب علمی و عقلی مغالطوں کے پردے چاک کر دیے۔[2]

فضائل واوصاف

اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو اوصاف حسنہ سے متصف کیا تھا۔ حافظہ، علم، تقویٰ، خشیت، زہد، قناعت، صبر، جرأت، اتباع سنت، اجتناب از بدعت، اعلائے کلمۃ الحق اور جہاد آپ کی زندگی اور ذات کے ممتاز اوصاف تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ''تذکرہ'' میں علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں ذہبی کی ایک تحریر

Marfat.com

نقل کی ہے:

''ابن تیمیہ کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ مجھ جیسا شخص ان کی سیرت و فضیلت بیان کرے، خدا کی قسم اگر میں خانہ کعبہ میں عین رکن و مقام کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ میری آنکھوں نے ان کی مثل نہیں دیکھا تو میری قسم سچی ہوگی اور میرے لیے کفارہ یمین نہیں ہوگا۔''[۴]

علامہ ابن تیمیہ کی وفات سے اٹھائیس سال پہلے جب ان کی عمر ۳۹ سال کی تھی علامہ ابو حیان نے ان کو دیکھ کر عربی کے چھ اشعار پڑھے تھے جن کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

۱۔ جب ہمارے پاس تقی الدین (ابن تیمیہ) آئے ہم سمجھ گئے کہ وہ اللہ کی طرف بلانے والا ایک فرد ہے اور اس کا کوئی نظیر نہیں۔

۲۔ اس کے چہرے پر ان لوگوں کا سا نور ہے جو خیر البریہ (رسول اللہ ﷺ) کی صحبت میں رہ چکے ہیں، اس کے نور کے سامنے چاند کا نور کم تر ہے۔

۳۔ وہ ایسے حبر (بہت بڑے عالم) ہیں کہ زمانے نے ان کو اپنا جامہ بنالیا ہے اور وہ ایسے سمندر ہیں کہ جس کی موجوں سے موتی بکھرتے ہیں۔

۴۔ ہماری شریعت کی مدد کے واسطے سید تیم (ﷺ) کے اس موقف پر کھڑے ہوئے ہیں جب کہ مفر نے نافرمانی کی تھی۔

۵۔ انھوں نے اس وقت حق کا اظہار کیا جب کہ حق کے آثار مٹ چکے تھے اور شرک اس وقت ٹھنڈا کیا جب اس کے شرارے پھیل گئے تھے۔

۶۔ ہم کسی حبر (بہت بڑے عالم) کی آمد کا ذکر کیا کرتے تھے۔ لو، وہ امام جس کا انتظار کیا جارہا تھا تم ہی ہو۔[۵]

مقدمہ فی اصول تفسیر

عبدالرزاق ملیح آبادی لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے ان گنت احسانات میں سے یہ کتاب بھی بہت بڑا احسان اور ایک انمول تحفہ ہے۔ گنتی کے ان چند صفحات میں علوم و

Marfat.com

معارف کے خزانے لٹا دیے گئے ہیں اور امت کو بتا دیا ہے کہ کتاب اللہ کو کس طرح سمجھنا چاہیے اور قرآن حکیم کی کس طرح تفسیر کرنی چاہیے۔

مسلمانوں کی ایک بدنصیبی یہ ہوئی کہ کتاب اللہ کو ہدایت نامہ سمجھنے کی جگہ اسے بحث وجدل، علمی تبادلے اور اظہار قابلیت کا ذریعہ بنالیا گیا۔ تفسیروں کے انبار لگ گئے اور ان تفسیروں نے کتاب اللہ کے اصل مفہوم اور مقصد پر پردے ڈال دیے۔

پرانے وقتوں میں یونانی فلسفے، ایرانی اوہام اور ہندی تصوف کے جال پھیلے ہوئے تھے اور موجودہ زمانے میں یورپ کی ذہنی غلامی نے عقلوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور یورپ کی خرافات کو بھی حقائق سمجھ لیا گیا ہے۔ کتاب اللہ کو توڑ مروڑ کر یورپین نظریوں پر منطق کرنے کا ایک جنون پھیلا ہوا ہے۔ کوئی ڈارون کی تھیوری قرآن سے ثابت کرتا ہے اور کوئی آئنسٹائن کے نظریے کو قرآن پر چسپاں کرتا ہے۔ حالانکہ کتاب اللہ کا مقام اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے کہ اسے انسانی تخیلات کا تابع بنایا جائے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ انسانی تخیلات کو اس کے تابع بنایا جائے۔ یہ کتاب انسانی ہدایت کے لیے آئی ہے اور اس سے ہدایت ہی حاصل کرنا چاہیے تھا۔ قرآن حکیم عقل سلیم کے عین مطابق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ علماء یورپ کے جملہ نظریات واوہام کی کسوٹی پر بھی پورا اترے۔

تفسیر میں گمراہی کا سبب اسی بنیادی حقیقت کو بھول جانا ہے کہ قرآن کے مطالب وہی ہیں جو اس کے مخاطب اول نے سمجھے اور سمجھائے ہیں۔ قرآن محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور قرآن بس وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سمجھا اور سمجھایا ہے۔

بے شک قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے مگر کیا ہر شخص اس کی تفسیر کر سکتا ہے جو عربی زبان کا عالم ہے؟ تفسیر کے لیے محض عربی لغت کا علم کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ ماحول بھی سامنے ہو جس میں قرآن اترا تھا کیوں کہ ماحول کی تبدیلی سے الفاظ کی تشریح وتوضیح میں بہت تبدیلیاں آجاتی ہیں، اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ مفسر کو اسلامی اصطلاحوں پر عبور ہو، اسلامی روح سے کماحقہ واقفیت ہو، لیکن پھر بھی تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی جب تک رسول اللہ ﷺ کی ذات سے معرفت حاصل نہ کی جائے۔ کیوں کہ قرآن کے تنہا شارح اور مفسر رسول اللہ ﷺ ہی

Marfat.com

ہیں اور کوئی نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی اس کتاب میں یہ بھولی ہوئی باتیں بڑی خوبی سے یاد دلا دی ہیں اور وہ تمام اصول بیان کر دیے ہیں جو کتاب اللہ کی صحیح تفسیر کے لیے ضروری ہیں۔ [۱]

امام تیمیہ اس کتاب میں خود اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض احباب نے مجھ سے درخواست کی کہ ایک ایسا مقدمہ لکھ دوں جو قوائد کلیہ پر حاوی ہو، قرآن کی فہم اور اس کی تفسیر و معانی کی معرفت میں معین ہو، اس بارے میں منقول و معقول، حق اور باطل کی تمیز کرنے والا اور قیل و قال میں فیصلہ کن، دلیل کی راہ دکھانے والا ہو۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ کتب تفسیر میں رطب و یابس کی بھرمار ہے۔'' [۲]

''مقدمہ اصول تفسیر'' کا اصل متن عربی میں ہے، اس کا اردو ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادیؒ نے کیا ہے اور تعلیق و تقریب (علامہ) محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے کی ہے۔

مضامین کتاب

- ☆ اپنے مقدمہ کے آغاز میں امام ابن تیمیہ نے علم کی دو قسمیں بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ علم دو ہی طرح کا ہے جو یا تو نبی ﷺ کی طرف سے سچی روایت کے ساتھ منقول ہو یا پھر دلیل معلوم اس کی پشت پناہی کر رہی ہو۔ ان دونوں قسموں کے علاوہ جو کچھ بھی ہے امام تیمیہ اس کو کھوٹا سکہ قرار دیتے ہیں۔
- ☆ اس کے بعد ابن تیمیہ نے قرآنی آیات کے حوالوں سے قرآن کے فضائل اور اس کو سمجھنے کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے۔
- ☆ مصنف نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ نبی ﷺ نے سورہ نحل کی آیت نمبر ۶۴ کی روشنی میں جہاں صحابہ کو قرآنی الفاظ بتائے اسی طرح قرآن کے معنی بھی بتائے۔ اس طرح سے قرآن کی تفسیر کا آغاز دور رسالت سے ہی ہو گیا تھا۔
- ☆ جہاں تک تفسیر صحابہ کا تعلق ہے ان میں بہت کم اختلاف تھا۔ تابعین میں مجاہدؒ کا مقام بہت مستند ہے کیوں کہ وہ براہ راست حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد تھے۔

Marfat.com

☆ بعض اوقات تفسیر میں اختلاف شان نزول کے تعین کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ اگر کسی آیت کا سبب نزول معلوم اور متعین ہے اور اگر وہ امر یا نہی کی آیت ہے تو اس کا حکم یقیناً ان سب لوگوں پر جاری ہوگا جو متعین شخص یا حادثے سے ملتے جلتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی آیت میں مدح یا مذمت کی بناء پر کوئی خبر ہے تو وہ بھی اس شخص کے مشابہ تمام لوگوں کے حق میں ہوگی۔

☆ قرآن میں مترادفات کا ذکر کرتے ہوئے امام تیمیہ نے لکھا ہے کہ قرآن میں ایک ہی مطلب کے لیے دو مترادف الفاظ مشکل سے ملیں گے جو کہ بالکل ہم معنی ہوں البتہ قریب المعنی ضرور ملیں گے اور سلف نے بھی اپنی تفاسیر میں یہی اسلوب اپنایا ہے جس کی وجہ سے ان کی تفاسیر میں اختلافات بہت کم ہیں۔

☆ اسرائیلیات کے بارے میں ان کا موقف ہے کہ جب تک ان کی صحت پر کوئی قطعی دلیل موجود نہ تب تک اسرائیلیات کی تصدیق جائز ہے نہ تکذیب۔

☆ ابن تیمیہ تفسیر میں اہل مکہ مفسرین صحابہ کی روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔

☆ آپ کے نزدیک صحت روایت کا معیار یہ ہے کہ جب دو راوی ایک ہی بات کو روایت اور درایت کے معیار کے مطابق بیان کر رہے ہوں تو وہ قابل یقین ہے۔ طویل روایت میں قدر مشترک کو صحت کے لیے کافی قرار دیتے ہیں۔

☆ امام تیمیہ کہتے ہیں کہ کتب تفسیر میں موضوع احادیث کی بہت بھرمار ہے۔

☆ بدعتی لوگوں کے بارے میں ابن تیمیہ کا قول ہے کہ یہ محض اپنی رائے اور گمان سے آیات کی تاویلیں کرتے ہیں اور کبھی اپنے عقائد کے خلاف پڑنے والے احکام کی وجہ سے تحریف کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔

☆ مقدمہ اصول تفسیر میں امام تیمیہ نے معتزلہ کے عقائد کو بھی بیان کیا ہے اور ان کو صفات الٰہیہ کے منافی قرار دیا ہے۔

☆ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ تفسیر میں ہمیں ایسے مفسروں سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا جو الفاظ کی فصاحت و بلاغت کے مالک ہوتے ہیں۔ تفسیر میں عبارات کو اتنا حسین انداز میں

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ باطل حقائق و بدعات بھی اسی لفاظی میں چھپا دیتے ہیں۔

☆ کتاب کے آخر میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ تفسیر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔ کیوں کہ قرآن میں ایک جگہ جو مضمون مجمل ہے دوسری جگہ مفصل مل جائے گا، ایک جگہ اختصار ہے تو دوسری جگہ تفصیل مل جائے گی۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو سنت کی طرف رجوع کرو جو قرآن کی شرح و تفسیر کرتی ہے۔ بالفرض ہمیں کسی حکم کی قرآن اور سنت میں بھی وضاحت نہ ملے تو اس کی جستجو اقوال صحابہ سے کرنی چاہیے۔ کیونکہ مخصوص قرائن و حالات کے مشاہدے کی وجہ سے وہ مطالب قرآن سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور مکمل فہم و عمل صالح کے مالک تھے اور بفرض محال اگر اقوال صحابہ میں بھی کوئی بات نہ ملے تو ایسی صورت میں اقوال تابعین کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے مثلاً مجاہدؒ کی طرف، جو علم تفسیر میں اللہ کی نشانی تھے۔

☆ ابن تیمیہ تفسیر بالرائے کو حرام کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ سلف صالحین تفسیر میں اپنی رائے کو اسی لیے دخل نہیں دیتے تھے کہ یہ کتاب اللہ کا معاملہ ہے۔

۲۔ الاتقان فی علوم القرآن از محمد جلال الدین السیوطی

ابو الفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر کمال الدین بن محمد جلال الدین السیوطی یکم رجب ۸۴۹ ہجری بروز اتوار بعد نماز مغرب بمطابق ۱۳ اکتوبر ۱۴۴۵ء قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے آبا و اجداد بہت پہلے بغداد میں مقیم تھے اور علامہ سیوطی سے کم از کم نو پشت پہلے مصر کے شہر ''السیوط'' میں آ کر آباد ہو گئے اور اسی شہر کی نسبت سے ''السیوطی'' کہلائے۔ آپ کے والد ''مدرسہ الشیخونیہ'' میں فقہ کے مدرس تھے اور علامہ سیوطی کے پانچ چھ سال کی عمر میں ہی وفات پا گئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا جس کے بعد قاہرہ اور مصر کے نامور اساتذہ سے کسب فیض کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، معانی صرف و نحو، بیان اور طب وغیرہ میں خوب مہارت حاصل کی۔ اسی دوران ۸۶۹ ہجری بمطابق ۱۴۶۴ عیسوی میں فریضہ حج کی سعادت حاصل کی اور وہیں حجاز کی اساتذہ اور شیوخ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔

Marfat.com

علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت حاصل ہوئی تو انھیں ان کے استاد علامہ بلقینی کے کہنے پر مدرسہ شیخونیہ میں فقہ کے استاد کی حیثیت سے اسی عہدہ پر مقرر کیا گیا جہاں ان کے والد ان سے پہلے متعین تھے۔ ۸۹۱ ہجری بمطابق ۱۴۸۶ عیسوی میں انھیں اس سے اہم مدرسہ البیبرسیہ میں منتقل کیا گیا جہاں وہ ۱۵ سے ۱۶ سال تک دور دراز سے آنے والے تشنگان علم کی پیاس بجھا کر انھیں علم دین کا روشن چراغ بناتے رہے۔ رجب ۹۰۶ ہجری بمطابق ۱۵۰۱ عیسوی میں علامہ سیوطی نے جزیرہ نیل کے ایک گوشہ ''الروضہ'' میں خلوت اختیار کر لی اور آخر حیات تک وہیں مقیم رہے۔

علمی خدمات

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی علمی و تصنیفی خدمات بہت ہمہ گیر ہیں۔ انھوں نے علم کے تمام شعبوں میں دسترس حاصل کی اور ان میں تقریباً ہر ایک پر قلم اٹھایا۔ ان کی تصانیف کی تعداد عقد الجواہر میں ۵۷۴ بتائی گئی ہے۔ اس علمی سرمائے میں ضخیم کتابیں اور چھوٹے چھوٹے رسائل دونوں طرح کی تالیفات شامل ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کی تحریروں کو ایک خاص امتیاز یہ حاصل ہے کہ وہ علوم وفنون کے تقریباً تمام شعبوں پر حاوی ہیں اور ان میں علوم و معارف کے بہت نایاب موتی ہیں۔

علامی سیوطی کو یوں تو علوم شریعت، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، لغت، تاریخ اور تصوف سے مناسبت تھی اور ان میں سے ہر موضوع پر ان کی کتاب موجود ہے مگر علم قرآن اور تفسیر قرآن سے آپ کو خاص شغف حاصل تھا اور اس رشتے سے انھوں نے خدمت قرآن کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

قرآن و تفسیر پر ان کی چند مشہور کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ **ترجمان القرآن فی النفیس المسند للقرآن**: جس میں انھوں نے وہ تمام احادیث جمع کر دی ہیں جن کا تعلق قرآن پاک کی تفسیر سے ہے۔

۲۔ **تفسیر الدر المنثور فی التفسیر الماثور**: یہ ایک طرح سے پہلی کتاب کا خلاصہ ہے۔

Marfat.com

۳۔ مضحمات القرآن فی مبہات القرآن: اس میں قرآن حکیم کی مشکل آیات کی تشریح کی گئی ہے۔

۴۔ لباب النقول فی اسباب النزول : یہ کتاب قرآن حکیم کی مختلف سورتوں کے شان نزول پر لکھی گئی ہے۔

۵۔ مجمع البحرین و مطلع البدرین: یہ ایک عظیم اور مبسوط تفسیر تھی جسے علامہ سیوطی نے لکھنا شروع کیا مگر ناپید ہے۔

۶۔ التحبیر فی علوم التفسیر :ان کی بڑی تفسیر ''مجمع البحرین و مطلع البدرین'' کا مقدمہ ہے۔

۷۔ تفسیر الجلالین :علامہ سیوطی کی مقبول عام تفسیر ہے جو عرصہ دراز سے مدارس اسلامیہ کے درس نظامی میں داخل ہے۔ یہ علامہ کے استاد علامہ جلال الدین محلی نے لکھنی شروع کی تھی مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی اور تفسیر مکمل نہ ہوئی تو باقی تفسیر ان کے فاضل شاگرد علامہ جلال الدین سیوطی نے مکمل کی کیونکہ استاد اور شاگرد دونوں کا نام جلال الدین تھا اس لیے یہ تفسیر ''جلالین'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

۸۔ معترك القرآن فی اعجاز القرآن: یہ علامہ سیوطی کی اعجاز القرآن کے موضوع پر عمدہ تصنیف ہے۔

۹۔ الاتقان فی علوم القرآن: یہ اصول تفسیر کے موضوع پر علامہ سیوطی کی بلند پایہ تصنیف ہے۔[۵]

الاتقان فی علوم القرآن

کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' کے آغاز میں حاجی خلیفہ نے ''الاتقان'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''اس کتاب کی ابتدا ''الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب'' سے ہوتی ہے اور یہ شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن ابن ابی بکر سیوطی کی تحریر کردہ ہے۔ یہ کتاب ان کے علمی آثار

Marfat.com

میں عمدہ ترین اور مفید تر ہے۔ اس کتاب میں علامہ سیوطی نے اپنے شیخ کافجی کی تصنیف اور علامہ بلقینی کی مواقع العلوم اور علامہ زرکشی کی البرہان فی علوم القرآن کے علوم کو خاص طور پر جمع کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف ''التحبیر'' پر اضافہ کرنے کے بعد ۸۰ انواع پر مشتمل ''الاتقان'' تحریر فرمائی، جو درحقیقت ان کی بڑی تصنیف ''مجمع البحرین'' کا مقدمہ ہے۔''[۶]

علامہ جلال الدین سیوطی کی دو جلدوں پر مشتمل اصول تفسیر کے موضوعات پر یہ انتہائی بلند پایہ تصنیف ہے، جس میں علامہ نے نہایت باریک بینی کے ساتھ علوم تفسیر اور شرائط تفسیر پر روشنی ڈالی ہے جو کہ علمائے تفسیر کے لیے ایک مستند سنگ میل ہے۔

وجہ تالیف

''الاتقان فی علوم القرآن'' کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے علامہ خود لکھتے ہیں ''میں اپنے زمانہ طالب علمی میں اس بات کو خیال کر کے سخت متحیر ہوا کرتا تھا کہ علمائے متقدمین نے سب کچھ کیا مگر انھوں نے قرآن کے علوم میں کوئی خاص کتاب مدون نہیں کی حالانکہ علم الحدیث میں ان کی اس وضع کی تصانیف موجود ہیں۔ ایک دن میں نے اپنے استاد اور شیخ علامہ زمان عبداللہ محی الدین کو یہ فرماتے سنا کہ انھوں نے علوم تفسیر میں ایک بے مثال کتاب ترتیب دی ہے اور ویسی کتاب آج تک کبھی نہیں لکھی گئی ہے۔ مجھے شوق پیدا ہوا اور میں نے اس کتاب کی نقل ان سے حاصل کی۔ یہ ایک بے حد مختصر رسالہ تھا اور اس کے تمام مضامین کا ماحصل یہ تھا کہ اس میں دو باب تھے پہلا باب تفسیر، تاویل، قرآن، سورۃ اور آیت کے معانی کے بیان میں تھا اور دوسرا باب تفسیر بالرائے کی شرائط کے ذکر میں۔ پھر ان دونوں ابواب کے بعد ایک خاتمہ تھا جس میں عالم اور متعلم کے ابواب مذکور تھے۔ اس رسالے سے میری تشنگی شوق کچھ بھی فرو نہ ہوئی اور اپنی منزل مقصود تک رسائی کا کوئی راستہ اس سے نہ مل سکا۔ اس کے بعد ہمارے شیخ اور مشائخ اسلام کے سرکردہ عالم علم الدین بلقینی نے اپنے بھائی قاضی القضاۃ جلال الدین کی تصنیف کی ہوئی ایک کتاب کا مجھے پتہ دیا جس کا نام مواقع العلوم من مواقع النجوم تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ کتاب واقعی مجھے ایک قابل قدر اور عمدہ کتاب لگی۔ قاضی جلال الدین نے اس کتاب میں پچاس انواع پر بات کی اور ہر نوع کے

Marfat.com

ساتھ کچھ مختصر سا بیان بھی کیا تھا۔ مگر ان کا بیان اس قدر نا کافی تھا کہ اس پر ضروری اضافے کرنے کی حاجت اور مزید تشریح کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے میں نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جس کا نام تحبیر فی علوم تفسیر رکھا۔ جس میں علامہ بلقینی کی بیان کی ہوئی انواع کو ان پر اتنا ہی اور اضافہ کر کے درج کیا۔ اس کے ساتھ بہت سے فائدے بھی بڑھائے جو میری دماغ سوزیوں کے نتیجے تھے۔ چونکہ علوم قرآن خارج از شمار اور ان کے معانی انداز وقیاس سے باہر ہیں اس لیے ان میں جس قدر ہو سکے توجہ کرنی چاہیے۔ لہٰذا میں نے ایک اور کتاب البرھان فی علوم القرآن دیکھی جس کو علامہ زرکشی نے تصنیف کیا تھا۔ اس کے مطالعے کے بعد مجھے کمال مسرت ہوئی کہ ہنوز میرے کام کرنے کا بہت موقع ہے۔ بالآخر جس تصنیف کا خیال میرے دل و دماغ پر قابض تھا۔ اس کو مرتب کرنے میں مصروف ہو گیا یہاں تک کہ یہ کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' مکمل کر لی جو فوائد اور مضامین کے لحاظ سے اپنی مثال آپ کہی جا سکتی ہے۔ میں نے اس کتاب میں زرکشی کی البرھان سے کہیں بہتر انواع کو پیش کیا۔ میں نے اس کتاب کو دراصل اپنی بڑی اور مبسوط تفسیر کا مقدمہ بنایا ہے۔''

ترتیب مضامین ''الاتقان''

''الاتقان فی علوم القرآن'' کی پہلی نوع میں مکی اور مدنی آیات کی شناخت، اہمیت، مقامات نزول کے اعتبار سے آیات قرآنیہ کی اقسام بیان کرنے کے بعد یہ واضح کیا گیا ہے کہ مکی و مدنی آیات کی شناخت کے لیے مدار اور معیار اقوال صحابہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کے مطابق مکی و مدنی آیات کی تقسیم اور ترتیب بیان کی گئی ہے اور آخر میں مکی سورتوں میں مدنی آیات اور مدنی سورتوں میں مکی آیات کی فہرست دی گئی ہے تا کہ مفسر کو تفسیر کرتے وقت اصول کے طور پر تمام آیات کا الگ الگ پس منظر پیش نظر رہے۔

''الاتقان'' کی دوسری نوع میں قیام اور سفر کے دوران نازل ہونے والی آیات کی نشاندہی کی گئی ہے تا کہ تفسیر میں لحاظ رہے اور مضامین کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں تجزیہ کرنے میں آسانی رہے۔

Marfat.com

تیسری نوع میں دن اور رات کے وقت نازل ہونے والی آیات کی پہچان اور تقسیم کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وحی کا اکثریتی حصہ دن کے وقت نازل ہوا ہے۔ نہایت تحقیق وتلاش کے بعد رات کے وقت نازل ہونے والی آیات کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس موقف کی تردید کی گئی ہے کہ رات کے وقت کوئی وحی نہیں آئی اور سارا قرآن دن ہی کے وقت نازل ہوا ہے۔

چوتھی نوع میں موسم گرما اور سرما کے دوران نازل ہونے والی آیات کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

پانچویں نوع میں ان آیات کا انتخاب کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جاگنے کی حالت میں نازل ہوئیں اور دوسری وہ آیات جن کا نزول حالت خواب، استراحت یا پلک جھپکنے کی حالت میں ہوا۔

چھٹی نوع ارضی اور سماوی آیات کے بارے میں ہے۔ آغاز میں ہی ابن عربی کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ قرآن کے مختلف حصے مختلف جگہوں پر نازل ہوئے۔ بعض ٹکڑے زمین پر اترے۔ کوئی جزو آسمان و زمین کے مابین، کچھ حصہ زیر زمین غار کے اندر نازل ہوا۔

ساتویں نوع قرآن کے سب سے پہلے نازل ہونے والے حصہ کے بارے میں ہے۔

آٹھویں نوع میں قرآن کے سب سے آخر میں نازل ہونے والے حصے کے بارے میں تحقیق بیان کی گئی ہے اور اس بارے میں مختلف اقوال اور روایات پیش کی گئی ہیں۔

نویں نوع قرآنی سورتوں اور آیات کے اسباب نزول کے بارے میں ہے۔ اور تفسیر قرآن کے موقعہ پر اسباب نزول کو جان لینے کے فوائد پر بحث کی گئی ہے۔

دسویں نوع میں قرآن کے ان حصوں کا بیان ہے جو بعض صحابہ کی زبان پر جاری ہوئے اور وہ حصے جو غیر اللہ کی زبان پر جاری ہوئے۔

گیارھویں نوع میں پر علامہ سیوطی نے تکرار نزول کی وجوہات بیان کی ہیں۔

بارھویں نوع میں ان آیات کا بیان ہے جن کا حکم ان کے نزول یا جن کا نزول ان کے حکم سے موخر ہوا ہے۔

Marfat.com

تیرھویں نوع علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن حکیم کے ان حصوں کا ذکر کیا ہے جن کا نزول علیحدہ علیحدہ ہوا یا جن کا نزول اکٹھے ہوا۔

چودھویں نوع میں قرآن کی ان سورتوں کے بارے میں تحقیق ہے جن کے نزول کے وقت فرشتوں کی عظیم تعداد ساتھ اترنے کی روایات ہیں۔

پندرھویں نوع میں قرآن کے ان حصوں کا بیان ہے جو سابقہ انبیاء پر بھی نازل ہوئے اور وہ حصے جن کا نزول آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی پر نہیں ہوا۔

سولہویں نوع میں قرآن اتارے جانے کی مختلف صورتیں اور کیفیات بیان کی گئی ہیں۔

سترھویں نوع قرآن اور اس کے سورتوں کے اسماء اور وجہ تسمیہ کے بارے میں ہے۔ یہاں پر علامہ سیوطی نے قرآن کے ان پچپن ناموں کی فہرست دی ہے جو خود قرآن کی آیات میں مذکور ہیں۔ نیز سورتوں کے ناموں کے ساتھ ان سورتوں کی بھی تفصیل ہے جن کے ایک سے زیادہ نام آئے ہیں۔

اٹھارویں نوع قرآن کی جمع اور اس کی ترتیب کے بارے میں ہے۔ تمام ادوار میں تدوین قرآن کی مکمل بحث ہے۔

انیسویں نوع قرآن کی سورتوں، آیتوں، کلمات اور حروف کی تعداد کے بارے میں ہے۔

بیسویں نوع قرآن کے حفظ اور قرائتوں کے بارے میں ہے۔

اکیسویں نوع میں علوم اسناد کی پانچ سندیں بیان کی گئی ہیں۔

بائیسویں سے لے کر ستائیسویں نوع تک متواتر، مشہور، موضوع اور مدرج قرائتیں بیان کی گئی ہیں۔

اٹھائیسویں نوع میں وقف، ابتداء، اس فن کی اہمیت، اس علم کی ضرورت، فوائد اور قسمیں بیان کی گئی ہیں جو کہ تفسیر کے بنیادی اصول اور آداب ہیں۔

انتیسویں نوع میں ان آیات کا بیان ہے جو لفظاً موصول مگر معنی کے لحاظ سے مفعول ہیں۔

Marfat.com

تیسویں نوع میں امالہ اور فتح کا بیان ہے (امالہ اور فتح عرب کی دو لغتیں ہیں جن کی بول چال میں قرآن حکیم نازل ہوا۔)

اکتیسویں نوع سے تینتیسویں نوع تک ادغام، اظہار، اخفاء، اقلاب، مد، قصر، کسر، ہمزہ وغیرہ کی اقسام، اہمیت اور ان اصطلاحات کے متعلق علماء کے اقوال بیان کیے گئے ہیں۔

چونتیسویں نوع قرآن کے تحمل کی کیفیت کے بارے میں ہے۔ اس باب میں قرأت کی تین کیفیتیں ترتیل وتحقیق کے مابین فرق اور شرائط سے متعلق امور پر بحثیں ہیں۔

پینتیسویں نوع میں قرآن حکیم کی تلاوت اور اس کی تالیف کے آداب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چھتیسویں نوع میں قرآن کے غریب یعنی غیر مانوس الفاظ کی بحث ہے۔

سینتیسویں نوع میں قرآن میں استعمال ہونے والے غیر حجازی زبان کے عربی الفاظ دیے گئے ہیں یعنی عرب کے مختلف قبائل اور ممالک کی زبانوں کے ان الفاظ کا بیان ہے جو قرآن میں آئے ہیں۔

اڑتیسویں نوع میں قرآن مجید کے غیر عربی الفاظ کا استعمال اور ان کے متعلق ائمہ کا اختلاف بیان کیا گیا ہے۔

انتالیسویں نوع میں وجوہ اور نظائر کا بیان ہے۔

چالیسویں نوع میں ان ادوات (یعنی حروف اور ان کے ہم شکل اسماء، افعال اور اسماء ظروف وغیرہ) کا بیان ہے جن کا جاننا ایک مفسر کے لیے انتہائی اہم ہے۔

اکتالیسویں نوع میں اعراب قرآن کی بحث ہے۔

بیالیسویں نوع میں مفسر کے لیے ضروری اور اہم قواعد بیان کیے گئے ہیں۔

تینتالیسویں نوع میں محکم ومتشابہ کی بحث ہے۔ محکم اور متشابہ کے تعین کے لیے سولہ اقوال نقل کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نوع میں قرآن مجید کے حروف مقطعات کی توجیہات بھی پیش کی گئی ہیں۔

Marfat.com

چوالیسویں نوع میں قرآن حکیم میں مقدم وموخر مقامات کی تحقیق ہے۔اس میں کلام کی تقدیم وتاخیر کی دو قسمیں اور کلام کو مقدم کرنے کے دس اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

پینتالیسویں نوع میں قرآن حکیم کے عام اور خاص کا بیان ہے اس کے علاوہ یہاں پر یہ بھی بحث ہے کہ قرآن میں یا ایھا النبی کے خطاب میں امت بھی شریک ہے یا نہیں۔اسی طرح یا ایھا الناس کے خطاب میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں یا نہیں،یا ھل الکتاب کے خطاب میں مومنین بھی شامل ہیں یا نہیں اور یا ایھا الذین امنو کے خطاب میں اہل کتاب بھی شامل ہیں یا نہیں۔

چھیالیسویں نوع میں علامہ سیوطی نے قرآن کا مجمل اور مبین حصہ بیان کیا ہے۔

سنتالیسویں نوع میں ناسخ ومنسوخ کی بحث ہے۔نسخ اور ناسخ کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔

اڑتالیسویں نوع میں مشکل اور اختلاف وتناقص کا وہم دلانے والی آیات کا ذکر ہے۔

انچاسویں نوع میں مطلق اور مقید آیات کا بیان ہے۔

پچاسویں نوع میں قرآن منطوق اور قرآنی مفہوم کا بیان ہے۔

اکاون ویں نوع میں قرآن کے وجوہ مخاطبات کا بیان ہے۔

باونویں نوع میں حقیقت اور مجاز کا بیان ہے۔

ترپن ویں نوع میں قرآن حکیم کی تشبیہات واستعارات کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

چون ویں نوع میں قرآن کے کنایات اور اس کی تعریفیں پیش ہیں۔

پچپن ویں نوع میں قرآن کی تفصیل اور اختصاص کا بیان ہے۔

چھپن ویں نوع میں ایجاز اور اطناب کا بیان ہے۔

ستاون ویں نوع میں خبر اور قرآن کی انشاء کا بیان ہے۔

اٹھاون ویں نوع میں قرآن کے بدائع کی سو انواع کا بیان ہے۔

Marfat.com

انسٹھویں نوع آیات کے بارے میں ہے۔

ساٹھویں نوع میں بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کی سورتوں کا افتتاح انواع کے ساتھ ہوا ہے۔

اکسٹھویں نوع سورتوں کے اختتام کے بارے میں ہے۔

باسٹھویں نوع آیتوں اور سورتوں کی مناسبت کے بیان میں ہے۔

تریسٹھویں نوع میں آیتوں کے باہم مشابہ لانے کا مقصد اور چند متشابہ آیات کی مناسبت کی توجیہ کی گئی ہے۔

چونسٹھویں نوع قرآن کے اعجاز کے بارے میں ہے اور دلائل سے بتایا گیا ہے کہ قرآن میں کس لحاظ سے اعجاز پایا جاتا ہے۔

پینسٹھویں نوع میں قرآن حکیم کے منضبط علوم کا بیان ہے جس میں علم التفسیر، علم نحو، فن قرأت، علم الاصول، علم اصول فقہ اور علم النجوم وغیرہ شامل ہیں۔

چھیاسٹھویں نوع قرآن میں استعمال ہونے والی ضرب الامثال کے بارے میں ہے۔

ستاسٹھویں نوع میں قرآن میں کھائی جانے والی قسموں کا بیان ہے۔ اور مختلف مقامات پر کھائی جانے والی قسموں کی اہمیت اور حکمت بیان کی گئی ہے۔

اڑسٹھویں نوع قرآن کے دلائل و براہین کی انواع پر مشتمل ہے۔

انہترویں نوع میں بتایا گیا ہے کہ قرآن میں کون سے اسماء و کنیتیں اور القاب واقع ہیں۔

سترویں نوع میں بتایا گیا ہے کہ قرآن میں جو بعض مقامات پر ابہام آئے ہیں ان کی وجوہ کیا ہیں۔

اکہترویں نوع میں بتایا گیا ہے کہ قرآن میں کون سے افراد مقدسہ کے بارے میں بھی کچھ آیات نازل ہوئی ہیں اور کون سی ہیں۔

بہترویں نوع میں قرآن اور مختلف سورتوں کے مختلف فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

تہترویں نوع میں قرآن کا افضل حصہ اور اس کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

چوہترویں نوع میں مفردات قرآن بیان کیے گئے ہیں۔

پچھترویں نوع میں خواص قرآن حکیم یعنی مختلف بیماریوں کی صورت میں قرآن کی آیات کا بحیثیت شفاء ہونا بیان کیا گیا ہے۔

چھہترویں نوع میں قرآن حکیم کا رسم الخط اور اس کی کتابت کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔

ستترویں نوع میں قرآن کی تفسیر وتاویل کی معرفت اور اس کی ضرورت وفضیلت کا بیان ہے۔

اٹھہترویں نوع میں تفسیر کی شرائط وآداب بیان کی گئی ہیں۔

اناسی ویں نوع صائب تفسیر سے متعلق ہے۔

اسی ویں نوع میں طبقات مفسرین اور تفسیر قرآن سے متعلق روایات واحادیث کا بیان ہے۔

یہ علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' کا اجمالی تعارف ہے۔

کتاب کی موضوعاتی انواع سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب اصول تفسیر کے حوالے سے کس قدر بلند مقام رکھتی ہے اور اس کے مطالعہ سے ایک مفسر کے سامنے علوم القرآن اور تفسیر کے حوالے سے کتنے دقیق نقطے سامنے آتے ہیں اور واقعی ان تمام جزئیات قرآن کے فہم کے ساتھ اگر تفسیر کی جائے تو وہی اصل تفسیر ہوگی۔

''الاتقان'' کے بارے میں علامہ سیوطی کا اپنا اعتراف

''الاتقان فی علوم القرآن'' کے بارے میں خود علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں ''خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر اور سپاس ہے کہ اس نے اپنی عنایت سے مجھ کو اس بے مثال کتاب کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ورنہ اس کو ترتیب دینا سخت دشوار تھا۔ اگر اس کی ترتیب اور تنظیم کو موتیوں کی لڑی سے تشبیہ دی جائے تو بجا ہے اور اس کو بے نظیر قرار دیا جائے تو روا۔ اتنے فوائد اور ایسی خوبیاں اس سے پہلے گزشتہ زمانوں کی کسی کتاب میں ہرگز جمع نہیں ہوئیں۔ میں نے اس میں مقررہ فوائد کی بنیاد پر کتاب منزل کے معانی کا فہم حاصل کرنے کی بنیاد رکھی ہے اور اس میں ایسی ایسی نادر باتیں درج کی ہیں جن کی مدد سے کتاب اللہ کے مقفل خزانے بآسانی کھولے جاسکتے

Marfat.com

ہیں۔ میں نے اس میں معقول کا خلاصہ کیا ہے اور منقول کا دریا کوزے میں بھر دیا ہے اور ہر ایک مقبول قول میں سے جو درست قول تھا وہ اس میں درج کیا ہے۔ انواع و اقسام کی علمی کتابوں کا عرق کھینچ کر میں نے اس کو مجموعہ عطر بنا دیا ہے اور تمام فنون سے چوٹی کے مسائل لے کر اس کو مرصع اور پرکار بنایا ہے۔ میں نے اس کی تدوین میں تفسیر کی کثیر التعداد کتابوں کے خرمن سے خوشہ چینی کی ہے اور فنون قرآن کے دریاؤں میں غوطے لگا لگا کر درہائے شہوار نکالے۔ لہٰذا اس میں وہ نادر باتیں مل سکتی ہیں جو کہ برسوں کی کتب بینی اور مطالعہ سے بھی حاصل نہ ہو سکیں۔ اور میں نے اس کی ہر ایک نوع کے تحت وہ تمام باتیں اکٹھی کی ہیں جو صدہا متفرق تالیفوں میں بکھری پڑی ہیں۔ مگر باوجود ان سب خوبیوں کے بھی میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرتا کہ میری یہ تالیف بے عیب اور ہر ایک خرابی سے پاک ہے کیونکہ انسان لاریب نقص کا محل ہے اور عیب سے پاک تو صرف میرے خدا کی ذات ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابن تیمیہ، اصول تفسیر، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، ص ۵۔

۲۔ ابن تیمیہ، اصول تفسیر، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، ص ۶۔

۳۔ ابن تیمیہ، اصول تفسیر، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، ص ۱۰۔

۴۔ آزاد ابوالکلام مولانا، تذکرہ، ص ۱۶۱۔۱۶۲۔

۵۔ فاروقی، شاہ ابوالحسن زید، مولانا، علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ناقد، مکتبہ سراجیہ، ڈیرہ اسماعیل خان، ص ۴۰۔

۶۔ عبدالرزاق ملیح آبادی، مترجم مقدمہ اصول تفسیر ابن تیمیہ، ص ۱۴-۱۳۔

۷۔ ماخوذ الاتقان (اردو) ادارہ اسلامیات لاہور۔

۸۔ الاتقان فی علوم القرآن (اردو) ادارہ اسلامیات لاہور، ص ۳۹۔

۹۔ الاتقان فی علوم القرآن (اردو) ادارہ اسلامیات لاہور، ص ۵۰۵۔

❀❀❀

Marfat.com

پندرھواں باب

الفوز الکبیر فی اصول تفسیر

اجمالی تعارف

''الفوز الکبیر فی اصول تفسیر'' حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ شہرہ آفاق تصنیف ہے جس میں آپ نے اصول تفسیر کے مختلف پہلوؤں پر نہایت فصاحت و بلاغت اور وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جلال الدین سیوطی اور کئی دوسرے قدیم و جدید اکابر علماء نے اصول تفسیر اور کئی دوسرے علوم قرآن پر بہت سا تحقیقی کام کیا ہے مگر اس موضوع پر جو علمی نکات مباحث اور حسن ترتیب ہمیں ''الفوز الکبیر فی اصول تفسیر'' میں ملتی ہے وہ کسی اور جگہ نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج علمائے قرآن اصول تفسیر کے باب میں الفوز الکبیر کو ایک بنیاد تسلیم کرتے ہیں۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے جس کے کل چار باب ہیں اور آخر میں ''فتح الخبیر'' کے نام سے عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ منسلک کر دیا گیا ہے جسے شاہ صاحب نے خود ہی الفوز الکبیر کا باب پنجم قرار دیا ہے اور اس میں اسباب نزول، ربط آیات، تفسیری احادیث و آثار اور آیات کے مفردات و مجملات کو معانی و مطالب کے ساتھ نہایت حسین اور دلچسپ انداز میں جمع کر دیا گیا ہے۔

باب اول

الفوز الکبیر کے پہلے باب میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی موضوعات و مباحث کو پانچ علوم میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ علم احکام۔ اس میں عبادات، معاملات، لباس و خوراک، معاشرت و تمدن اور معیشت و سیاست کے متعلق ان امور کا بیان ہے جو واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس علم کا تعلق فقہا سے ہے۔

۲۔ علم مناظرہ۔ علم کے اس دائرے میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے چار گمراہ طبقات کے ساتھ دلائل و مناظرہ سے متعلق بحثیں پیش کی گئی ہیں اور یہ متکلمین

Marfat.com

کے لیے بہت بڑی رہنمائی ہے۔

۳۔ علم تذکیر بآلا اللہ۔ اس میں قرآن کے وہ علوم ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان ہے۔ان کی تشریح علمائے راسخین اور مشائخ کا کام ہے۔

۴۔ علم تذکیر بایام اللہ۔ اس علم میں ان حالات وواقعات کا ذکر ہے جس میں فرماں برداروں کو اللہ کی نعمتوں سے نوازا گیا ہے اور نافرمانوں پر عذاب نازل کیا گیا ہے۔ اس علم کا تعلق واعظین وناصحین سے ہے۔

۵۔ علم تذکیر بالموت و مابعد الموت۔ وہ علم جس میں موت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات مثلاً حشر ونشر، حساب وکتاب، جنت اور دوزخ کے احوال بیان ہوتے ہیں۔اس کی تشریح واعظین اور مبلغین کا کام ہے۔

باب دوم

الفوز الکبیر کے دوسرے باب میں شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن کو سادہ اور آسان عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ جو عرب قرآن کو سنتے یا پڑھتے تھے وہ اس کی زبان کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے تھے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے آیات متشابہات کی کھوج لگانے سے لوگوں کو منع فرمایا اس لیے انھوں نے ان آیات کی فلسفیانہ تشریح وتوضیح کی خواہش نہیں کی۔ مگر جب غیر عرب اقوام نے اسلام قبول کیا تو ان کو قرآن حکیم کے مطالعے میں یہ مشکلات پیش آئیں۔

۱۔ بعض الفاظ کا مجمل ہونا۔

۲۔ آیات کی تنسیخ اور منسوخ آیات کے بارے میں لاعلمی

۳۔ بعض آیات کے سبب نزول سے لاعلمی

۴۔ نحوی اور لسانی مشکلات

قرآن حکیم کے مجمل الفاظ کے متعلق شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ اس قسم کے الفاظ کے معنی ہم تک حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے متعدد راویوں کے ذریعے پہنچے ہیں۔ جب کہ منسوخ آیات کے بارے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ شروع میں اہل علم لفظ نسخ سے بہت وسیع مفہوم لیتے تھے اور نتیجتاً ایسی آیات کی تعداد ان کے نزدیک پانچ سو سے کم نہیں تھی۔ سیوطیؒ نے ابن عربی کو سند قرار دے کر یہ تعداد بیس تک گھٹادی۔ شاہ صاحب نے اس میں اور بھی

Marfat.com

کمی کر دی اور ان آیات کی تعداد صرف پانچ رہ گئی۔

اس کے علاوہ الفوز الکبیر کے اس دوسرے باب میں قرآن کی زبان، اسلوب بیان، آیات کی ہیئت ترکیبی، محذوفات، تعریضات، استعارہ و کنایہ اور مجاز عقلی وغیرہ جیسے موضوعات پر بھی بحث کی گئی ہے۔

باب سوم

الفوز الکبیر کے تیسرے باب میں شاہ ولی اللہ نے قرآن حکیم کے اسلوب بیان کی خصوصیات وضاحت سے بیان کی ہیں۔ انھوں نے یہاں واضح کیا ہے کہ قرآن حکیم کا متن ایک باقاعدہ کتاب کی طرح باضابطہ طور پر مرتب نہیں کیا گیا۔ مزید اس باب میں عام نظم ونثر، ایک فصیح و بلیغ کلام کی کشش کا سبب، ساخت اور آیات قرآن کے نظم وتوازن کے باہمی فرق کے بارے میں بھی خصوصیت سے بحث کی گئی ہے۔

باب چہارم

الفوز الکبیر کے چوتھے باب میں فن تفسیر، اختلاف تفسیر کے اسباب، استنباط احکام، اعجاز قرآن اور قرآن پاک نوادر وغرائب پر بحث کی گئی ہے۔ شاہ صاحب نے اس باب میں قرآن حکیم کی ان سب تفسیروں پر جو اس وقت تک لکھی گئی تھیں ایک عام تبصرہ کیا ہے کہ مختلف مفسرین نے خود اپنی دلچسپیوں کو پیش نظر رکھ کر مختلف نقطہ ہائے نظر سے تفسیریں لکھیں ہیں۔ ان کی ذاتی دلچسپیوں کے رجحان کی وجہ سے قرآن حکیم کی اصل روح کو سمجھنے میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ اس رجحان سے نتیجہ یہ نکلتا کہ قاری اپنی توجہ آیات قرآن کے اصل مقصد سے ہٹا دیتا ہے اور ان آیات پر غور وفکر کے بجائے ساری توجہ یہ جاننے پر صرف کر دیتا ہے کہ قرأت قرآن کے اصول کیا ہیں۔[1]

حوالہ جات

۱۔ زبید احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ (ترجمہ شاہد حسین رزاقی) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۶۱۔

❀❀❀

Marfat.com

سولہواں باب

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مختصر عکس زندگی

کوئی معاشرہ ایک مستقل اجتماع کی حیثیت سے اس وقت تک نہیں پنپ سکتا جب تک اس کے پاس ایک جامع، مرتب اور مدون فلسفہ حیات نہ ہو۔ خالق کائنات نے یقیناً قرآن حکیم میں ہر دور کے لیے بنیادی اصول اجتماع، بنیادی اخلاق اور بنیادی روحانی اقدار انسانیت کی ہدایت کے لیے پیش کر دیں، ان سب کی عملی تشریح پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے کر دی اور ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت صحابہؓ نے قرآنی اصول واقدار پر مبنی معاشرہ قائم کر کے ایک عظیم الشان قومی اور بین الاقوامی حکومت بھی قائم کر کے دکھا دی۔ تاریخ اسلام کا یہ دور پوری انسانیت کے لیے ہمیشہ قابل تقلید رہے گا۔ بعد کے زمانہ میں ملت کی ہیئت اجتماعی میں بعض سیاسی تبدیلیوں کے سبب کچھ کمزوری ضرور پیدا ہوئی لیکن امت کے صلحاء و مجددین اس کی اصلاح کرتے رہے اور شخصی حکومتوں کے باوجود عوام کو بنیادی ضروریات سے کبھی بھی محروم نہیں رکھا گیا بلکہ بالعموم معاشی و معاشرتی عدل قائم رہا۔ کسی بادشاہ کو بھی اپنی ذات کی خاطر قرآنی اصول و قوانین میں ردو بدل کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر کبھی کسی بادشاہ نے قرآنی حدود سے باہر جانے کی کوشش کی تو اس وقت کے آئمہ دین نے اس بات کا فوراً ناقدانہ جائزہ لے کر کسی نہ کسی طرح اس کو ازالے کے لیے مجبور کر دیا۔ سترہویں صدی عیسوی تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اٹھارویں صدی میں جب ایک نئے دور کا آغاز ہوا تو اس نئے دور میں نئے سیاسی، اقتصادی اور سائنسی علوم دریافت ہوئے۔ ان علوم کے اثر سے مشینی دور کا آغاز ہوا۔ سیاست میں ملوکیت کی جگہ جمہوریت لینے لگی۔ علوم جدیدہ کے اثر سے عقل انسانی عمومی طور پر اس درجہ تک پہنچ گئی کہ وہ ہر بات کی حکمت اور گہرائی کی ٹوہ لگانے لگی اور کسی بات کو محض تقلیدی طور پر ماننے سے انکار کرنے لگی۔ اس دور کو لانے میں قرآن حکیم کے انقلابی فکر اور مسلم مفکرین کا عمل دخل تھا کیونکہ یہ نئی تحریک یورپ سے اٹھی اس لیے

Marfat.com

یورپی اقوام ہی اس کی پیش رو ہیں۔ان یورپی اقوام نے عیسائی کلیسا کی خلاف اس کی بدعنوانیوں کی وجہ سے بغاوت کردی۔ بدقسمتی سے اس بغاوت نے یورپی اقوام کے تعصب اور تنگ نظری کی وجہ سے عیسائی کلیسا کے خلاف بغاوت کا رنگ قائم رکھنے کی بجائے مطلق مذہب کے خلاف بغاوت شروع کردی جس کی وجہ سے تمام جدید علوم خاص مادی رنگ اختیار کر گئے۔اگرچہ نئے علوم انسان کی ترقی کے لیے ضروری تھے لیکن ان میں مادہ پرستی کا انتہا پسند عنصر انسانیت کے لیے سخت مضر تھا۔ان علوم اور ان سے پیدا ہونے والی حریت سے مسلح ہو کر یورپی اقوام بیدار ہوئیں اور اٹھارویں صدی میں ایشیا، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، شمالی اور جنوبی امریکہ کے براعظموں پر ٹوٹ پڑیں۔خاص طور پر انگریز قوم نے براعظم ہند پر قبضہ کر کے یہاں کی تمام دولت کو لوٹا اور اس دور کے ترقی یافتہ اور خوش حال ترین خطے کو ہر لحاظ سے کنگال کر دیا۔سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی یتیمی کے اس دور میں عالمگیرؒ کی وفات (۱۷۰۷ء) سے چار سال قبل ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء کو یوپی کے ضلع مظفر نگر کے قصبہ پھلت میں پیدا ہونے والے وہ عارف کامل، علوم شریعہ کے ماہر و محقق، میدان حکمت و عمل کے شاہسوار، محی السنّت، وارث کمالات نبوت، حجتہ اسلام حضرت قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ جو اپنے علم، فضل و کمال، حسن لیاقت، شہرت عام اور خداداد قابلیت کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اپنے عہد فتنہ خیز میں ایک نئی روشنی اور نیا ولولہ و جذبہ لے کر نمودار ہوئے۔جن کے بارے میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

''ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں عقلی تنزل پیدا ہوا۔اب اس لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا۔لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا جادو دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کا نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔''[1]

مولانا ابوالکلام آزاد شاہ ولی اللہ کو اٹھارویں صدی کا مجدد قرار دیتے ہیں۔اقبال انھیں عصر حاضر کی روح کو اولین طور پر محسوس کرنے والے قرار دیتے ہیں۔

سلسلۂ نسب

تاریخ عالم میں سرزمین ہند پر اٹھارویں صدی میں پیدا ہونے والا یہ وہ فرزند ہے جس کا

Marfat.com

سلسلۂ نسب والد کی طرف سے سیدنا عمرؓ بن الخطاب اور والدہ کی جانب سے حضرت موسیٰ کاظمؒ سے جاملتا ہے۔ جس کی نشاندہی وہ خود اپنے ایک رسالے میں اس طرح کرتے ہیں۔

''سلسلۂ نسب ایں فقیر ہا امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب میرسید، بایں طریق فقیر ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالمالک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد مالک بن ابوالفتح ملک بن محمد عمر حاکم بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ماہان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عظان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔''[۲]

ابتدائی تعلیم و تربیت

پندرہ سال کی عمر میں شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے مروجہ علوم کی تعلیم مکمل کر لی تھی اور اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے بیعت کر کے نقشبندی سلسلے میں داخل ہو گئے تھے اور دو سال کے بعد ہی اپنے والد کے جانشین ہو گئے۔ ۱۷۳۰ء میں آپ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے اور وہاں کے مشہور علماء اور محدثین سے تحصیل علم کیا۔ مدینہ منورہ میں انھوں نے نامور محدث ابو طاہر محمد بن ابراہیم سے سند حاصل کی۔ پھر دہلی واپس آنے کے بعد دوبارہ علمی و تعلیمی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کی شہرت صرف پاک و ہند تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اسلامی علوم کی تاریخ میں آپ نے ایسا مرتبہ اور مقام حاصل کیا کہ چاروں اطراف و کنار میں آپ کی شخصیت کو علمی میدان میں ایک سند مانا جانے لگا۔

علمی مرتبہ و مقام

شاہ صاحب کی علمی عظمت اور مرتبہ و مقام صرف دین اسلام کو حکیمانہ اسلوب سے پیش کرنے اور معقول و منقول میں امتیاز کرنے تک محدود نہ تھا بلکہ انھوں نے تفسیر قرآن حکیم، علوم حدیث، فقہ، تصوف، ملی سیاسی تاریخ، عمرانیات اور اپنے دور کے دوسرے مباحث پر بھی بہت کچھ لکھا۔ اور اس ضمن میں شاہ صاحب کی یہ خدمت بے مثال ہے کہ اس عہد تک مسلمانوں میں جو

Marfat.com

علوم وفنون مدون ہو چکے تھے ان کا احاطہ کیا۔ عہد زوال میں ان علوم کے اندر جو رطب و یابس جمع ہو گیا تھا اس کا جائزہ لیا۔ ہر علم میں جو مختلف مسائل اور اختلافات پیدا ہو گئے تھے ان کو حل کیا۔ ایک علم کا دوسرے علم سے اہل علم کے ایک گروہ کا جو دوسرے سے تضاد و نزاع پیدا ہو گیا تھا اسے سلجھایا اور اس طرح سے مسلمانوں کی علمی و فکری وراثت کو اس کے داخلی تنازعات سے پاک کر کے ایسی فکری وحدت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ بعد میں آنے والے اس وراثت کو اپنے فکر و عمل کی اساس بنا سکیں۔

شاہ صاحب نے یہ جو کچھ کیا آج سے تقریباً ڈھائی سو برس پہلے کیا۔ لازماً ان کی ان علمی و فکری کوششوں میں اس زمانے کے حالات، رجحانات اور افکار موثر رہے ہوں گے۔ خود شاہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے:

''میں خود اپنی ذات میں اکیلا ہوں، اپنی مٹی آپ ہی جمع کرتا ہوں، اپنے وقت کا پابند ہوں، اپنے ہی بخت کا شاگرد ہوں، اپنی ہی واردات کا اسیر ہوں اور جو ہاتھ آجائے اسے غنیمت سمجھتا ہوں۔''

غرض شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں اپنے وقت کا بھی لحاظ رکھا ہے اور آنے والے وقت کا بھی۔ ان کے ہاں اگر آفاقیت ہے تو ساتھ ہی ساتھ مقامیت بھی ہے، وہ جہاں عمومی و کلی اصولوں کی بات کرتے ہیں، وہاں ان کے سامنے خاص اپنے عہد، اپنے معاشرے اور اپنے ملک کے مخصوص احوال بھی رہے ہیں، یہی شاہ صاحب کا کمال ہے۔

شاہ صاحب بیک وقت حکیم و متکلم بھی تھے، مفسر و محدث اور مجتہد فقیہ بھی۔ علم تصوف پر ان کی گہری نظر تھی اور ایک عالم نفسیات کی طرح وانسانی نفس کی باریکیوں سے بھی واقف تھے۔ ان علوم کے ساتھ ساتھ ''حکمت عملی'' جسے آج عمرانیات کہا جاتا ہے، پر انھیں پورا عبور حاصل تھا۔

ان علمی کمالات کے علاوہ شاہ صاحب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک عالم ربانی، مفکر و حکیم اور صوفی و مرشد ہونے کی حیثیت سے صرف درس و تدریس، تصنیف و تالیف، غور و فکر اور ریاضت و عبادت ہی کے ہو کر نہ رہ گئے بلکہ اس براعظم کی تاریخ کے اس ہولناک دور میں ہر طرف جو افراتفری تھی اور ملت اسلامی جس اخلاقی گراوٹ، داخلی انتشار اور بیرونی غارت گریوں کی آماجگاہ بن رہی تھی وہ ان سب لرزہ خیز اور جانکاہ حالات سے باخبر تھے اور اصلاح

Marfat.com

احوال کے لیے جو اقدامات ممکن ہو سکتے تھے شاہ صاحب ان کو بھی بروئے کار لائے۔ [۱۳]

قرآن حکیم سے خصوصی شغف

برصغیر میں عرصہ دراز سے ہندی مسلمانوں کا یہ طریقہ کار چلا آ رہا تھا کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت محض کاروباری برکت کے لیے کیا کرتے یا پھر قرآن پاک کو قسمیں اٹھانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ہندوستان کے مروجہ تعلیمی نصاب یعنی درس نظامی میں بھی قرآن مجید اور اس کی تفسیر کا کوئی خاص اہتمام نہیں تھا۔ علوم حدیث بھی درس و تدریس میں زیادہ رواج پذیر نہیں تھے ۔البتہ بعض کتب فقہ ضرور پڑھائی جاتی تھیں۔ اجتہاد سے اہل علم کا کوئی سروکار نہ تھا، اخلاق کے بندھن کمزور ہو چکے تھے۔ عوام اوہام پرستی، گمراہی اور تباہی و بربادی کے راستے پر گامزن تھے۔ علماء و مشائخ کا اچھا خاصا طبقہ علوم قرآن و حدیث سے نابلد تھا۔

حجاز سے واپسی کے بعد شاہ صاحب کی تحریک کا پہلا قدم قرآن پاک کا فارسی ترجمہ اور اس کی مختصر شرح تھی۔ آپ نے اپنی دینی و اصلاحی جدوجہد کے لیے قرآن کریم کو ہی مشعل راہ بنایا۔ انھوں نے اپنی تحریک کی بنیاد بھی قرآن حکیم کی اس آیت کو قرار دیا:

اولم یروا انا ناتی الارض ننقصها من اطرافها (سورۃ الرعد۔۴۱)

کیا وہ اس حقیقت کو نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے برابر کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

قرآن پاک کا یہ ترجمہ لفظی و معنوی صحت اور احتیاط کے اعتبار سے اب تک بے مثال ہے۔ [۱۴] اس ترجمہ سے عوام پر قرآن فہمی کے دروازے کھل گئے کیوں کہ شاہ صاحب کے زمانے میں حکومت ہند کی سرکاری زبان فارسی تھی اس لیے قرآن پاک کو عام فہم بنانے کے لیے اس کا مروجہ زبان میں ترجمہ کیا جانا بہت ضروری تھا۔ مسلمانوں نے یہاں ایک ہزار برس حکومت کی تھی لیکن اس سے قبل قرآن پاک کو کسی بھی دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا گیا تھا۔ یہ مبارک خدمت اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کی خدمت میں لکھی ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ ترجمہ ''فتح الرحمان فی ترجمہ القرآن'' اپنے حسن و خوبی کے لحاظ سے بہت لاثانی ہے اور اس کی مختصر شرح بہت سے فوائد کی حامل ہے۔ شارح نے جس نظر و فکر سے کتاب الٰہی کو سمجھا ہے یہ ترجمہ اسی کا عکس ہے۔

Marfat.com

شاہ صاحب ایک سو سے زائد عظیم الشان کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے متعدد کتابیں دست بردِ زمانہ کی نذر ہوگئیں۔ جو محفوظ رہ گئیں ان میں چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد اکاون (۵۱) کے قریب ہے۔ ان میں سے بھی نصف کتب دستیاب ہیں اور باقی ابھی نادر اور نایاب ہیں۔ تمام تصانیف میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' سب سے زیادہ شہرت کی حامل ہے۔ علم قرآن سے متعلق کتابیں فتح الرحمٰن ترجمۃ القرآن، الفوز الکبیر فی اصول تفسیر اور فتح الخبیر نہایت بصیرت افروز، جلیل القدر اور بلند پایہ کتب ہیں۔

وفات

شاہ صاحب کی عمر کے بارے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ''حیات ولی'' کے مصنف نے لکھا کہ جناب شاہ صاحب عمر کے تریسٹھ برس پورے کر چکے تھے تو چند روز خفیف سی بیماری میں مبتلا ہو کر ۱۱۷۶ ہجری میں عازم سفر آخرت ہوئے۔ لیکن ملفوظات عزیزیہ کے جامع نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ قول نقل کیا ہے:

''عمر شریف یعنی یک سال و چہار ماہ شد چہارم شوال تولد گشت در بست نہم محرم وفات یافت تاریخ تولد شاہ ولی اللہ چہارم شوال و چہار شنبہ ۱۱۱۴ ہجری بود تاریخ وفات ابود امام اعظم دین دگر ہائے دل روزگار رفت بست نہم محرم وقت ظہر''[۱۰۲]

اگر چہ سن ولادت و وفات میں کوئی اختلاف نہیں لیکن حیات ولی میں آپ کی عمر تریسٹھ برس لکھی گئی ہے جب کہ آپ کے فرزند گرامی نے آپ کی عمر اکسٹھ برس اور چار ماہ لکھی ہے اور یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۹۸۔ شبلی نعمانی، مولانا، علم الکلام، جاوید پریس کراچی، ص ۸۷۔

۹۹۔ شاہ ولی اللہ، امداد فی ماثر الاجداد، مطبع احمدی طبع دوم ۱۸۸۴ء، ص ۱۵۲۔

۱۰۰۔ محمد سرور، پروفیسر، ارمغان شاہ ولی اللہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۸ء، تلخیص از پیش لفظ۔

۱۰۱۔ ثریا ڈار، ڈاکٹر، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۸۲۔

۱۰۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ملفوظات، مطبع مجتبائی، میرٹھ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ، ص ۴۰۔

Marfat.com

ستارہواں باب

شاہ ولی اللہ کے نزدیک قرآن مجید کے علوم پنجگانہ

الفوز الکبیر کے پہلے باب کے مضامین

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی مدبرانہ اور بصیرت افروز سوچ کے مطابق تمام علوم قرآن کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اپنی کتاب الفوز الکبیر کے پہلے باب میں انہی پانچ علوم کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ا۔ علم الاحکام

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن حکیم کا ایک مکمل حصہ ان احکام پر مشتمل ہے جو عقائد، عبادات، معاملات، معیشت، سیاست، معاشرت کے بارے میں واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام سے متعلق ہیں۔

شاہ صاحب کے نزدیک قرآن حکیم میں احکام کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ اختیار کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ ملت حنیفی (ابراہیمی) میں مبعوث ہوئے اس لیے قرآنی احکام میں اس ملت کے طریقوں کو باقی رکھا گیا۔ البتہ قرآن مجید نے عبادات و معاملات میں پائی جانے والی ملت ابراہیمی کی تمام بدنظمیوں کو دور کر کے کامل اصلاح کی۔ تدبیر منزل کے قواعد میں بھی نقصان دہ رسوم داخل ہو چکی تھیں۔ اصول سیاست و مدن بھی مختلف ہو چکے تھے۔ قرآن مجید نے اپنے احکام میں ان اصولوں کو منضبط کیا اور ان کی پوری حد بندی فرمائی۔ عرب چونکہ اسلام کے اولین مخاطب تھے اور انھیں ساری دنیا میں اسلام کی دعوت کو پیش کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دینا تھا اس لیے قرآنی احکام میں پہلے انہی کا تزکیہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں شریعت کا مواد عربوں کے رسوم و عادات سے لیا گیا۔ ہر حکم میں حکمت اور سبب کو مدنظر رکھا گیا۔ ملت ابراہیمی کی بنیادی عبادتوں، طہارت کے احکام، نماز، روزہ اور حج میں جو تحریف کی گئی تھی اسے درست کیا گیا۔ اقامت صلوٰۃ کا بار بار

Marfat.com

تکرار سے حکم دیا گیا۔ طہارت، اذان، جماعت، مسجد کے فضائل اور تفاصیل بیان کی گئیں۔ مسائل زکوٰۃ کا تذکرہ کیا گیا۔ روزے کا بیان قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ میں، حج کے احکام و مسائل سورۃ البقرہ اور سورۃ الحج میں بیان کیے گئے۔ جہاد و قتال کا تذکرہ سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ میں بیان کیے گئے۔ حدود کا بیان سورۃ المائدہ اور سورۃ النور میں، میراث کا سورۃ النساء میں اور نکاح و طلاق کے ضابطے اور قوانین سورۃ البقرہ، سورۃ النساء اور سورۃ الطلاق میں بیان کیے گئے۔

خاندانی زندگی کے بہت سے احکام مدنی سورتوں میں دیے گئے۔ معاشرت سے ظلم و ستم اور غلط رسم و رواج برائیوں سے منسوب کر کے ان پر پابندی لگائی گئی۔ یہ احکام بعض اوقات تعلیم کے لیے اتارے گئے اور بعض اوقات کسی سوال کے جواب میں، یا کسی خاص موقع پر پیش آمدہ حالات کے موقع پر نازل کیے گئے۔ بعض اوقات ایسے بھی ہوا کہ مومنین و منافقین کے کردار کو تجزیے کے انداز میں پیش کر کے فضائل کی حوصلہ افزائی اور رذائل کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ بعض اوقات انہی احکام کے ضمن میں طنز و تنبیہ اور تشبیہات و استعارات کو بھی استعمال کیا گیا۔

۲۔ علم مناظرہ یا مخاصمہ

الفوز الکبیر میں شاہ ولی اللہ کے نزدیک قرآنی مندرجات کا دوسرا حصہ چار گمراہ جماعتوں (مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین) سے مناظروں اور مباحثوں پر مشتمل ہے اور یہ مناظرے دو طرح سے وارد ہوئے ہیں۔

☆ ایک یہ کہ ان گمراہ جماعتوں اور طبقوں کے فقط باطل عقائد کو بیان کر کے ان سے نفرت دلائی گئی۔

☆ دوسرا یہ کہ ان کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کو بیان کر کے ان کا رد کیا گیا۔

ان چار گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ اور ان سے مناظرے کی صورت درج ذیل ہے:

ا۔ مشرکین

قرآن حکیم میں جن گمراہ طبقوں کا ذکر ہے ان میں سرفہرست مشرکین کا گروہ ہے۔ یہ

Marfat.com

مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے۔ جب کہ حنیف اس کو کہتے ہیں جو ملت ابراہیمی کا پابند ہو اور اس کی علامات کو سختی سے اختیار کرنے والا ہو۔ ملت ابراہیمی کی علامات یہ ہیں۔ حج کرنا، کعبہ کو نماز میں قبلہ ماننا، ختنہ، غسل جنابت، فطرت کے تمام فضائل مثلاً مسواک، مونچھیں کٹوانا، ڈاڑھی بڑھانا، ناخن اتروانا، موئے بغل اور زیر ناف صاف کرنا، تعظیم کعبہ، نسلی و رضاعی رشتوں کو حرام جاننا، حلال جانوروں کو حلق سے ذبح کرنا، حج کے وقت قربانی سے رضائے الٰہی طلب کرنا، وضو، نماز، روزہ، صدقہ، خیرات، صلہ رحمی، یتیموں کی مدد وغیرہ، یہ سب ملت ابراہیمی کے فضائل ہیں۔ مشرکین ان سب کو پسند ضرور کرتے تھے مگر ان کے تارک ہو چکے تھے۔ اس کے برعکس ان کے ہاں شرک، قتل، زنا، چوری، ڈاکہ اور رہزنی کے رذائل رواج پا چکے تھے۔ ان میں جہلا بالعموم ہر بات میں اپنے آباؤ اجداد کے آثار سے استدلال کرتے تھے اور اسے اپنے قطعی دلائل میں شمار کرتے تھے۔ توحید کو ماننے کے باوجود شرک کرتے تھے۔ خدا کے وجود کے قائل تھے اور یہ کہ زمین و آسمان کا خالق خدا ہے، وہ زبردست حوادث کا مدبر، رسولوں کے بھیجنے پر قادر، بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے والا، اور حادثات کو ان کے واقع ہونے سے پیشتر معین کرنے والا، اور یہ بھی کہ فرشتے اللہ کی مقرب مخلوق اور تعظیم کے قابل ہیں۔ یہ سب کچھ مشرکین کے نزدیک ثابت بھی تھا مگر اکثر مشرکین ان سب عقائد میں مبالغے کو شامل کر کے ان میں شبہات کو جنم دیتے۔ مثلاً ایک یہ کہ فرشتے اللہ کی مقرب مخلوق ہے اور اتنی مقرب ہے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، دوسرا یہ کہ جس طرح شاہان عظیم المرتبت اپنے خاص مقربین کو ملک کے مختلف حصوں کا فرماں روا مقرر کرتے ہیں اور پھر جب کسی خاص معاملے میں جب تک ان کا فرمان جاری نہ ہو فیصلہ نہیں ہو سکتا، ایسے ہی خالق کائنات نے اپنے خاص بندوں کو رتبہ الوہیت کی خلعت سے سرفراز کیا ہے، اور ایسے لوگوں کی رضا مندی اور ناراضگی ایک خاص اثر رکھتی ہے۔ لہٰذا فلاح و کامرانی اسی میں ہے کہ ایسے بندوں کو خوش ہی رکھا جائے تو نجات ہے۔ اپنی ان خیالی ضرورتوں کے تناظر میں وہ ان کو سجدے کرتے، ان کے لیے قربانی کرتے، ان کے نام کی قسم کھاتے، پتھر پیتل اور سیسہ وغیرہ کی مورتیاں بنا کر ان بندگان خاص کی روحوں کی طرف متوجہ ہونے کا ایک وسیلہ قرار دیتے اور حد یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انہی پتھر کی مورتیوں کو ہی اللہ کا مترادف قرار دے کر انہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیتے اور مزید یہ

Marfat.com

کہ مشرکین نے آگ پرستی اور ستارہ پرستی کو بھی اپنا شعار بنالیا تھا۔انھوں نے اللہ کی مخصوص صفات یعنی علم ذاتی، قدرت محیط، روزی اور شفاء دینے میں بھی اپنے خود ساختہ بتوں کو خدا کا شریک بنالیا تھا۔غیر اللہ کو دعاؤں میں پکارنا، خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لیے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے، اور انھیں مناسک عبادت میں واسطہ اور وسیلہ خداوندی سمجھتے تھے۔

قرآن حکیم نے مشرکین سے مخاصمے کے دوران مشرکین کے ان تمام عقائد باطلہ کا رد کیا اور ان پر ملت ابراہیمی کے شعائر سے استدلال کیا۔شرک پر دلیل مانگی اور اندھی تقلید سے نفرت دلائی۔ بندوں کی بندگی اور بے چارگی ثابت کرنے کے لیے مکھی تک کی مثال دی کہ اگر وہ تمہارے کھانے کی کسی چیز پر بیٹھ کر اپنے منہ میں تمہارے رزق سے ایک ذرہ اچک کرلے جائے تو تم میں یا تمہارے شریکوں میں اتنی بھی طاقت، قدرت یا اختیار نہیں کہ وہ اس مکھی کو پکڑ سکیں یا اس کے منہ سے وہ ذرہ رزق واپس لاسکیں۔

قرآن نے مشرکین سے مناظرے کے دوران ثابت کیا کہ تمام انبیاء توحید کے اثبات اور شرک کی نفی کے لیے مبعوث کیے گئے۔ جہاں تک مشرکین کا فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے کا تعلق ہے قرآن مجید نے اس بارے میں استدلال کیا کہ فرشتوں کو تو تم خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہو مگر اپنے لیے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے ہو اور بیٹی کی پیدائش پر شرم کے مارے منہ چھپائے پھرتے ہو اور خدا کے لیے ملائکہ کو بیٹیاں کو تجویز کرتے ہو۔اس کے بعد قرآن نے سورہ اخلاص میں صاف اور واضح فیصلہ کر دیا کہ اللہ احد (یعنی ایک) ہے۔لفظ ''واحد'' کا معنی ایک ہے۔ یہاں پر قرآن کا بیان یہ بھی ہوسکتا تھا ''اللہ واحد ہے''۔ ''احد'' کا معنی بھی ''ایک'' ہے اور ''واحد'' کا معنی بھی ''ایک'' مگر ان دونوں میں مشترکہ معنی ہونے کے باوجود فرق ہے۔ واحد اس ایک ذات کو کہتے ہیں جو قابل تقسیم ہو اور احد اس ایک ذات کو کہتے ہیں جو تقسیم کے تصور سے بھی پاک ہو۔ اگر کسی کے پاس واحد مکان ہو تو اس کے دو حصے ہوسکتے ہیں۔ واحد سو روپے کا نوٹ ہو تو اس کے بھی آگے کئی حصے ہوسکتے ہیں یعنی کہ سو کا نوٹ ایک ایک کے سو روپوں میں تقسیم ہوسکتا ہے۔ مگر ''احد'' اس تقسیم اور بٹوارے کے تصور سے بھی پاک ہوتا ہے۔ اور وہ ذات خدا کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں سورہ اخلاص میں اپنے لیے واحد نہیں بلکہ احد کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس

Marfat.com

کے بعد فرمایا وہ نسبی رشتوں سے آزاد اور بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور یہاں تک کہ کوئی اس کی مثل بھی نہیں ہے۔

مشرکین رسول اللہ ﷺ سے بلا جواز معجزے طلب کرتے تھے۔ اس کے جواب میں قرآن نے واضح کیا کہ معجزوں کے متعلق اللہ اور اس کا رسول تمہارا پابند نہیں ہے، جب خدا کو کسی حکمت کے تحت منظور ہوتا ہے وہ نبی کو معجزہ عطا کرتا ہے اور پھر کیا معلوم کہ تم معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لاؤ؟

۲۔ یہود

یہود سے قرآن کریم کا مخاصمہ اس طرح ہے کہ یہود اپنی کتاب توریت میں لفظی و معنوی تحریف کے مرتکب ہو چکے تھے۔ معمولی مادی فوائد کی خاطر آیات کو بدلتے اور بیچتے تھے۔ صرف اپنی قوم کو ارفع و اعلیٰ اور نجات یافتہ سمجھتے تھے اور باقی سب کو جہنمی گردانتے تھے۔ نبوت و رسالت کو صرف اپنی نسل کے لیے مخصوص سمجھتے تھے اور اپنے بارے میں یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ ہم کوئی بھی غلط کام کریں یا صحیح ہمارے پیغمبر ہمیں سزا سے بچا کر نجات دلوائیں گے۔ اپنی شریعت اور کتاب توریت کو نا قابل تنسیخ اور دائمی سمجھتے تھے۔ حالانکہ تاریخ کی بہت سی پختہ شہادتوں سے ثابت تھا کہ توریت اپنی اصل حالت میں موجود نہیں ہے۔ اپنے آپ کو خدا کے محبوب بیٹے بھی سمجھتے اور اسی وجہ سے خود کو جنت کا وارث سمجھتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ جب بنی اسماعیل سے پیدا ہوئے تو اس بغض اور رنج میں آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتے، بے ادبی اور طعن کرتے۔

قرآن مجید نے یہودیوں سے مناظرے اور مخاصمے کے دوران سورہ بقرہ میں ان کے دعوؤں کا غلط ہونا ثابت کیا۔ ان کے نسلی غرور و تکبر، نجات یافتہ ہونے کے زعم اور آباؤ اجداد پرستی کے شجر خبیثہ کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ان میں موجود بغض، کینہ، لالچ اور نفس پرستی کی برائیاں قرار دے کر ان کی مذمت کی۔

قرآن حکیم نے یہودیوں سے مخاصمہ کرتے ہوئے اپنی حیثیت کے بارے میں واضح کیا

Marfat.com

کہ یہ قرآن تو خود دوسری کتابوں کا محافظ ہے۔

یہودیوں کے ساتھ قرآن حکیم نے یہ بھی استدلال و مناظرہ کیا کہ ہر مذہب میں اس زمانے کے مصالح پر نظر کر کے احکام بھیجے گئے ہیں۔ شریعت کا قانون بنانے میں عادات کی موافقت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہودیوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ یہودیت نا قابل تنسیخ ہے۔

۳۔ نصاریٰ

نصاریٰ سے مخاصمہ و مناظرہ اس طرح ہوا کہ انھوں نے توحید کی راہ چھوڑ کر خدا کی خدائی کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان تین حصوں کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے تھے اور ان کی یہ اقانیم باپ، بیٹا اور روح القدس پر مشتمل تھیں۔ حضرت مسیح (عیسیٰ) علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے اور اس ناطے حضرت مریم کو بھی لائق معبود ہستی سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ ابن اللہ بھی ہیں اور بشر بھی۔ اس لیے احکامات بشری اور خداوندی دونوں ان کی نسبت جاری ہوتے ہیں۔ نصاریٰ کے اس عقیدے کی بنیاد انجیل کی بعض ایسی آیات ہیں جن میں لفظ ''ابن'' مذکور ہوا ہے اور جن میں حضرت مسیح نے بعض افعال الٰہیہ کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ اس امر کا جواب شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں یہ دیا ہے کہ قدیم زمانہ میں لفظ ''ابن'' مقرب، محبوب اور مختار کے ہم معنی تھا۔ دوسرا یہ کہ ''انجیل میں حضرت عیسیٰ نے بعض افعال الٰہیہ کو اپنی جانب منسوب کیا ہے'' اس کا جواب شاہ صاحب نے یہ دیا ہے کہ یہ نسبت بطریقہ نقل و حکایت کی ہے۔ مثلاً کسی بادشاہ کا ایلچی اس کے کلام کو یوں نقل کرے کہ ''ہم نے فلاں ملک کو فتح کیا اور فلاں ملک کو شکست دی۔'' اس صورت میں ظاہر ہے ایلچی ترجمان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ پر وحی کا یہ طریقہ ہو کہ عالم بالا سے ان کے لوح دل پر مضامین خود منقش ہو جاتے ہوں اس لیے اس نقش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام سے وہ کلام صادر ہو جس میں افعال الٰہیہ کو اپنی جانب نسبت کرنے کا اشارہ ہو (لیکن یہ سب ممکنات میں سے ہے)۔

قرآن مجید نے نصاریٰ کے ساتھ اس قسم کے عقائد باطلہ سے مناظرہ اور مخاصمہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ جو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے اس کا

Marfat.com

عقلی رد کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ خدا قدرت کاملہ کا مالک ہے۔ وہ جس طرح چاہے اپنی قدرت کا اظہار کرے۔ اس پر مزید ان سے سوال کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو پھر بھی ماں (مریم) نے جنم دیا تھا اور بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے تم ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہو، حضرت آدم علیہ السلام کو تو اللہ نے ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا تھا، ان سے خدا کا کیا رشتہ جوڑو گے اور ان کو کیا نام دو گے۔

نصاریٰ نے فارقلیط (احمد ﷺ) کی انجیلی بشارت میں بھی تحریف کر لی تھی جس پر قرآن نے انھیں سرزنش کی اور بتایا کہ فارقلیط ہی پیغمبر آخر الزمان ہیں۔

۴۔ منافقین

الفوز الکبیر میں شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے جن چار گمراہ گروہوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں چوتھا گروہ منافقین کا قرار دیا ہے۔ منافقین کا گروہ نہایت خطرناک گروہ تھا کیونکہ صریح دشمن یا کافر کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھلا کافر یا دشمن ہے، اس کو دلائل و براہین سے شکست دی جا سکتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کے کھلے دشمن یا کافر ہونے کی وجہ سے اس کی خطرناک چالوں اور ہتھکنڈوں سے اپنی تدبیر سے محفوظ رہا جا سکتا ہے مگر جو شخص بظاہر دوست ہو اندر سے دشمن ہو، بظاہر ایمان دار ہو اندر سے کافر ہو، اس کے اس طرزِ عمل سے اور اس کی دشمنی سے محفوظ رہنے کا بظاہر کوئی طریقہ نہیں ہے۔ انبیاء کو اللہ اپنی وحی سے منافقوں کے نفق سے آگاہ کر دیتا تھا۔ عام مسلمانوں کے لیے منافقوں کی منافقانہ چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہے۔

نزول قرآن کے وقت منافق دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جو زبان سے کلمہ ایمان کہتے تھے مگر ان کا قلب کفر اور سرکشی پر پختہ تھا۔ ایسے منافقین کے بارے میں قرآن نے فیصلہ دیا کہ وہ ''فی الدرك الاسفل من النار'' یعنی کہ وہ دوزخ کے پست ترین طبقہ میں ہوں گے۔

منافقین کا دوسرا گروہ وہ تھا جس نے ایمان قبول کیا مگر ان کا ایمان ضعیف تھا۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنی قومی عادات و خصائل کے پابند تھے۔ دنیاوی لذات کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے مقابلے میں زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ حرص، حسد اور کینہ نے ان کے دلوں میں مناجات کی حلاوت

Marfat.com

اور عبادات کی برکات کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی یا وہ امور دنیا میں اس قدر منہمک ہو گئے تھے کہ فکر آخرت ان کی زندگیوں میں نہ ہونے کے برابر تھی یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں بے ہودہ خیالات اور رکیک شبہات بھی ان کے قلوب میں جاتے تھے۔ نفاق کی یہ دوسری قسم نفاق عمل اور نفاق اخلاق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقوں کے اخلاق و اعمال کو قرآن حکیم میں خوب آشکار کیا ہے اور ان ہر دو گروہ کے احوال بکثرت بیان کیے ہیں تاکہ امت ان سے احتراز کرے۔

شاہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ اگر ایسے منافقین کا نمونہ دیکھنا ہو تو امراء کی مجالس میں جا کر ان کے مصاحبین کو دیکھ لو جو اپنے دنیاوی آقاؤں کی خواہشات و مرضیات کو اللہ اور اس کے رسول کی خواہشات پر ترجیح دیتے ہیں۔

۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ علوم پنجگانہ کی تقسیم میں لکھتے ہیں کہ علم الاحکام اور علم مناظرہ کے بعد قرآن حکیم میں تیسری قسم کا علم آلاء اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں کے اظہار کے بارے میں ہے۔

تذکیر بآلاء اللہ میں قرآن حکیم نے یہ حکمت پیش نظر رکھی کہ اسماء صفات الٰہیہ کو بڑے سہل، سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیا کیونکہ یہ ابدی پیغام کائنات کے تمام انسانوں کی ابدی فلاح، اصلاح اور نجات کے لیے نازل کیا گیا ہے، جس میں عربی، عجمی، تعلیم یافتہ، ان پڑھ، ذہین اور غبی ہر طرح کے انسانی طبقے شامل ہیں۔ لہٰذا صفات باری تعالیٰ کو اس انداز میں پیش کیا گیا کہ لوگ کسی فلسفیانہ موشگافیوں میں نہ پڑ جائیں بلکہ اپنے فہم اور ادراک سے ہی قرآن حکیم کو بخوبی سمجھ سکیں۔

آلاء اللہ اور آیات قدرت میں وہ باتیں بیان کی گئیں جن کو شہری و بدوی، عرب اور عجم یکساں طور پر سمجھ سکیں۔ نفس کی باطنی نعمتیں جو اولیاء اور علماء کے ساتھ مخصوص ہیں، بحیثیت عام اصول تقلید بیان نہیں کی گئیں البتہ جن نعمتوں کا ذکر ضروری تھا وہ بلا دریغ کیا مثلاً آسمان اور زمین کی پیدائش، بادلوں سے پانی برسانا، زمین سے پانی کے چشمے جاری کرنا۔ زمین سے طرح طرح سے پھل اور غلے اگانا، سمندروں اور پہاڑوں جیسی عظیم نشانیوں کا پیدا کرنا۔ اس کے علاوہ اسی علم

Marfat.com

میں انسان کی مختلف کیفیات اور حالات و واقعات میں ان کی رہنمائی بھی کی گئی۔ اس کے ساتھ اکثر مقامات پر مصائب اور ان کے دور ہونے پر لوگوں کے رویے بدل جانے کا بھی ذکر کیا گیا کیونکہ یہ امراض انسانی میں کثیر الوقوع ہے۔

۴۔ علم تذکیر بایام اللہ

قرآن حکیم کے علوم پنجگانہ میں شاہ ولی اللہ کے نزدیک چوتھا علم ایام اللہ کے ذریعے تذکیر ہے۔ ایام اللہ سے مراد وہ واقعات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے۔ مثلاً فرماں برداروں کے لیے انعام اور نافرمانوں کے لیے عذاب۔ اس علم کے دائرے میں قرآن حکیم نے ایسے واقعات اور قصوں کو بیان کیا جن میں آئندہ انسانوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا سامان ہو اور ان واقعات یا داستانوں کے ذکر اور بیان میں یہ حکمت رکھی کہ یہ لوگ ان کو پہلے سے اپنے آباؤ اجداد سے بھی سنتے آ رہے تھے مگر قرآن حکیم نے اپنے ذکر میں ان کے اندر نصیحت اور عبرت کے پہلو کو اجاگر کیا۔ قرآن میں نہ تو غیر معروف اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا گیا نہ فارس و یہود کی جزا و سزا کے واقعات کی خبریں دیں۔ ان مشہور قصوں میں سے بھی صرف ان ضروری حصوں کو لیا گیا جو تذکیر و نصیحت میں کارآمد ہوں۔ اس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ لوگ جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں تو ان کی ساری توجہ محض اس داستان کی کہانی پر مائل ہوتی ہے اور نصیحت کا مقصد جو کہ داستان بیان کرنے کی اصل غرض ہوتا ہے، فوت ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں درج ذیل قصے تکرار سے بیان ہوئے ہیں:

- ☆ آدم علیہ السلام کی پیدائش
- ☆ ان کو تمام فرشتوں کا سجدہ کرنا
- ☆ شیطان کا سجدے سے انکار کر کے ملعون ہونا
- ☆ اس کے بعد بنی آدم کو ورغلانے کی سعی کرنا
- ☆ حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کا اپنی قوم سے توحید و امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مباحثات کرنا

Marfat.com

☆ ان پیغمبروں کی اقوام کی سرکشی اور رکیک شبہات اور دوسری جانب پیغمبروں کے جوابات

☆ نافرمانوں پر عذاب الٰہی کا نزول

☆ انبیاءؑ اور ان کے پیروؤں کے حق میں نصرت الٰہی کا ظہور

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف قصے

☆ فرعون اور بنی اسرائیل کے نافرمانوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ پیش آنا

☆ اللہ تعالیٰ کا ایک عرصہ تک ان بدبختوں کو عقوبت میں رکھنا

☆ اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ پیہم ظہور نصرت خداوندی ہونا

☆ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کا قصہ خلافت

☆ ان کے معجزات اور کرامتوں کا حال

☆ حضرت ایوب و حضرت یونس علیہما السلام کی شفقت کا واقعہ اور ان پر خداوندی رحمت کے نزول کا ذکر

☆ دعائے حضرت ذکریا کا مستجاب ہونا

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف قصے

☆ ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اور گہوارہ میں کلام فرمانا

یہ تمام قصے اجمالاً اور تفصیلاً ہر سورہ کے اسلوب کے اقتضاء کے موافق مختلف طریقوں سے بیان کیے گئے ہیں۔

جو واقعات فقط ایک یا دو جگہ ذکر ہیں وہ یہ ہیں:

☆ حضرت ادریسؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پرندے کو زندہ کرتے دیکھنا

☆ اپنے فرزند (حضرت اسماعیلؑ) کو ذبح کرنا

Marfat.com

☆ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا قصہ

☆ حضرت موسیٰؑ کا دریا میں ڈالا جانا

☆ حضرت موسیٰؑ کا ایک قبطی کو قتل کرنا

☆ حضرت موسیٰؑ کا پھر مدین کو جانا

☆ وہاں جا کر نکاح کرنا

☆ وہاں سے واپسی پر ایک درخت پر آگ کو روشن دیکھنا اور اس سے باتیں کرنا اور سننا

☆ بنی اسرائیل کا گائے کو ذبح کرنا

☆ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے ملاقات کرنا

☆ طالوت و جالوت کا قصہ

☆ بلقیس کا قصہ

☆ ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے قصے

☆ ان دو شخصوں کا قصہ جنھوں نے باہم نزاع کیا تھا

☆ اصحاب جنت کا قصہ

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین رسولوں کا قصہ (سورہ یٰسین)

☆ اس مومن کا قصہ جسے کفار نے شہید کیا تھا

☆ اصحاب فیل کا واقعہ

ان تمام قصوں کے ذکر سے قرآن کا یہ مقصود نہیں کہ ان واقعات سے محض آگاہی حاصل ہو جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہن شرک اور دوسرے گناہوں اور نافرمانیوں سے عبرت حاصل کر کے توبہ و استغفار کی طرف مائل ہوں اور وہ کفار پر عذاب خداوندی سے آگاہ ہوں۔ اس کے ساتھ مخلصین اللہ تعالیٰ کی عنایتوں سے بھی آشنا اور روشناس ہوں۔

Marfat.com

۵۔تذکیر بالموت و مابعد الموت

الفوز الکبیر کے پہلے باب میں قرآن حکیم کے علوم پنجگانہ کے ضمن میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کلام الٰہی میں علم الاحکام، علم مناظرہ، علم تذکیر بآلاء اللہ اور علم تذکیر بایام اللہ کے بعد پانچواں علم تذکیر بالموت کے بارے میں ہے۔

موت اور اس کے بعد کے واقعات کے بارے میں قرآن حکیم میں جو بیان ہوا ہے اس میں انسان کی موت کی کیفیت، اس وقت انسان کی بے چارگی کا عالم، موت کے بعد جنت اور دوزخ کو سامنے کرنا اور عذاب کے فرشتوں کا آنا شامل ہے۔

قیامت کی بیان کی گئی علامات یہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول، دجال اور یاجوج ماجوج کا ظہور، صور کا پھونکا جانا، حشر ونشر، سوال جواب، میزان، نامہ اعمال کا بائیں یا دائیں ہاتھ میں دیا جانا، مومنین کا جنت میں اور کفار کا دوزخ میں داخل ہونا، دوزخیوں میں پہلے اور بعد میں آنے والوں کے درمیان باہمی مکالمہ، آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنا، مومنین کا دیدار خداوندی سے فیض یاب ہونا، عذاب کی نوعیتوں کا بیان کہ وہ بیڑیاں، طوق، کھولتا ہوا گرم پانی، غساق اور زقوم ہیں، نعمت ہائے جنت کی انواع کا بیان کہ وہاں حوران بہشتی، عالی شان قصر، آب شیریں وغیرہ کی نہریں خوشگوار کھانے، لباس ہائے فاخرہ، خوش جمال عورتیں

ان قصوں کو مختلف صورتوں اور مختلف حوالوں کے ساتھ قرآن حکیم میں جا بجا ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ان علوم پنجگانہ کے علاوہ قرآن حکیم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آنے والے بہت سے واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً

- ☆ جنگ بدر کے واقعات
- ☆ جنگ احد
- ☆ جنگ خندق
- ☆ صلح حدیبیہ
- ☆ فتح مکہ
- ☆ جنگ حنین

Marfat.com

☆ غزوۂ بنونضیر ☆ جنگ تبوک اور اس کے متعلقات

☆ حجۃ الوداع ☆ نکاح زینب کا قصہ

☆ واقعہ افک ☆ واقعہ ہجرت

☆ غار ثور کا قصہ ☆ جنوں کے قرآن سننے کا ذکر

☆ مسجد ضرار ☆ واقعہ معراج کا ذکر

ان واقعات سے بہت سے احکام اور عبرتیں سامنے آتی ہیں اور آنحضرت ﷺ کی روشن سیرت کے نقوش سامنے آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد سرور، پروفیسر، ارمغان شاہ ولی اللہ، ص ۵۴۔

Marfat.com

اٹھارہواں باب

غرائب القرآن - اخفاء کا سبب اور حل

شاہ ولی اللہ کی مشہور کتاب الفوز الکبیر کے دوسرے باب میں قرآن مجید کے محاورۂ عرب میں نازل ہونے کی حکمت اور غرائب القرآن کے معانی میں اخفاء کے اسباب اور ان کا حل بیان ہوا ہے۔

قرآن مجید کا نزول محاورہ عرب کے مطابق ہوا ہے۔ چونکہ اس کتاب رشد و ہدایت کے اولین مخاطب بھی عرب ہی تھے اور اپنی زبان کے سمجھنے میں سلیقہ اور مہارت رکھنے کی وجہ سے اس کے معنی و مفہوم کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے تھے، اور جہاں قرآن کے جامع اصولوں کی جزئیات کی تفصیل درکار تھی اس کی قولی اور عملی تفسیر اور تفصیل پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے کر دی مثلاً قرآن کی خاص اصطلاحات، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی تفصیلات ہمیں حدیث اور سنت سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ بعض اوقات قرآن کی کسی آیت کی تشریح خود قرآن کی کسی دوسری آیت نے بھی کی ہے۔

جہاں تک متشابہ آیات کا تعلق ہے ان میں ضرورت سے زیادہ غور و خوض کرنا یا ان کی کھوج اور کرید کرنا، چونکہ خود خلاف منشاء خداوندی تھا، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے متعلق حضور اکرم ﷺ سے کم ہی سوالات کیا کرتے تھے۔

تفسیر قرآن کی ضرورت

عربی دانوں کے اس دور اول کے ختم ہونے کے بعد جب قرآن دنیا میں دوسری زبانوں کے خطوں میں داخل ہوا تو قرآن کی تفہیم اور تفسیر میں عربوں کی بجائے اب عجمی بھی دخل دینے لگے۔ قرآنی اصولوں کی روشنی میں جب نئی قوموں میں مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مناظرے سے شروع ہونے لگے۔ عربی زبان سے تعلق یا شغف بھی کم ہو گیا۔ لوگوں کو قرآنی

Marfat.com

آیات میں اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مراد سمجھنے میں دشواری محسوس ہونے لگی تو اب فہم قرآن کے لیے لغت، صرف ونحو، بلاغت و معانی اور عروض و قوافی کے سمجھنے کی ضرورت پیش آئی اور اسی کے ساتھ تفسیر اور کتب تفسیر کی ضرورت و اشاعت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

غرائب القرآن

قرآن مجید میں عربی زبان کے غیر معروف اور اجنبی الفاظ کو غرائب القرآن کہتے ہیں۔ جیسے ہر کتاب اور ہر زبان میں کچھ لفظ ایسے ہوتے ہیں جو اس زبان کے حامل شخص کے لیے بھی کچھ غریب، اجنبی اور غیر مانوس ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم اقبال اور غالب کی شاعری کو ہی پڑھیں تو باوجود اس کے ہم اردو روانی کے ساتھ بولتے، پڑھتے اور لکھتے ہیں، پھر بھی ہمیں ان کی شاعری میں کچھ ایسے لفظ ملیں گے جو ہمارے لیے عجیب و غریب، غیر مانوس اور اجنبی سے ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ ہماری عام بول چال اور لکھنے پڑھنے میں استعمال نہیں ہوتے ہیں۔ کسی کتاب یا زبان میں استعمال ہونے والے ایسے الفاظ جو اپنی ہیئت اور معنی و مفہوم کے اعتبار سے عام فہم نہ ہوں، غیر مانوس اور اجنبی ہوں غریب الفاظ کہلاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں بھی عربی کے بعض الفاظ ایسے آتے ہیں جو عجمیوں یعنی غیر عربیوں کے لیے تو اجنبی ہیں ہی مگر وہ عرب اہل زبان کے لیے بھی غیر معروف، اجنبی اور غیر مانوس ہیں، جو ان کی عام بول چال میں یا لکھنے پڑھنے میں استعمال نہیں ہوتے وہ تمام الفاظ غریب یا جمع کے طور پر غرائب القرآن ہیں۔ مثلاً

قرآن حکیم کی سورۃ تکویر میں ہے۔

فلا اقسم بالخنس ٥ الجوار الکنس (سورۃ التکویر۔۱۵۔۱۶)

ان دو آیات میں ''خنس'' اور ''کنس'' ایسے عربی الفاظ ہیں جو عام عربی زبان میں بول چال اور لکھنے پڑھنے میں نہیں آتے لہٰذا یہی غرائب القرآن ہیں۔

السیوطی ''الاتقان'' میں ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے اور لوگ ان سے تفسیر قرآن کے بارے میں سوالات کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر نافع بن

Marfat.com

ازرق خارجی نے نجدہ بن عویمر سے کہا آؤ ہم بھی ان سے چند باتیں دریافت کریں۔ چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا ہم آپ سے چند آیات کی تفسیر پوچھنا چاہتے ہیں آپ ان کی تفسیر کیجیے اور کلام عرب سے استشہاد کیجیے۔ فرمایا جو چاہو پوچھو۔ نافع نے کہا آیت قرآنی

عن الیمین و عن الشمال عزین (سورۃ المعارج۔۳۷)

میں ''عزین'' سے کیا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا دوستوں کے حلقوں کو ''عزین'' کہتے ہیں۔ نافع نے کہا کیا لغت عرب میں اس کی مثال موجود ہے؟ حضرت ابن عباس نے ان کے سوال کے جواب میں عبید بن امرص کا یہ شعر پڑھا۔

فجاؤ ایھر عون الیہ حتی

یکونوا حول منبرہ عزینا۔[1]

ابن الانباری اپنی کتاب ''ابوقف والا بتدا'' میں اس واقع کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قرآنی الفاظ کی شرح وتوضیح کے لیے اشعار العرب سے استنباط کرنا درست ہے۔ جب کہ علمائے نحو اس قول سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ الفاظ اشعار قرآن حکیم کی اصل نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جب قرآن مجید کا کوئی لفظ عربوں کو سمجھ نہ آتا تو وہ اپنے دیوان (اشعار) کی طرف رجوع کرتے تھے۔

الزرکشی کہتے ہیں کہ تفسیر قرآن کا معاملہ چونکہ بہت نازک ہے اس لیے علمائے سلف اس سے احتراز کرتے تھے۔ اصمعی امام لغت ہونے کے باوجود غریب القرآن کی تفسیر نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے آیت قرآنی

قد شغفھا حبا (سورہ یوسف۔۳۰) کے معنی دریافت کیے گئے تو خاموش رہے اور صرف اتنا کہا کہ یہ قرآنی آیت ہے۔[2]

الزرکشی کہتے ہیں کہ جو شخص حقائق سے واقف نہیں وہ تفسیر قرآن سے احتراز کرے۔ معمولی لغت دانی سے کام نہیں چل سکتا۔ اس لیے کہ بعض اوقات ایک لفظ کثیر المعانی ہوتا ہے اور اس شخص کو اس لفظ کے صرف ایک معنی معلوم ہوتے ہیں جب کہ مراد و مقصود دوسرے معنی ہوتے ہیں۔ غریب القرآن کی شرح کے لیے علم لغت سے آشنا ہونا بہت ضروری ہے۔

Marfat.com

غرائب القرآن کے معنی میں اخفاء کے اسباب اور ان کا حل

قرآن حکیم کا جو لفظ کسی کے لیے غریب ہے تو ظاہر ہے اس کے معنی بھی اس کے لیے اخفاء میں یعنی نامعلوم ہوں گے۔ بلکہ کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہونے کا بنیادی سبب ہی اس کا غریب یا نادر ہونا ہے۔ ایسے الفاظ کے معانی صحابہ و تابعین اور علم معانی پر دسترس رکھنے والوں سے معلوم کرنا چاہئیں۔

☆ غرائب القرآن کے معنی نہ جاننے کا دوسرا سبب ناسخ ومنسوخ کا علم نہ ہونا ہے اس کا حل یہ ہے کہ علمائے تفسیر اور احکام سے اس کی حقیقت معلوم کی جائے۔

☆ معنی نہ جاننے کا تیسرا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات کسی آیت یا سورت کا شان نزول معلوم نہیں ہوتا۔ علمائے تفسیر سے شان نزول بھی معلوم کرنا چاہیے۔

☆ چوتھا سبب حذف ہے یعنی مضاف یا موصوف وغیرہ کا محذوف ہونا۔ اسے بھی کسی ماہر عربی سے معلوم کرنا چاہیے۔

☆ پانچواں سبب ابدال یعنی بدل ہے۔ بعض اوقات کسی بات یا کلمے میں ایک لفظ کے بجائے دوسرا لفظ، ایک اسم کی جگہ دوسرا اسم، ایک فعل کی جگہ، دوسرا فعل، واحد کے بجائے جمع، غائب حاضر کے بجائے مخاطب کی ضمیر کا لانا یا آنا بھی معانی میں پوشیدگی کا باعث ہو جاتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ارباب لغت ونحو سے تفہیم کی جائے۔

☆ بعض اوقات ایک بات میں ضمیروں کا منتشر ہونا یا ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہونا یا مضمون کی طوالت یا اختصار سے یا بعض اوقات تشبیہات و استعارات کے استعمال سے بھی معانی میں الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا حل بھی یہ ہے کہ علماء معانی ولغت سے مدد لی جائے۔

غیر معروف الفاظ قرآن یا غرائب القرآن کی شروح

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر کے باب دوم کی فصل اول میں یہ بھی نشاندہی کی ہے کہ غرائب القرآن کی بہترین شرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے جو کہ ابن طلحہ ہاشمی کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے جس پر امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اعتماد کیا ہے۔ اس کے

Marfat.com

بعد ضحاکؒ کی روایت سے ابن عباسؓ کی تفسیر ہے اور تیسرے نمبر پر نافع بن الازرق خارجی کے سوالات کے جواب میں ابن عباسؓ کی شرح وتفسیر ہے۔ ان تینوں کا ذکر علامہ سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان میں کیا ہے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی غرائب کی شرح لکھی ہے جس کو انھوں نے ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد غرائب کی وہ شرح ہیں جن کو دوسرے مفسرین نے حضرات صحابہ اور تابعین وتبع تابعین سے روایت کیا ہے، ان کا ایک مناسب ومعقول حصہ حضرت شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر کے پانچویں باب میں درج بھی کیا ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ کوئی شخص چاہے اسے الفوز الکبیر کا پانچواں حصہ بنالے اور چاہے اس کو ایک جگہ حصہ تصور کرلے۔

صحابہ وتابعین الفاظ قرآن کی شرح اکثر لغت کے مطابق نہیں کرتے بلکہ لازم معنی کے طور پر کرتے ہیں۔ جب کہ بعد کے مفسرین نے لغت کی مدد سے معانی کی تلاش کی اور بزرگان سلف کی تقلید نہیں کی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ الفوز الکبیر میں انھوں نے شرح الفاظ کے لیے سلف کی پیروی کی ہے۔

دوسری صدی ہجری میں ابان بن تغلب کوفی نے بھی غرائب القرآن کے نام سے کتاب تصنیف کی۔ بعد ازاں متعدد ائمہ لغت نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں لیکن ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ الیزیدی نے اس موضوع پر نہایت جامع کتاب تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں مؤلف نے تمام غرائب القرآن کو یکجا کردیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الزرکشی، البرہان، ۲۹۳ بحوالہ الاتقان ج ا، ص ۱۲۰ بحوالہ دائرۃ المعارف اسلامیہ۔

۲۔ دائرۃ المعارف، ص ۵۴۸۔

❀❀❀

Marfat.com

انیسواں باب

مسئلہ ناسخ و منسوخ

الفوز الکبیر کی روشنی میں

قرآن مجید کی کون کون سی آیات منسوخ ہیں، یہ مسئلہ عرصہ طویل سے علماء کے ہاں وجہ اختلاف رہا ہے اور اس بنا پر بعض اوقات مسلمانوں کے درمیان فکری انتشار بھی واقع ہوا ہے۔ مثلاً ایک عالم ایک آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے اور دوسرا اس کی تنسیخ کا قائل نہیں ہے۔

اس اختلاف کی بنیادی وجہ متقدمین اور متاخرین علماء کے درمیان ناسخ و منسوخ کی اصطلاح کے معنی و مفہوم میں اختلاف ہے۔

حضرات صحابہ و تابعین کے اقوال سے اگر استقرار کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناسخ و منسوخ کے لغوی معنی کے قائل تھے یعنی ایک چیز کو ختم کر کے اس کی جگہ دوسری چیز لے آنا۔

جب کہ اہل اصول ناسخ و منسوخ کے لغوی معنی کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک اس اصطلاح میں نسخ کا لغوی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ ان کے نزدیک نسخ کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ ایک آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت سے زائل کیا جائے۔

نسخ کی اس تعریف سے یہ صورتیں سامنے آجاتی ہیں:

- ☆ پہلی آیت کا مدت عمل ختم ہو جانا یعنی اب پہلی آیت پر عمل نہیں ہوگا دوسری پر ہوگا جس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔
- ☆ آیت کے صاف اور واضح معنی کو پھیر کر دوسرے معنی کی طرف لے جانا۔
- ☆ کسی آیت میں لگی ہوئی قید کو اٹھا دینا یا کسی آیت میں کسی قید کا بڑھا دینا۔
- ☆ آیت کے عام مفہوم کو خاص کر دینا۔

Marfat.com

☆ زمانہ جاہلیت کی کسی رسم کو یا عادت کو مٹا دینا یا کسی پہلی شریعت کے حکم کو زائل کر دینا۔

اہل اصول کے نزدیک نسخ کے معنی چونکہ وسیع ہیں اس لیے ان کی عقل وخرد کو بھی اس میں جولانی دکھانے اور اختلاف کرنے کی گنجائش مل گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس فکر کے علماء قرآن حکیم میں منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک بیان کرتے ہیں۔ اگر اہل اصول علماء کے موقف سے اتفاق کر کے ہم قرآن حکیم کی پانچ سو آیات یا اس سے زیادہ کو منسوخ مان لیں تو عام لوگوں کو قرآن سے احکام اخذ کرنے کے لیے بہت مغالطے اور الجھنیں پڑ جائیں گی۔ مثلاً اگر وہ قرآن کی ایک آیت سے کوئی حکم اخذ کرتے ہیں تو ان کے دل میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید یہ آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ ہو۔ اس طرح سے ان کو اس حکم سے پہلو تہی برتنے کا بہانہ مل جاتا ہے۔

متقدمین کے نزدیک نسخ سے مراد یہ تھی کہ جب ایک مضمون جسے پہلے مطلق طور پر بیان کیا گیا ہو اور بعد میں دوسرے مقام پر اسے مقید کیا گیا ہو یا پہلے کوئی بات اجمالی طور پر بیان کی گئی ہو جس کی تفصیل بعد میں دی گئی ہو تو لغوی طور پر اسے اس طرح کہا جائے گا کہ دوسرے مضمون نے پہلے مضمون کو منسوخ کر دیا۔ اس قسم کا نسخ واقعی قرآن حکیم میں موجود ہے اور اس کے متعلق کسی کو اعتراض بھی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر مکی آیات عموماً کلیات واصول بیان کرتی ہیں جب کہ مدنی سورتوں میں ان کی تفصیل وتشریح بیان کی گئی ہے۔

بہر حال امت میں اس اصطلاح کے معنی ومفہوم میں اختلاف کی بناء پر انتشار کے سد باب کے لیے متاخرین کے نزدیک منسوخہ آیات کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ علامہ سیوطی کے نزدیک صرف انیس آیات منسوخ ہیں، جب کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس میں بھی اختلاف کرتے ہیں اور صرف پانچ کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک پانچ منسوخ آیات

۱۔ كتب عليكم اذا حضر احد كم الموت ان ترك خير ان الوصية

(سورۃ البقرہ۔۱۸۰)

ترجمہ: تم پر فرض ہے کہ جب کسی کو (آثار سے) موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کہ

Marfat.com

کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہوتو اپنے والدین اور دیگر اقارب کے لیے معقول اور بہتر انداز میں کچھ وصیت کر جائے۔

☆ اس آیت کی رو سے مرنے والوں پر وصیت فرض تھی اس کے بعد وراثت کا حکم آ گیا۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم (سورۃ النساء۔۱۱)

ترجمہ: اللہ تم کو تمھاری اولاد کے ضمن میں میراث کا حکم دیتا ہے۔

☆ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ سورۃ النساء کی اس آیت نمبر ۱۱ نے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ کو منسوخ کر دیا۔

۲۔ **یاایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال ط ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین** (سورۃ الانفال۔۶۵)

ترجمہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجیے (اور اس کے متعلق ہر قانون سنا دیجیے کہ) اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو (اپنے دس گنا عدد پر یعنی) دو سو غالب آجائیں گے۔

☆ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ کفار اگر اپنے سے دس گنا زیادہ بھی ہوں پھر بھی ان کو شکست دینے کے لیے بہرحال مسلمانوں کو مقابلہ کرنا چاہیے لیکن اس سے اگلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمزوری اور ضعف پر نظر کرتے ہوئے تخفیف کر دی۔

الئن خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفا (سورۃ الانفال۔۶۶)

ترجمہ: اب اللہ نے بوجھ ہلکا کر دیا اور جانا کہ تم میں ضعف یا کمزوری بھی ہے اور حکم کر دیا کہ اگر تم میں سے سو آدمی بھی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو اپنے سے دو گنا یعنی دو سو پر غالب آجائیں گے۔

☆ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں سورہ انفال کی آیت نمبر ۶۶ نے ہی اپنے سے پہلی آیت نمبر ۶۵ کو منسوخ کر دیا۔

۳۔ **یا ایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ ذلک**

Marfat.com

خیر لکم و اطھر ط فان لم تجدوا فان اللہ غفور رحیم (سورۃ المجادلہ۔۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ کیا) کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو۔ تمہارے لیے ثواب حاصل کرنے کی خاطر بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم کو صدقہ (دینے کا) مقدور نہ ہو (اور سرگوشی کرنے کی بھی ضرورت پڑے) تو اللہ غفور رحیم ہے۔

☆ اس آیت میں حضور اکرم ﷺ سے مشورہ (خفیہ) کے متعلق منافقین کی سازشوں کو روکنے کے لیے صدقے کا حکم دیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ اس آیت کو اس کے فوراً بعد والی آیت نے منسوخ کر دیا۔

اشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوا کم صدقت ط فاذلم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و اطیعوا اللہ ورسولہ ط واللہ خبیر بما تعملون (سورۃ المجادلہ۔۱۳)

ترجمہ: کیا تم (یعنی تم میں سے کچھ) بعض سرگوشی سے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے۔ سو (خیر) جب تم (اس کو) نہ کر سکو اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے حال پر عنایت فرمائی (کہ بالکل منسوخ کر کے اس کو معاف کر دیا جس کی حکمت ظاہر ہے کہ جس مصلحت کے واسطے یہ حکم واجب ہوا تھا وہ مصلحت حاصل ہوگئی۔ کیونکہ مصلحت سدباب تھی جو نسخ کے بعد بھی باقی رہی کہ لوگ احتیاط کرنے لگے۔ غرض ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا) تو دوسری عبادات کے پابند رہو اور زکوۃ دیا کرو اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو (مطلب یہ ہے کہ اس نسخ کے بعد تمھاری نجات کے لیے احکام باقیہ پر استقامت و ہمیشگی ہی کافی ہے) اور اللہ کو تمہارے اعمال کی (اور ان کی حالت ظاہری و باطنی کی) سب خبر ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت نے بھی اپنے سے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

مندرجہ بالا تین آیات تو وہ ہیں جن کے نسخ کے بارے میں شاہ صاحب نے مکمل اتفاق کیا ہے باقی دو آیات ایسی ہیں جن میں انھوں نے نسخ کو تسلیم کرتے ہوئے تاویل بھی کی ہے۔

Marfat.com

۴۔ والّٰتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدو اعلیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفهن الموت اویجعل الله لهن سبیلا (سورۃ النساء۔۱۵)

ترجمہ: اور جو عورتیں بے حیائی کا کام (یعنی زنا) کریں تمھاری (منکوحہ) بیویوں میں سے، سو تم لوگ ان عورتوں (کے اس فعل) پر چار آدمی اپنوں میں سے (یعنی مسلمان، آزاد، عاقل اور بالغ، مذکر) گواہ لاؤ (تا کہ ان کی گواہی پر قاضی سزائے آئندہ جاری کر سکیں) سو اگر وہ گواہی دی دیں تو (ان کی سزا یہ ہے کہ) تم ان کو (بحکم حاکم) گھروں کے اندر (حکمتا) مقید کر دو یہاں تک کہ (یا تو) موت ان کا خاتمہ کر دے (اور) یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راہ (یعنی حکم ثانی) تجویز فرما دے۔

الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة (سورۃ النور۔۲)

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔

☆ کہا جاتا ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵ سورہ نور کی اس آیت نمبر ۲ کے ساتھ منسوخ ہوگئی۔ لیکن شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۵ میں تو بدکار عورتوں کو گھر میں بند رکھنے کی تاکید کی گئی ہے حتیٰ کہ ان کو موت آ جائے یا اللہ ان کے بارے میں کوئی اور راہ نکال دے سورہ نور کی اس آیت میں سزا کو بیان کر کے ''کوئی اور راہ'' ہی نکالی گئی ہے۔

۵۔ یا ایها الذین امنوا شهادة بینکم اذا حضر احد کم الموت حین الوصیة اثنن ذوا عدل منکم اواخرٰن من غیر کم (سورۃ المائدہ۔۱۰۶)

ترجمہ: اے ایمان والو تمہارے آپس (کے معاملات) میں (مثلاً ورثاء کو مال سپرد کرنے کے لیے) دو اشخاص کا وصی ہونا مناسب ہے (گو بالکل وصی نہ بنانا بھی جائز ہے) جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے (یعنی جب وصیت کرنے کا وقت ہو (اور) وہ شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) ہوں یا غیر

Marfat.com

قوم کے دو شخص ہوں (بشرطیکہ اگر مسلمان نہ ملیں)..........

اس آیت کے بارے میں ائمہ کی رائے مختلف ہے امام احمد بن حنبل کے نزدیک آیت کے مندرجہ بالا ٹکڑے میں آخری لفظ ''من غیر کم'' سے غیر مسلم مراد ہیں جب کہ کچھ ائمہ کے نزدیک اس سے مراد غیر رشتہ دار مراد ہیں نہ کہ غیر مسلم جب کہ قرآن کی دوسری آیت واشھدوا ذوی عدل منکم (سورۃ الطلاق۔۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر مسلم کا مسلمانوں پر گواہ بنانا جائز نہیں۔لہٰذا دیگر ائمہ کے نزدیک تو اس میں نسخ نہیں بنتا مگر امام احمد بن حنبل کے نزدیک اسے نسخ ماننا پڑے گا اور شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ بھی امام احمد بن حنبل سے اتفاق کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے نسخ کے ہی قائل ہیں۔

❀❀❀

Marfat.com

بیسواں باب

علم اسباب النزول

اسباب النزول سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ فلاں آیت یا سورۃ کب اور کس واقعہ کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ امام جلال الدین سیوطی کے نزدیک قرآنی آیات کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ آیات جو ابتداً کسی واقعے کے رونما ہوئے بغیر نازل ہوئیں۔

۲۔ وہ آیات جو کسی واقعے یا سوال کے جواب میں نازل ہوئیں۔ ۱۰۶

اہمیت

☆ امام شاطبیؒ نے اس علم کی غرض و غایت اس طرح بیان کی ہے کہ "سبب نزول کے معلوم ہو جانے سے قرآن فہمی میں ہر قسم کے اشکال کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم کے مطالب و معانی سمجھنے کے لیے یہ علم ازبس ناگزیر ہے۔ سبب نزول کے جاننے کا مطلب اس موقع و مقام کا معلوم کرنا ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ سبب نزول کے نہ جاننے سے آدمی کو فہم قرآن میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے اور ایک واضح حکم بھی مبہم ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے معنی و مفہوم میں نزاع و اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ [۱]

واحدی کہتے ہیں کہ کسی آیت کا سبب نزول معلوم کیے بغیر اس کی تفسیر ممکن نہیں ہے۔

ان دقیق العبد کے نزدیک اسباب نزول سے آگاہی قرآن مجید کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہونے کا شاندار ذریعہ ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ سبب نزول سے آگاہی کسی آیت کے فہم و ادراک میں بڑی حد تک مددگار ثابت ہوتا ہے۔

بعض علمائے سلف اسباب نزول کے نہ جاننے کی وجہ سے بعض آیات کے معانی نہ سمجھ سکے اور جب ان کو آیات کا سبب نزول معلوم ہوا تو اشکال جاتا رہا۔ [۳]

Marfat.com

مسئلہ اسباب نزول۔ الفوز الکبیر کی روشنی میں

شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر میں مسئلہ اسباب نزول پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے عام مفسرین کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنی تفسیر کی کتابوں میں تقریباً ہر آیت کے متعلق ایک جزوی واقعہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ آیت ابوجہل کے بارے میں اتری ہے، یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے، یہ آیت عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس آیت میں اہل بیت کے فضائل کا بیان ہے۔ غرض قرآن مجید کی آیت کو مخصوص اشخاص وواقعات سے مختص کر دینے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ استاد اور طالب علم بالعموم انہی جزوی باتوں کے غور وخوض اور تحقیق وتلاش میں مصروف ہو گئے اور قرآن مجید مجموعی طور پر جس عمومی ودوامی دعوت فکر وعمل کا حامل ہے وہ فکر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

اختلاف کی وجہ

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ علم تفسیر کا دوسرا دشوار ترین مسئلہ معرفت اسباب نزول ہے۔ یہاں بھی دراصل اس ''اسباب نزول'' کی اصطلاح میں متقدمین اور متاخرین کے نزدیک معنی ومفہوم کا اختلاف ہے۔

حضرات صحابہ وتابعین کا موقف

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے موقف سے جس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ کہنا ''نزلت فی کذا'' (یعنی یہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی) کسی ایسے قصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا جو زمانہ نبوی میں واقع ہوا ہو اور وہ نزول آیت کا سبب بنا ہو۔ ان حضرات صحابہؓ اور تابعین کی عادت ہے کہ مصداق ہائے آیت میں سے کسی ایسے مصداق کا جس کا وجود زمانہ نبوی یا اس کے بعد ہوا ہو، ذکر کر کے ''نزلت فی کذا'' کہہ دیتے ہیں۔ ایسے موقع پر اس کا تمام قیود کے ساتھ منطبق (متعلق) ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔ ہاں اصل حکم میں انطباق (تعلق) ہونا چاہیے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہوگا کہ انھوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

Marfat.com

کوئی سوال پیش کیا یا آپ ﷺ کے زمانہ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا اور آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم کسی آیت کو پیش نظر رکھ کر دے دیا اور اس آیت کو اس موقع پر تلاوت فرمایا ہو تو ایسے واقعات کو بیان کرتے ہوئے بھی کہہ دیا کرتے تھے "نزلت فی کذا" ایسی خاص صورتوں میں کبھی "فانزل الله تعالیٰ قوله کذا" یا صرف "فنزلت" بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کسی آیت سے استنباط (سے فیصلہ اخذ کرنا) اور آپ ﷺ کے قلب مبارک میں اسی وقت اس آیت کا القاء (دل میں بات آنا) ہی وحی کی ایک قسم ہے۔

محدثین ومفسرین قرآنی آیات کے ذیل میں بہت سی ایسی اشیاء ذکر کر جاتے ہیں جو فی الحقیقت اسباب نزول میں داخل نہیں ہوتیں مثلاً

☆ صحابہ کا اپنے باہمی مناظرات میں کسی آیت سے استشہاد کرنا (یا گواہی کے طور پر پیش کرنا)۔

☆ آیات سے تمثیل یعنی مثال دینا۔

☆ اپنے کلام کے استشہاد میں حضور اکرم ﷺ کا کسی آیت کو تلاوت فرمانا۔

☆ محدثین کا کسی ایسی حدیث کو روایت کرنا جس کو آیت کے ساتھ اس کی اصل غرض یا موقع نزول یا آیات کے اندر ذکر کیے گئے اسماء کے مبہم معانی کے تعین میں موافقت حاصل ہو۔

☆ آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کے کسی لفظ کو بذریعہ تلفظ سمجھایا ہو۔

☆ آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کی آیات یا کسی سورت کے فضائل کا بیان کیا ہو۔

☆ آنحضرت ﷺ نے قرآن کے کسی حکم پر جیسے عمل کیا تھا اس کا اظہار کیا ہو۔

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ یہ تمام چیزیں اسباب نزول میں شمار نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان سب سے واقفیت اور آگاہی ہر مفسر کے لیے ضروری ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مفسر کے لیے دو بنیادی چیزوں کی معرفت شرط ہے۔

۱۔ ایک ان واقعات کا جاننا جن کی طرف آیات اشارہ کرتی ہوں۔

Marfat.com

۲۔ وہ حصے جن کے ساتھ عام کو خاص بنایا جاتا ہو ان کا جاننا بہت ضروری ہے۔

مزید یہ کہ جن غزدات یا واقعات کی طرف آیات میں اشارے ہیں ان کا علم ہو۔ آیات میں جو قیود پائی جاتی ہیں ان کے فوائد کا علم ہو۔

انبیاء کے قصص احادیث میں کم مذکور ہیں

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرات انبیاء سابقین کے قصے احادیث میں بہت کم مذکور ہیں۔ وہ سب زیادہ تر علمائے اہل کتاب سے منقول ہیں۔ اس بارے میں صحیح بخاری کے اندر خود رسول اللہ ﷺ کی صاف حدیث موجود ہے **لا تصدقوا اهل الكتاب و لا تكذبوهم** (تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب)

صحابہ کرام نے بھی اگر اپنے اقوال میں مشرکین و یہود کے مذاہب اور ان کی عادات کے بارے میں ذکر کیا ہے تو محض اس لیے کہ اسلام اور سابقہ مذاہب کی رسوم و عادات میں امتیاز قائم ہو جائے اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ "**نزلت الاية فی کذا**" کہ یہ ساری باتیں ان آیات کے نزول کا سبب ہیں تو البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے دوسرے واقعات میں وہ آیت نازل ہوئی ہو اور صحابہ نے اسے بطور استدلال پیش کیا ہو۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس وقت تک کوئی شخص فقیہہ نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ایک آیت کو کئی واقعات کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔

قرآن میں کسی سبب کے بغیر نازل آیات کی مثالیں

قرآن کی متعدد آیات میں سعادت مند نیک لوگوں اور بعض مقامات پر بد بخت برے لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے اور ان کے اچھے برے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔ ان آیات کا کسی خاص شخصیت کے حوالے سے کوئی خاص سبب نزول نہیں ہوتا فقط عام انداز میں عام اچھے یا برے لوگوں کے اوصاف کا ہی ذکر مقصود ہوتا ہے مثلاً ارشاد ہے۔

☆ **ووصینا الانسان بوالدیه احسانا ط حملته امه کرها ووضعته کرها** (سورۃ الاحقاف۔۱۵)

Marfat.com

ترجمہ: اور ہم نے نصیحت کی ہے کہ انسان اپنے ماں باپ سے بھلائی کا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا۔

اس آیت میں اب انسان کو عمومی حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مثال کے طور پر بد بخت لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے۔

☆ واذا قیل لهم ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین (سورۃ النحل۔۲۴)

ترجمہ: جب کبھی ان کو کہا کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب نے تو کہتے ہیں وہ تو کہانیاں ہیں فقط پہلے لوگوں کی۔ اسی طرح نیک بخت لوگوں کی مثال ہے۔

☆ وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم ط قالوا خیرا (سورۃ النحل۔۳۰)

ترجمہ: اور جب کہا پرہیز گاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے تو بولے نیک بات۔

مزید یہ کہ

☆ وضرب الله مثلاً قریة کانت امنة مطمئنة (سورۃ النحل۔۱۱۲)

ترجمہ: اور بتائی اللہ نے مثال اس بستی کی کہ جو امن چین سے رہتی چلی آرہی تھی۔

☆ هو الذی خلقکم من نفس و احدة وجعل منها زوجها لیسکن الیها (سورۃ الاعراف۔۱۸۹)

ترجمہ: وہی (اللہ) ہے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا کہ پاوٗ اس سے آرام۔

☆ قد افلح المومنون ۝ الذین هم فی صلاتهم خاشعون (سورۃ المومنون۔۱،۲)

ترجمہ: کامیاب ہو گئے ایمان والے، جو اپنی نماز میں ڈرتے رہتے ہیں۔

☆ ولا تطع کل حلاف مهین (سورۃ القلم۔۱۰)

ترجمہ: اور اعتبار نہ کر و یونہی بے کار قسمیں کھانے والے کا۔

☆ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة (سورۃ البقرہ۔۲۶۱)

ترجمہ: (جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ان کی مثال ایسے ہے جیسے وہ بوئیں ایک

Marfat.com

دانہ پھر اس سے اگیں سات بالیاں، ہر بالی میں ہو سو دانے)۔

مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں کوئی خاص بستی، دوسری آیت میں کوئی خاص انسان، تیسری آیت میں کوئی خاص مومن، چوتھی آیت میں کوئی خاص جھوٹی قسمیں کھانے والے انسان اور پانچویں آیت میں کوئی خاص دانہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ساری باتیں بطور مثال و علامات بیان کی گئی ہیں کسی خاص نزول یا سبب نزول کے طور پر نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ علامات و اشارات کسی خاص بات یا واقعہ پر صادق آ جائیں تو اس کو سبب نزول کے زمرے میں نہیں لایا جائے گا بلکہ اتفاق کہا جائے۔

بعض قرآنی عبارت میں کسی خاص پیدا ہونے والے شبے کا بھی از خود اگلی آیات میں جواب دے دیا جاتا ہے اور یہاں بھی مراد نہیں لی جائے گی کہ وہ شبہ لازمی کسی کو پیش آیا تھا اور اس کے جواب میں سبب نزول پر وہ آیات نازل ہوئیں۔

فن توجیہہ

توجیہہ کا مادہ ''وجہ'' ہے، اس کے معنی ہیں اصل حقیقت بتانا یا ظاہر کرنا۔ تفسیر قرآن میں اصطلاح توجیہہ کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے معنی و مفہوم میں پیدا ہونے والے شبہ کی وجہ بیان کرنا یا اس شبہ کی اصل حقیقت ظاہر کرنا۔ بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ کسی آیت کا اصل مطلب ذہن میں نہیں آتا بظاہر دو آیات میں تضاد نظر آتا ہے تو اس سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے مفسر جب ایسے شبہات یا نکات کو حل کرتا ہے تو اسے توجیہہ کرنا کہتے ہیں مثلاً

☆ قرآن حکیم میں ہے یا اخت هارون (سورۃ مریم۔۲۸)

(اے ہارون کی بہن) اس سے یہود یہ مغالطہ اختیار کر گئے کہ یہاں حضرت مریمؑ کو پیغمبر حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن کہا گیا ہے حالانکہ حضرت مریم حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے آیت میں الفاظ کی یہ توجیہہ پیش کر کے مسئلہ اور مغالطہ دور کر دیا کہ یہ ہارون پیغمبر نہیں ہیں بلکہ مریم کے بھائی ہیں۔ بزرگوں کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھنے کا اس وقت بھی رواج تھا۔

Marfat.com

☆ ایک جگہ ارشاد ہے۔

افمن یمشی مکبا علی وجھہ اھدی (سورۃ الملک۔۲۲)

ترجمہ: (بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ) جو چلے اوندھے منہ وہ سیدھی راہ کو پا لے۔

لوگوں کو آیت کے لفظی معنی سے حیرت ہوگئی اور اشکال پیدا ہوا کہ کوئی منہ کے بل کیسے چل سکے گا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے توجیہہ فرمائی کہ جو خدا انسان کو پاؤں پر چلانے پر قادر ہے وہ اوندھے منہ بھی چلا سکتا ہے۔

☆ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

فلا جناح علیہ ان یطوف بھما (سورۃ بقرہ۔۱۵۸)

ترجمہ: کہ صفا اور مروہ کی دوڑ لگانے (چکر لگانے) میں کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت سے لوگوں کو یہ شبہ ہوا جب صفا اور مروہ کی سعی حج کا واجب رکن ہے تو پھر آیت میں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ یہ عمل کرنے میں کچھ گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے اس کی یہ توجیہہ فرمائی کہ زمانہ جاہلیت میں ان پہاڑوں پر بت ہوتے تھے۔ اسلام آنے کے بعد لوگوں نے ان پہاڑوں کے درمیان سعی کرنے کو گناہ سمجھا تو اس شبہ کے جواب میں فرمایا گیا کہ اس عمل میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الاتقان، مطبوعہ قاہرہ، ج۱، ص۲۹۔

۲۔ الموافقات مطبوعہ قاہرہ، ج۳، ص۲۴۷۔

۳۔ لباب النقول فی اسباب النزول، قاہرہ، ص۳۔

❀❀❀

Marfat.com

اکیسواں باب

فہم قرآن میں مشکلات کے اسباب

جہاں تک قرآن مجید کا دین اسلام کے بنیادی ماخذ اور انسان کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہونے کا تعلق ہے اس ضمن میں اس کے سہل، آسان اور قابل عمل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس کے دلائل اور انداز بیان ایسا جامع اور دل گرفت ہے کہ جہاں بڑے بڑے حکیم اور فلسفی اس سے عقل و خرد کے موتی چنتے ہیں، سیاست دان اصول سیاست، سائنس دان اصول تسخیر کائنات، معیشت دان اصول معیشت، قانون دان اصول عدل وانصاف، عارف اصول معرفت، عالم اصول علم، زاہد اصول زہد وتقویٰ حاصل کرتے ہیں وہیں پر ایک عام آدمی بھی اس کی تعلیمات سے فیض یاب ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے فہم وادراک کے راستے میں بعض مقامات پر کچھ مشکلات بھی موجود ہیں۔ واضح رہے کہ ان مشکلات کا تعلق اس کلام کی بنیادی تعلیمات اور ضابطہ حیات سے نہیں ہے بلکہ اسلوب بیان اور طریقہ اظہار اور عربی زبان کی ادائے خاص سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر زبان اپنے اندر اظہار و وضاحت کے مختلف انداز رکھتی ہے اور عربی کو بلاشبہ زبان سے زیادہ فن کے شاہکار کی فضیلت حاصل ہے۔ عربوں نے صدیوں کی محنت وکاوش سے جس طرح اس زبان کو بیان واظہار اور معانی ومطالب سے بہرہ مند کیا، دوسری زبانوں میں اس کی مثال نایاب ہے۔

زبان کے بارے میں ایک یہ بھی انسانی اصول ہے کہ اس کی نیرنگیوں اور روایتوں پر اسی شخص کو عبور ہوتا ہے جس نے وہ زبان ماں کی گود سے سیکھی ہو۔ زبان عرب کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اس کی بھی بعض ادائیں تو ایسی اچھوتی ہیں کہ ان کو وہی شخص جان سکتا ہے جو پیدائشی عربی ہو یا پھر اس کا اسی زبان کے ماحول کے اندر رہتے ہوئے اٹھنا بیٹھنا اور اوڑھنا بچھونا عربی ہو، لیکن اس کے

Marfat.com

برعکس اگر کوئی ترجمے کی صورت میں ان ادائے خاص کا فہم حاصل کرنا چاہے تو سخت دشواری نہیں بلکہ ناممکن ہے بلکہ ایک زبان دوسری زبان میں منتقل ہو کر اپنی اصل بلاغت، بے ساختگی، معنویت اور حسن و جمال کھو بیٹھتی ہے۔ یہی وہ مشکلات، اِخفا اور پوشیدگیاں ہیں جو فہم قرآن کے راستے میں غیر عرب زبان کے حامل افراد کو پیش آتی ہیں۔ ان کو اچھی طرح سمجھے بغیر ہم قرآن حکیم کی اصل روح تک نہیں پہنچ سکتے کہ آخر اس پیغام کا یا مختلف مقامات پر اس کی آیات اور سورتوں کا مقصد و مدعا کیا ہے۔

اس کے علاوہ مشکلات کی ایک نوعیت وہ ہے جس کا تعلق یا تو قرآن کے طریقہ افہام و تفہیم سے ہے یا اس طریقہ اظہار سے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر کے باب دوم کی فصل سوم میں آیات قرآنی کے معانی و مفہوم کے اندر اِخفا، پوشیدگی یا کسی بھی قسم کی ممکنہ الجھنوں کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ شاہ صاحب کے مطابق جو اشیاء فہم قرآن میں مشکل پیدا کرتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ حذف

حذف کے معنی ہیں کہ کلام میں سے کسی حرف، لفظ، اصطلاح، کلمے، فاعل، فعل، مفعول وغیرہ کو خارج کر دینا یا ذکر نہ کرنا۔ اس حذف سے عام حالات میں معنی و مفہوم کے اندر کوئی فرق نہیں آتا مگر بعض حالات میں پوشیدگی ہوتی ہے۔ سمجھنے کے لیے ایک مثال پر غور کرتے ہیں۔

کمرہ جماعت میں استاد موجود ہے اور اس کے سامنے ایک ہی طالب علم ہے۔ استاد اس طالب سے کہتا ہے ''کتاب کھولو'' یہاں پر اصولاً استاد کو اس طرح کہنا چاہیے تھا کہ ''تم کتاب کھولو'' مگر جب استاد صرف اتنا کہتا ہے کہ ''کتاب کھولو'' اس جملے میں ''تم'' حذف ہے۔ اس سے معنی و مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ جب کمرہ جماعت میں ایک طالب علم ہے تو استاد کا ''کتاب کھولو'' یا ''تم کتاب کھولو'' کہنا ایک ہی مفہوم کے مترادف ہے۔ ہاں البتہ اشتباہ یا اخفا اس وقت ہو سکتا ہے جب کمرہ جماعت میں کئی طالب علم ہوں پھر استاد کہے ''کتاب کھولو'' تو اشتباہ ہو سکتا ہے کہ استاد نے اتنے سارے طالب علموں میں سے کس کو کہا ہے مگر یہاں بھی اس سے غالب

Marfat.com

معنی یہی لیے جائیں گے کہ استاد نے سب سے کہا ہے کہ "کتاب کھولو" اگر استاد نے سب کی بجائے کسی خاص طالب علم کو کہا ہوتا "کتاب کھولو" تو لازماً اس کا نام لیتا۔لہٰذا ایسے حذف سے معانی و مفہوم میں اِخفا کا امکان تو ہوتا ہے مگر ایسا ہوتا نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں بھی بعض مقامات پر ایسے حذف کی مثالیں موجود ہیں مثلاً

☆ واتینا ثمود الناقة مبصرة (سورۃ بنی اسرائیل۔۵۹)

ترجمہ: ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی بطور نشانی دیکھنے کے لیے دی۔

آیت کا سیاق و سباق یہ چل رہا ہے کہ ہم نے ہر امت اور قوم کو نشانیاں دی۔اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی بطور نشانی دیکھنے کے لیے دی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آیت کے اندر نشانی کے لیے اس لفظ کا عربی ترجمہ ایۃ کہیں بھی استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ لفظ حذف ہے اور سیاق و سباق سے جان کر ہم اس کا یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ قوم ثمود کو یہ اونٹنی بطور نشانی دی۔

اسی طرح سورہ یوسف میں ہے۔

☆ وسئل القریہ (سورۂ یوسف۔۸۲)

ترجمہ: اور پوچھ لے اس بستی سے

بستی سے کبھی کوئی بات نہیں پوچھی جاتی بلکہ اس سے مراد بستی کے لوگ ہیں یعنی اہل قریہ یا بستی کے لوگ اور قرآن کے ان الفاظ میں "اہل" کا لفظ حذف ہے۔اس وجہ سے ویسے تو معانی محکم ہیں مگر اِخفا کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وسئل القریہ "بستی سے کیسے پوچھا جاسکتا ہے؟"

۲۔ابدال

ابدال سے مراد یہ ہے کہ حرف، لفظ، اسم، فعل، فاعل کی جگہ کوئی دوسرا حرف، لفظ، اسم، فعل، فاعل لے آنا یا استعمال کرنا۔واحد کی بجائے جمع کا صیغہ استعمال کر لینا، واحد مونث کی جگہ جمع مذکر اور جمع مونث کی بجائے جمع مذکر استعمال کرنا۔اس طرح کی تمام صورتوں کو ابدال یعنی بدل دینے کا نام دیتے ہیں۔

Marfat.com

سمجھنے کے لیے مثال ہے۔ اگر ہم کہیں کہ:

''وہ قرآن کا بہت اچھا قاری ہے۔'' اس جملے کو دوسری طرح بیان کریں:

''وہ قرآن پڑھنے میں بہت خوش آواز ہے'' اس جملے میں ''اچھا قاری کی جگہ ہم نے الفاظ استعمال کئے ''بہت خوش آواز'' یہی ابدال ہے۔

دوسری مثال

''امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بے مثال خطیب تھے''۔

اسی جملے کو اس طرح کہیں

''امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری لاجواب شعلہ بیان مقرر تھے''۔

یہاں پر ہم نے ''بے مثال خطیب'' کے الفاظ کو ''لاجواب شعلہ بیان مقرر'' کے الفاظ میں بدل ڈالا، پس یہی ابدال ہے۔

قرآن حکیم میں بھی اس طرح کے ابدال کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً

☆ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک و بالآخرۃ هم یوقنون (سورۃ البقرہ۔۴)

ترجمہ: اور جو یقین رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا یعنی قرآن اور جو کچھ آپ سے قبل نازل کیا گیا (یعنی سابقہ آسمانی کتب) اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اب یہاں اس ایک ہی آیت میں ''یقین رکھنے'' کے لیے قرآن مجید نے پہلے ''یومنون'' کا لفظ استعمال کیا اور آیت کے آخر میں ''یوقنون'' کا لفظ استعمال کیا۔ اب یہ ایک ہی معنی کے ایک لفظ کی بجائے جو دوسرا لفظ استعمال کیا گیا ہے یہی ''ابدال'' ہے۔

دوسری مثال قرآن حکیم میں ہے۔

☆ ولقد کرمنا بنی آدم (سورۃ بنی اسرائیل۔۷۰)

ترجمہ: ہم نے انسان کو عزت عطا کی۔

ایک اور جگہ ہے۔

Marfat.com

☆ یایها الانسان ما غرک بربک الکریم (سورۃ الانفطار۔٦)

ترجمہ: اے انسان تجھے کس بات نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

اب مندرجہ بالا دونوں مختلف آیات میں انسان کے لیے ایک جگہ ''انسان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ایک آیت میں انسان کے لیے ''بنی آدم'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہی ابدال ہے۔

۳۔ تقدیم وتاخیر کلام

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بات کا تسلسل توڑ کر درمیان میں کوئی دوسری بات ہونا یا کرنا اور دوبارہ نئے سرے سے پہلے والی بات سے تعلق قائم کرنا۔

سمجھنے کے لیے مثال ہے:

''اگر تم محنت کرتے ...... اپنے استاد کی نصیحت مان لیتے اور اپنی کتابوں سے تعلق استوار رکھتے تو آج پریشانی کے دن نہ دیکھتے اور ...... کامیاب ہو جاتے۔''

مندرجہ بالا عبارت میں اصل بات یہ ہے کہ ''اگر تم محنت کرتے تو کامیاب ہو جاتے۔''

درمیان جو دوسری باتیں آ گئیں کہ ''اپنے استاد کی نصیحت مان لیتے اور کتابوں سے تعلق استوار رکھتے'' ان باتوں کی وجہ سے کلام کا تسلسل ٹوٹ گیا اور تقدیم وتاخیر ہونے کی وجہ سے عبارت کا مسلسل معنی ومفہوم سمجھنے میں اخفا کی صورت پیدا ہو گئی۔

قرآن حکیم میں بھی بعض مقامات پر اس طرح ہے مگر یہ مسائل قاعدہ کلیہ میں خفا پیدا نہیں کرتے، خفا کے شائبے کا امکان ہی پیدا کرتے ہیں۔

مثلاً ارشاد ہے۔

☆ ولولا کلمة سبقت من ربك لكان لزاما و اجل مسمى (سورۂ طٰہٰ۔۱۲۹)

ترجمہ: اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ایک بات طے نہ کر دی گئی ہوتی اور مہلت کی ایک مدت مقرر نہ کی جا چکی ہوتی تو ضرور ان کا بھی فیصلہ چکا دیا جاتا۔

Marfat.com

اب یہاں کلام میں تسلسل اور سیاق وسباق کے اعتبار سے بات صرف یہ ہے کہ:

اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ایک بات طے نہ کر دی ہوتی تو ضرور ان کا بھی فیصلہ چکا دیا جاتا بشرطیکہ ایک مہلت نہ مقرر کی جا چکی ہوتی۔

مگر قرآن میں اس اسلوب کو بھی اپنایا گیا ہے کہ ایک بات کو شروع کر کے درمیان میں کوئی اور بات کر کے پھر آئندہ الفاظ کا تعلق پچھلے کلام سے جوڑ دیا جاتا ہے جو کہ اپنی جگہ اسلوب بیان میں حسن کی ایک صنف ہے۔

۴۔اضافہ

اضافہ سے مراد ہے کہ اپنی بات یا کلام میں زور اور تاکید پیدا کرنے کے الفاظ کا تکرار یا اضافہ کرنا۔

مثلاً ''میں نے جو تمھیں نصیحت کی ہے'' یہ ایسی بات نہیں ہے'' کہ جس پر عمل نہ ہو سکے۔''

اس جملے میں ''ایسی بات نہیں ہے'' کے الفاظ اضافہ ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ ''میری نصیحت ایسی نہیں ہے جس پر عمل نہ ہو سکے'' مگر ہم نے زور پیدا کرنے کے لیے دوبارہ الفاظ کا اضافہ کر کے اس بات کو دہرایا ہے۔ تا کہ اس میں تاکید مزید ہو جائے۔

یا بعض اوقات ہم ایسے بھی کہتے ہیں کہ ''میری ہر بات اور ہر لفظ تمھیں بعد میں یاد آئے گا'' یہاں بھی ''ہر بات'' کے بعد ''ہر لفظ'' کا آنا ایک اضافہ ہے۔

قرآن حکیم میں بھی بعض مقامات پر یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

مثلاً ارشاد ہے۔

☆ یایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم و الذین من قبلکم لعلکم تتقون ○ الذی جعل لکم الارض فراشا و السمآء بنآء (سورۃ البقرہ۔۲۱۔۲۲)

ترجمہ: اے لوگو بندگی اختیار کرو اپنے رب کی جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ، (اللہ) وہی ذات ہے جس نے زمین کو بنایا تمہارے لیے فرش اور آسمان کو بنایا تمہارے لیے چھت۔

اب یہاں الارض کے ساتھ فراشا اور السماء کے ساتھ بناء کا اضافہ ہے۔ جس کی وجہ سے

Marfat.com

کلام کی وضاحت بھی ہوگئی اور بات میں وزن بھی پیدا ہوگیا۔

اسی طرح سورہ یوسف کے آغاز میں ہے۔

☆ نحن نقص عليك احسن القصص (سورۂ یوسف۔۳)

ترجمہ: ہم آپ کے لیے بیان کرتے ہیں، بہترین بیان۔

یہاں بھی نقص کے بعد احسن القصص کے الفاظ کا تکرار اضافہ ہے۔

اسی طرح

☆ القارعة o ماالقارعة o (سورۃ القارعۃ۔۱،۲)

ترجمہ: کھڑکھڑانے والی وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔

یہاں القارعہ کے بعد پھر اسی لفظ کا اضافہ کر کے سوال کے انداز میں موضوع اور بات کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ اضافہ ہے۔

۵۔ایک ہی طرح کے ضمائر اور اختلاف معانی

وہ حروف یا الفاظ جو کسی اسم کی جگہ استعمال کیے جائیں ضمیر (جمع ضمائر) کہلاتے ہیں۔ مثلاً ہم کہیں ''استاد صاحب جماعت میں آئے، استاد صاحب نے ایک سبق پڑھایا پھر استاد صاحب چلے گئے۔''

یہاں ایک ہی جملے اور چھوٹی سی بات میں تین مرتبہ جو ''استاد صاحب'' استعمال کیا گیا ہے یہ حُسنِ بیان کی بنیاد پر درست معلوم ہوتا ہے نہ ہی خوبصورت بلکہ درست اس طرح ہوگا کہ:

''استاد صاحب جماعت میں آئے انھوں نے ایک سبق پڑھایا پھر وہ چلے گئے۔''

اس جملے میں ایک مرتبہ ''استاد صاحب'' استعمال کرنے کے بعد دوبارہ ان کی جگہ لفظ استعمال کیے گئے ''انھوں نے'' اور ''وہ''۔ پس یہی ضمائر ہیں۔

بعض اوقات ہم ایک طرح کے ضمیر دو باتوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس سے کلام کے سمجھنے میں اخفا ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک کمرے میں چند طالبات تھیں اور دوسرے کمرے میں چند کتابیں تھیں اور ہم دونوں کے لیے اگر اس طرح سوال کریں کہ

Marfat.com

جو ادھر تھیں وہ کہاں ہیں؟ جو ادھر تھیں وہ کہاں ہیں؟

بے شک پہلی مرتبہ ہمارا سوال ضمیر ''جو'' کے استعمال سے طالبات کے بارے میں تھا اور دوسری مرتبہ ضمیر ''جو'' کے استعمال سے سوال کتابوں کے بارے میں تھا مگر دونوں ''جو'' کے استعمال سے بات واضح نہیں ہوتی۔ بے شک سننے والا ذہین ہے تو دونوں کا مطلب الگ الگ سمجھ جائے گا مگر عام سطحی ذہن رکھنے والے کے لیے اِخفا معانی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

قرآن حکیم میں بھی بعض مقامات پر اسی طرح ایک ہی طرح کے ضمیر مختلف جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں مثلاً قرآن میں ایک جگہ ہے:

☆ یسئلونک ماذا ینفقون ط قل ما انفقتم من خیر فللوالدین و الاقربین والیتمی و المسٰکین و ابن السبیل (سورۃ البقرہ۔۲۱۵)

ترجمہ: لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں: کہہ دیجیے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر رشتہ داروں پر یتیموں اور مسکینوں پر اور مسافروں پر۔

اسی طرح دوسری جگہ ہے۔

☆ یسئلونک ماذا ینفقون ہ قل العفو (سورۃ البقرہ۔۲۱۹)

ترجمہ: لوگ پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں کہہ دیجیے ضرورت سے زیادہ جتنا ہو۔

اب غور کریں تو مندرجہ بالا دونوں آیات میں ''ماذا'' کا ضمیر استعمال کیا گیا ہے اور دونوں آیات میں اس کا معنی ''کیا'' ہے حالانکہ ایسی صورت نہیں۔ لفظی معنی تو اس ضمیر کا بے شک مشترکہ ہے مگر مفہوم کے لحاظ سے دونوں جگہ معانی مختلف ہیں۔ اگر دونوں جگہ مفہوم کے اعتبار سے بھی معنی ایک ہی ہوتا تو دوبار سوال کرنے کی نوبت اور ضرورت نہ ہوتی۔

بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو سوال کیا گیا ''کہ لوگ پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں'' تو یہاں (ضمیر) ماذا (کیا) کے معنی کیفیت سے تعلق رکھتے ہی یعنی کہ زیادہ یا کم جتنا بھی خرچ کریں۔

دوسری آیت میں جو سوال ہے کہ لوگ پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ یہاں پر ماذا (کیا) سے مراد، کیفیت نہیں بلکہ اب ''کیا'' سے مراد مقدار ہے کہ کتنا خرچ کریں۔ تو جواب مختلف ہے کہ ضرورت سے زیادہ جتنا بھی ہو وہ ساری مقدار خرچ کر دیں۔

Marfat.com

جیسے ہم اپنی معاشرتی زندگی میں گھر میں کوئی مہمان آئے تو گھر کا ایک فرد دوسرے سے پوچھے کہ "وہ کیا لایا" جواب آیا "تحفہ" سوال کرنے والا پھر پوچھتا ہے "کیا" اب اس کیا کا جواب تحفہ نہیں بلکہ یہ بتانا پڑے گا کہ کون سا تحفہ؟ کیونکہ دوسری مرتبہ کیا سے مراد یہی ہے کہ تحفہ مگر "کیا چیز؛ کیا تحفہ"

۶۔ محکم ومتشابہ

محکم کے معنی ہیں صاف، ظاہر اور واضح۔ اصطلاح میں وہ لفظ یا کلمہ جس کو پڑھ کر یا سن کر انسان وہی مطلب سمجھ لے جس کے لیے وہ لفظ یہ کلمہ بنا ہے۔

جب کہ متشابہ کے لفظی معنی ہیں جس میں شبہ ہو۔ اصطلاح میں متشابہ سے مراد ایسا لفظ یا کلمہ ہے جس کے ایک سے زیادہ معنی ہوں اور تمام معانی کا سمجھنا یا موقع ومحل کے لحاظ سے وہ متعلقہ معنی اخذ کرنا مشکل ہو۔

ہم اپنی گفتگو میں محکم اور متشابہ دونوں قسم کے کلمے استعمال کرتے ہیں مثلاً

(الف) مجھے یہ کام کرنے میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑا (یہ محکم ہے)۔

(ب) میرے لیے اس کام کو کرنا آسمان سے تارے توڑ کر لانے کے مترادف تھا (یہ متشابہ ہے) کیونکہ اس کا مطلب عام انسان، جو اردو زبان کے محاورات واستعارات سے آگاہ نہیں ہے، نہیں سمجھ سکتا۔

قرآن حکیم میں بھی محکم ومتشابہ دونوں طرح کے الفاظ اور کلمات ہیں۔

قرآن حکیم میں خود ارشاد ہے۔

☆ هو الذی انزل علیك الکتاب منه آیات محکمت هن ام الکتب و اخر ط فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغا الفتنة وابتغاء تاویله ج وما یعلم تاویله الا الله و الراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب (سورۃ آل عمران۔۷)

ترجمہ: وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔ اس کتاب میں دو طرح کی آیات

Marfat.com

ہیں ایک محکمات جو کہ ام الکتاب (یعنی کتاب کی اصل بنیاد) ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کے برعکس جو پختہ علم والے (راسخون فی العلم) ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔

محکم پکی اور پختہ چیز کو کہتے ہیں۔ ''آیات محکمات'' سے مراد وہ آیات ہیں جن کی زبان بالکل صاف ہے۔ جن کا مفہوم متعین کرنے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جن کے الفاظ معانی ومدعا پر صحیح دلالت کرتے ہیں۔ جنھیں تاویلات کا تختہ مشق بنانے کا موقع مشکل ہی سے کسی کو مل سکتا ہے۔ یہ آیات (ام الکتاب) ''کتاب کی اصل بنیاد'' ہیں یعنی قرآن جس غرض کے لیے نازل ہوا ہے اس غرض کو یہ آیتیں پورا کرتی ہیں۔ انہی میں اسلام کی طرف دنیا کو دعوت دی گئی ہے، ان ہی میں عبرت ونصیحت کی باتیں فرمائی گئی ہیں، انہی میں گمراہوں کی تردید اور راہ راست کی توضیح کی گئی ہے، انہی میں دین کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں، انہی میں عقائد، عبادات، اخلاق، فرائض اور امر ونہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔ پس جو شخص طالب حق ہو اور یہ جاننے کے لیے قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہو کہ وہ کس راہ پر چلے اور کس راہ پر نہ چلے اس کی پیاس بجھانے کے لیے آیات محکمات ہی اصل مرجع ہیں اور فطرۃً انہی پر اس کی توجہ مرکوز ہوگی اور وہ زیادہ تر انہی سے فائدہ اٹھانے پر مشغول رہے گا۔

متشابہات وہ آیات ہیں جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کے لیے زندگی کا اس وقت تک کوئی راستہ تجویز نہیں کیا جا سکتا جب تک کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز وانجام اور اس پر انسان کی حیثیت اور ایسے ہی دوسرے بنیادی امور کے متعلق کم سے کم ضروری معلومات انسان کو نہ دی جائیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیزیں انسان کے حواس سے ماورا ہیں اور جو انسانی علم کی گرفت میں نہ کبھی آئی ہیں نہ آسکتی ہیں جن کو اس نے نہ کبھی دیکھا، نہ چھوا، نہ چکھا، ان کے لیے انسانی زبان میں نہ ایسے الفاظ مل سکتے ہیں جو انہی کے لیے وضع کیے گئے ہوں اور نہ ایسے معروف اسالیب بیان مل سکتے ہیں جن سے ہر سامع کے ذہن میں ان کی صحیح تصویر کھینچ

Marfat.com

جائے۔ لامحالہ یہ ناگزیر ہے کہ اس نوعیت کے مضامین کو بیان کرنے کے لیے الفاظ اور اسالیب بیان وہ استعمال کیے جائیں جو اصل حقیقت سے قریب تر مشابہت رکھنے والی چیزوں کے لیے انسانی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ مابعد الطبعی مسائل کے بیان میں قرآن کے اندر ایسی ہی زبان استعمال کی گئی ہے اور متشابہات سے مراد ایسی ہی آیات ہیں جن میں یہ زبان استعمال کی گئی ہے۔

لیکن اس زبان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ آدمی کو حقیقت کے قریب پہنچا دے یا اس کا ایک دھندلا سا تصور پیدا کر دے۔ ایسی آیات کے مفہوم کو متعین کرنے کی جتنی کوشش کی جائے گی اتنے ہی زیادہ اشتباہات و احتمالات سے سابقہ پیش آئے گا حتی کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کی بجائے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔ پس جو لوگ طالب حق ہیں اور ذوق فضول نہیں رکھتے وہ متشابہات سے حقیقت کے اس دھندلے عکس اور تصور پر قناعت کر لیتے ہیں جو کام چلانے کے لیے کافی ہے اور اپنی تمام تر توجہ محکمات پر صرف کرتے ہیں مگر جو لوگ ابوالفضول یا فتنہ جو ہوتے ہیں ان کا تمام تر مشغلہ متشابہات ہی کی بحث و تنقیب ہوتا ہے۔

یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب کوئی شخص متشابہات کا صحیح علم جانتے ہی نہیں تو ان پر ایمان کیسے لے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک معقول آدمی کو قرآن کے کلام اللہ ہونے کا یقین محکمات کے مطالعہ سے ہوتا ہے نہ کہ متشابہات کی تاویلوں سے اور جب آیات محکمات میں غور و فکر کرنے سے اس کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب واقعی اللہ کی کتاب ہے تو پھر متشابہات اس کے دل میں کوئی خلجان پیدا نہیں کرتیں۔ جہاں تک کہ ان کا سیدھا سادہ مفہوم اس کی سمجھ میں آتا ہے اس کو وہ لے لیتا ہے اور جہاں پیچیدگی رونما ہوتی ہے وہاں کھوج لگانے اور موشگافیاں کرنے کی بجائے وہ اللہ کے کلام پر مجمل ایمان لا کر اپنی توجہ کی باتوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔[1]

محکم اور متشابہ آیات کی مثال

قرآن حکیم میں ہے۔

☆ انا ارسلنا شاھدا و مبشرا و نذیرا (سورۃ الفتح۔۸)

Marfat.com

ترجمہ: (اے نبی) بے شک ہم نے آپ کو شاہد (گواہ) مبشر (خوش خبری سنانے والا) اور نذیر (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت سے واضح پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت محکم طور پر آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہے اور اس میں آپ ﷺ کے تین اوصاف (شاہد، مبشر اور نذیر) بیان کیے گئے ہیں۔

قرآن حکیم میں اسی جگہ ایک آیت چھوڑ کر ارشاد ہے۔

☆ ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھم (سورۃ الفتح۔۱۰)

ترجمہ: اور جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے ہاتھ ملائیں اللہ سے۔ اللہ کا ہاتھ ہے ان کے اوپر۔

اس پر آیت کا کلام اور اس کا معنی ومفہوم متشابہ ہے کہ اللہ کے ہاتھ سے کیا مراد ہے۔ کیا اللہ کا ہاتھ اسی طرح کا ہے جس طرح ہمارا ہے یا کسی اور طرح کا یا اس سے مراد کیا ہے۔ مزید اللہ سے ہاتھ ملانے کا بھی کیا مطلب ہے۔ اس کا سمجھنا چونکہ دشوار ہے اس لیے راسخون فی العلم شاید اس آیت سے پھر بھی کچھ مطلب نکال لیں مگر ایک عام سطحی ذہن کے لیے اس آیت کا مطلب جاننا بہت مشکل ہے۔

۷۔ کنایہ

کنایہ سے مراد کسی لفظ یا کلام سے اس کا ظاہری معنی نہیں بلکہ اصل روح مراد لینا ہے۔

مثلاً وہ کتابی کیڑا ہے۔ اب جملے سے مراد ظاہر ہے فی الحقیقت کوئی کیڑا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جیسے کیڑا کتاب میں ایک ایک لفظ پر رینگتا ہے اسی طرح وہ شخص کتاب کے ایک ایک لفظ کو باریک بینی سے پڑھنے والا ہے یا کتاب کو بہت گیرائی اور گہرائی سے پڑھنے والا ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ وہ شخص اتنا مہمان نواز ہے کہ اس کے ہاں زیادہ آگ جلنے کی وجہ سے راکھ کا ڈھیر لگا رہتا ہے۔ اس جملے میں آگ جلنے کا کنایہ، مہمانوں کے لیے کھانے پکنے کی طرف ہے۔

قرآن حکیم میں بھی بعض آیات میں کنائے استعمال کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆ واستفزز من استطعت منھم بصوتك و اجلب علیھم بخیلك و رجلك و شارکھم فی الاموال و الاولاد و عدھم ط وما یعدھم

Marfat.com

الشیطٰن الا غرورا (سورۂ بنی اسرائیل۔۶۴)

ترجمہ: (اے شیطان) تو جس جس کو اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے۔ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا، مال اور اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا لگا اور ان کو وعدوں کے جال میں پھانس اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

اس آیت میں ابلیس کو کنائے کے طور پر رہزن سردار سے تشبیہ دی گئی ہے جب بوقت رہزنی اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے۔

سورہ یٰسین میں ارشاد ہے۔

☆ لقد حق القول علیٰ اکثرھم فھم لا یومنون ٥ انا جعلنا فی اعناقھم اغلالاً فھی الی الاذقان فھم مقمحون ٥ وجعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون (سورۂ یٰسین۔۷تا۹)

ترجمہ: ان میں سے اکثر لوگ فیصلہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں جن سے وہ ٹھوڑیوں تک جکڑے گئے ہیں اس لے وہ سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار ان کے پیچھے۔ہم نے انھیں ڈھانک دیا ہے انھیں اب کچھ نہیں سوجھتا۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے والے کافروں کو قید بامشقت بھگتنے والوں سے تشبیہ دی گئی جن کے گلوں میں بھاری طوق ہوں وہ گردن نہ اٹھا سکیں اور ان کے آگے پیچھے اونچی دیواریں ہوں وغیرہ۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں بھی کافروں کے لیے کنایہ بیان کیا گیا ہے کہ:

☆ ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم ط وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم (سورۃ البقرہ۔۷)

ترجمہ: اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

Marfat.com

اب اگر ہم ایسے کافروں کو دیکھیں بظاہر ان کے دلوں اور کانوں پر ہمیں کوئی مہر نظر نہیں آتی اور آنکھوں پر کوئی پردہ نظر نہیں آتا۔ یہ سب باتیں قرآن میں کنائے کے طور پر بیان کی گئی ہیں کہ ان سے ظاہری معنی مراد نہیں اصل روح مراد ہے۔

اسی طرح منافقین کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

☆ صم بکم عمی فھم لا یرجعون (سورۃ البقرہ۔۱۸)

ترجمہ: یہ بہرے لوگ ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں اور اب رجوع کرنے والے نہیں۔

منافق لوگ بظاہر نہ بہرے ہوتے ہیں نہ گونگے نہ اندھے مگر یہاں کنائے میں بیان کیا گیا ہے کہ حق بات کو ان کے کان نہیں سنتے، نہ حق بات کو کرنے والے لوگوں کو یہ لوگ دیکھتے ہیں اور نہ ہی حق بات ان کے زبان سے نکلتی ہے۔ گویا ایسے ہی ہیں جیسے بہرے گونگے اور اندھے ہوتے ہیں۔

۸۔ تعریض

تعریض سے مراد ہے کہ کسی شخص کو تنبیہ کرنے کے لیے یا اس کا کچھ مخصوص حال بیان کرنے کے لیے عام انداز میں نام لیے بغیر اشارے کا طرز بیان اختیار کرنا۔

مثلاً ہمارے گھروں میں اکثر کہتے ہیں کہ "کہنا بیٹی کو سنانا بہو کو"

یعنی ساس نے اگر کسی بات پر اپنی بہو کو متنبہ کرنا ہو تو براہ راست اسے نہیں کہتی بلکہ بیٹی کے ساتھ ذرا سخت لہجے میں بات کرتی ہے تاکہ وہ بھی از خود اس بات پر متنبہ ہو جائے۔

قرآن حکیم نے بھی بعض مقامات پر تعریض کا انداز اختیار کیا ہے، مثلاً سورۃ احزاب میں ہے:

☆ وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ط ومن یعص اللہ ورسوله فقد ضل ضلالاً مبینا

(سورۃ الاحزاب۔۳۶)

ترجمہ: کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی

Marfat.com

معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

اب اس آیت میں انداز بیان عام ہے مگر تعریض کا انداز اختیار کرتے ہوئے اشارہ حضرت زینبؓ کے رشتہ داروں کی طرف ہے جو آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ کے ساتھ کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔

۹۔ مجاز عقلی

بعض اوقات ہم بات کرتے ہوئے اصل فاعل اور کسی شخص میں کسی مشابہت کے باعث فعل کی نسبت اصل فاعل کی بجائے اسی دوسرے غیر حقیقی یا مجازی فاعل کی طرف کر دیتے ہیں مثلاً ہم کہیں کہ "آپ کی دعاؤں نے مجھے کامیاب کر دیا۔"

حالانکہ کامیاب کرنے والی تو اللہ کی ذات تھی لیکن اس کا باعث ان کی دعائیں تھیں اس لیے ہم نے اصل فاعل کا رخ مجاز کی طرف پھیر دیا۔ پس یہی مجاز عقلی ہے۔ کبھی ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ دراصل دماغ خراب نہیں ہوتا اس شخص کی عادت اور رویے یا اخلاق خراب ہوتے ہیں اور ہم اس کی بجائے دماغ کو مجاز بنا دیتے ہیں۔

قرآن نے بھی بعض مقامات پر مجاز عقلی کا انداز اختیار کیا ہے۔ مثلاً یہ آیت مبارکہ

☆ كمثل الحمار يحمل اسفارا (سورۃ الجمعہ۔ ۵)

ترجمہ: یعنی گدھے کی طرح جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں۔

اس آیت میں تشبیہ گدھے کے حالات سے مرکب ہے اور وہ یہ ہے کہ کتابوں جیسی مفید چیز بھی اس پر لاد دی جائے تو اسے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

حوالہ جات

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ آل عمران، آیت ۷۔

❁❁❁

Marfat.com

بائیسواں باب

قرآن مجید کے اسلوب بدیع

الفوز الکبیر کے تیسرے باب کے مضامین

قرآن مجید انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کلام الٰہی پر مشتمل ہر لحاظ سے ایک معجزہ ہے، زبان و بیان کے لحاظ سے بھی اور اپنے ارفع و اعلیٰ معانی و مفہوم کے اعتبار سے بھی۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر کے تیسرے باب میں قرآن حکیم کے اس اعجاز پر دو لحاظ سے بحث کی ہے پہلے زبان کے اعجاز کا ذکر ہے اور بعد میں معنوی لحاظ سے۔

اسلوب نزول اور تدوین میں بنیادی فرق

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم اپنے نزول اور تدوین کے لحاظ سے اس شکل میں نازل نہیں کیا گیا کہ اس میں ہر بحث یا مسئلہ یا ہر حکم ایک جداگانہ باب میں عنوانات اور ان کے ذیلی عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہو بلکہ قرآن حکیم کو بشکل مجموعہ مکتوبات فرض کرنا چاہیے۔ جس طرح ایک بادشاہ اپنی رعایا کو حسب ضرورت مختلف اوقات میں فرمان جاری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو گئے اور کوئی شخص ان سب فرامین کو جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے۔

بعینہٖ احکم الحاکمین، خالق کائنات اور بادشاہ ارض و سما اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ پر انسانوں کی ہدایت کے لیے حسب ضرورت اور بوقت ضرورت قرآن مجید کی مختلف آیات و سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک ہر ایک سورت جداگانہ طور پر مرتب اور محفوظ تھی۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنی حیات مبارکہ میں اس لیے مدون نہیں فرمایا کہ کسی وقت بھی مزید وحی کا خدشہ اور انتظار رہتا تھا۔ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق

Marfat.com

رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق اسے ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا اور اس کا نام "مصحف" رکھا گیا۔

صحابہ کے نزدیک سورتوں کی پانچ اقسام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک قرآنی سورتوں کی پانچ اقسام ہیں۔

۱۔ طوال — طویل یعنی لمبی لمبی سورتیں جیسے سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء، مائدہ

۲۔ مئین — وہ سورتیں جن کی آیات ایک سو یا اس سے کچھ اوپر ہو

۳۔ مثانی — سو سے کم آیات والی سورتیں

۴۔ طوال مفصل — چھوٹی سورتوں میں نسبتاً طویل

۵۔ قصار مفصل — سب سے چھوٹی سورتیں

سورہ الفاتحہ کو شروع میں دیباچہ قرآن قرار دینے کے بعد صحابہ نے اسی مندرجہ بالا ترتیب سے ہی قرآنی سورتوں کو جمع کیا۔ بعض جگہ کسی حکمت و مصلحت کے تحت تھوڑا سا اس سے صرف نظر بھی کیا گیا ہے مثلاً مثانی کی بعض سورتیں مئین میں داخل کر دی گئیں کیونکہ بلحاظ مضمون وہ ان ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔

اسلوب بیان

☆ چونکہ سورتوں کا اسلوب بیان شاہی فرامین کے اسلوب سے پوری مناسبت اور مماثلت رکھتا تھا اس لیے سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں مکاتیب کے طریقے کی ہی رعایت رکھی گئی۔ جس طرح بعض مکاتیب اللہ تعالیٰ کے حمد و ثنا سے شروع کیے جاتے ہیں، قرآن حکیم میں بھی یہی اسلوب ہے۔ سورۃ فاتحہ اس کی خوبصورت مثال ہے۔

☆ بعض مکاتیب اور فرامین میں آغاز تحریر سے ہی مطلوبہ بات بیان کر دی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں بھی یہ اسلوب اختیار کیا گیا مثلاً:

ذالك الكتب لا ريب فيه هدى للمتقين (سورۃ البقرہ۔۲)

ترجمہ: یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ شک نہیں اور ہدایت ہے متقین کے لیے۔ نیز

Marfat.com

☆ سورة انزلنٰها و فرضنٰها (سورۃ النور۔۱)

ترجمہ: یہ وہ سورۃ ہے جسے ہم نے اتارا اور ہم نے اس کے احکام فرض کیے۔

یہ قسم اس عنوان کے مشابہ ہے جو دستاویزوں کے آغاز میں لکھا جاتا ہے مثلاً ھــذا مـــا صالح فلان و فلان و هذا ما اوصى به فلان

یعنی یہ وہ ہے جس پر فلاں اور فلاں نے باہم صلح کی یا یہ وہ ہے جس کی فلاں شخص نے وصیت کی۔

جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے واقعہ حدیبیہ میں لکھا تھا:

هذا ما قاضى عليه محمد ﷺ

ترجمہ: یہ وہ ہے جس پر محمد ﷺ نے فیصلہ کیا۔

☆ بعض مرسل و مرسل الیہ کے نام سے شروع کی گئیں۔ مثلاً:

☆ الٓر كتب احكمت اٰياته ثم فصلت من لدن حكيم خبير (سورۂ ہود۔۱)

ترجمہ: یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات مستحکم اور مفصل بیان کی گئی ہیں یہ ایک بڑے حکیم وخبیر یعنی حکمت والے اور باخبر کی طرف سے ہیں۔

یہ سورۃ اسی فرمان شاہی کے مشابہ ہے جس میں لکھا جاتا ہے۔

"یہ حکم بارگاہ خلافت سے جاری کیا جاتا ہے۔"

☆ بعض سورتیں رقعوں کی طرح بغیر عنوان کے ہیں مثلاً

اذا جاءك المنفقون (سورۃ المنافقون۔۱)

ترجمہ: جب آپ کے پاس منافق آئیں۔

قد سمع الله قول التى تجادلك فى زوجها (سورۂ مجادلہ۔۱)

ترجمہ: اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ سے اپنے خاوند کی بابت جھگڑتی ہے۔

يايها النبى لم تحرم ما احل الله لك (سورۂ تحریم۔۱)

ترجمہ: اے نبی آپ ﷺ اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں اس بات کو جو اللہ نے آپ پر حلال کی ہے۔

Marfat.com

سورتوں کا اختتام بھی اسی حکیمانہ اسلوب کے مطابق فرامین و مکاتیب کے اختتام کی طرح ہوتا ہے جن میں ترغیب و تذہیب اور تاکید مسلسل کا عنصر پایا جاتا ہے۔ یہ اختتامی مضامین گویا سارے احکام و فرامین کا خلاصہ ہوتے ہیں جنھیں بطور تاکید آخر میں رکھا جاتا ہے۔

ترکیب آیات

آیات قرانیہ میں اگرچہ قافیہ ردیف کی پابندی نہیں مگر حسن و نغمگی اور شعریت موجود ہے۔ وعظ و تلقین میں اگر کوئی بات فلسفیانہ طرز بیان سے کی جائے تو شاید انسانی سماعت، مزاج اور فہم اسے خشک محسوس کرتا ہے مگر وہی بات اگر نظم و شعر یا افسانوی اور واقعاتی اسلوب اختیار کر کے کی جائے تو انسان اس میں دلچسپی، چاشنی، لذت اور حلاوت محسوس کرتا ہے۔ اس طرز بیان کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بات بھی حسین پیرائے میں ہو جاتی ہے اور اصل مقصد یعنی وعظ و تلقین، درس و تدریس اور تعلیم و تبلیغ بھی ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم میں بھی اسلوب بیان اس لحاظ سے ایسا منفرد، بے مثال اور لاجواب ہے کہ اس میں شعریت اور حسن و نغمگی بھی ہے تجسس بھی ہے، حلاوت بھی ہے اور سننے سنانے میں کیفیت وجد و سرور بھی، کیونکہ اس کتاب کا موضوع انسان ہے۔ یہ انسان کی رشد و ہدایت اور تعلیم و اصلاح کے لیے ہے، اس لیے اس کے حسن بیان میں انسانی احساسات و جذبات کو ہر قیمت پر مدنظر رکھا گیا ہے۔

اس کلام میں شعریت اور نغمگی ضرور ہے مگر انسانی شاعری اور اس کلام کی شعریت میں زمین آسمان کا فرق ہے اور وہ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ انسانی شاعری کی بعض صنفیں انسان کو برائی و تکبر کی رغبت دلاتی ہیں مگر یہ کلام انسان کو نیکی اور ہدایت کی تعلیم دیتا ہے۔ انسانی شاعری انسان کو انسان کا محبوب بناتی ہے جب کہ یہ کلام انسان کو خدا کا محبوب بناتا ہے۔

عام نظمیں، غزلیں اور قصیدے اشعار میں منقسم ہوتے ہیں جب کہ اس کلام میں انسانی ہدایت و شعور کا ہر بیان آیات میں منقسم ہوتا ہے۔ عام شاعری میں وزن، قافیہ اور ردیف کی پابندی ہوتی ہے مگر آیات کی بنیاد ایک ایسے اجمالی وزن اور قافیہ پر ہے جو امر طبعی سے زیادہ مشابہ ہے۔

Marfat.com

اس کلام میں انسانی شاعری کی طرح قافیہ ردیف کی پابندی نہیں کیوں کہ اس کا مقصد محض انسان کو کیف وسرور میں مبتلا کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد ان کی ظاہری و باطنی اصلاح ہے۔ اس کے باوجود آیات میں فاصلے، قافیے، زیروبم، موسیقیت، تاثیر اور اجمالی وزن وتکرار کو مدنظر بھی رکھا گیا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ شعراء کا وزن اور قافیہ جو زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اسے کیوں اختیار نہیں کیا گیا تو شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ لذت کی زیادتی ہر قوم اور ہر ذہن ومزاج کے اعتبار سے مختلف ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بالفرض شعراء کا وزن لذیذ تر ہے تو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس کے باوجود کہ آپ ﷺ امی تھے ایک عدیم المثال وزن قافیہ کی ایجاد آپ ﷺ کی نبوت کا ایک کھلا نشان ہے اور اگر شعراء کے وزن وقافیہ میں قرآن مجید نازل کیا جاتا تو کافر یہی خیال کرتے کہ یہ تو ایسے ہی اشعار ہیں جو کہ عرب میں عام ہیں اور وہ انھیں کسی شمار وقطار میں نہ رکھتے۔ اس لیے قرآن حکیم کو ایک ایسی نئی اور جدید صنف میں نازل کیا گیا جو عرب کی ماضی وحال کی تاریخ میں پہلے کبھی سنی گئی نہ پڑھی گئی مگر کچھ کچھ ان کے مزاج اور فطرت سے مماثلت بھی رکھتی ہے۔

آیات کے آخر میں مدہ کو کھینچ کر اور کہیں ہم قافیہ الفاظ کو استعمال کر کے ایک حسین نغمگی پیدا کی گئی ہے مثلاً یعلمون، تعلمون، یشعرون، کریما، بصیرا، خبیرا، نذیرا، اور رحیما وغیرہ۔ سورۃ رحمٰن میں ہر آیت کے آخر پر ''نون'' میں عجیب کیف وسرور اور موسیقت ہے۔ قرآن حکیم میں بعض اوقات درمیان میں تفریح طبع کے لیے قافیوں کو بدل بھی دیا گیا ہے مثلاً سلاما، کراما، ساجدین، منتظرین۔

اللہ رب العزت نے اپنے پاک کلام میں اس اجمالی حسن کی تو رعایت فرمائی نہ کہ ان قواعد وقوانین کی جو کہ ایک قوم کو پسند ہو دوسری کو ناپسند۔

اگر کوئی سوال کرے کہ علوم پنجگانہ کے مضامین قرآن حکیم میں ایک جگہ کیوں بیان نہیں کیے گے اور منتشر حالت میں کیوں رکھے گئے تو اس کا جواب شاہ صاحب یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے جس طرز اور انداز میں کلام کرنا چاہا اس کے دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ اسے فقط ایک

Marfat.com

نامعلوم چیز کی خبر دے، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس علم کی تصویر مخاطب کے دل میں اس طرح جاگزیں ہو جائے کہ اس کے قلبی اور ادراکی قوئ علم میں فنا و محو ہو جائیں اور اس علم کا رنگ اس کی تمام قوتوں پر غالب آ جائے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک شعر جس کے معنی ہمیں معلوم نہیں، ہم بار بار پڑھتے ہیں اور ہر بار لذت پاتے ہیں اور اس لذت کی خاطر پھر سے پڑھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں بھی علوم پنج گانہ کی تعلیم میں دونوں مرتبوں کا لحاظ فرمایا گیا ہے۔ ناواقفوں کے لیے تعلیم کا طریقہ اختیار کیا گیا اور علماء کو ان علوم کے تکرار سے رنگنا چاہا مگر اکثر مباحث احکام میں تکرار واقع نہیں ہوئی اس لیے کہ وہاں دوسری قسم کا فائدہ مطلوب نہ تھا۔

اس وجہ سے شریعت میں بار بار قرآن حکیم کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے اور صرف سمجھ لینے پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا۔ فرق صرف اتنا رکھا گیا کہ اکثر حالتوں میں ان مسائل کی تکرار مختلف الفاظ اور مختلف پیرائے میں کی گئی تاکہ وہ نفس پر زیادہ موثر ثابت ہو۔ اگر ایک ہی لفظ کی بار بار تکرار کی جاتی تو وہ مثل وظیفہ بن جاتی لہٰذا تفسیری اسلوب سے ذہن کو دوبارہ اس پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے اور شعور کی نئی سے نئی جہتیں اجاگر ہوتی ہیں۔

❀❀❀

Marfat.com

تیئیسواں باب

اعجاز قرآن

اعجاز باب افعال سے مصدر ہے۔ اس کے معانی دوسرے کو عاجز کرنے اور عاجز پانے کے ہیں۔ معجزہ اس کام کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے دوسروں کو حیران اور مخالف کو عاجز کر دیا جائے۔

قرآن مجید رسالت محمدی کے اثبات کے لیے ایک دائمی معجزے کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلوب بیان، بلاغت اور غیبی خبریں دینے کی وجہ سے تا ابد اس کی معجزانہ حیثیت قائم رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو جن معجزات سے نوازا ہے، اعجاز القرآن ان سب میں زیادہ اہم اور فضلیت کا حامل ہے۔ اس معجزے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کے دیگر معجزات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا مگر کلام الٰہی کی بے مثال بلاغت سے ان کے بھی تمام داؤ پیچ شکست کھا گئے تھے۔

اعجاز قرآن کا پس منظر

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اسی قسم کے معجزے عطا کیے جن کی ان کے مخصوص عہد میں ضرورت تھی۔ آنحضرت ﷺ کے بعثت کے وقت اور اس سے پہلے عرب، فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار تھے۔ انھیں ایسی طاقت لسانی حاصل تھی جس سے دوسرے خطوں کے انسان بے بہرہ تھے۔ برجستہ خطابت اور فی البدیہہ شعر گوئی کا انھیں ایسا ملکہ حاصل تھا کہ انسان پر حیرت و پریشانی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ وہ چمکتی ہوئی تلواروں اور ٹکراتے ہوئے نیزوں کے درمیان رجزیہ اشعار پڑھا کرتے۔ مدح کرنے پر آتے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے، مذمت کرنے پر اترتے تو کسی کو تحت الثریٰ تک پہنچا دیتے۔ زبان آوری کی بدولت وہ جادو جگا دیتے تھے۔ دیرینہ بغض میں ہیجان برپا کر دینا، بزدل کو جری بنا دینا، بخیل کو سخاوت کی طرف مائل کر دینا، ان کی زبان آوری کے معمولی کرشمے تھے۔ ان کا بدوبھی پرشوکت الفاظ کا دھنی اور شعری کمال

Marfat.com

بلاغت کے مرتبے پر فائز تھا۔ ایسے فصحاء اور بلغاء کو کسی نے ششدر کیا تو وہ ذات رسالت مآب ﷺ تھی، جس نے ذات باری تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے ذریعے انھیں بار بار چیلنج کیا۔

مگر اس کتاب کی فصاحت و بلاغت نے عرب کے بڑے بڑے فصحاء کو گنگ کر دیا۔ یہ کتاب جس کے دامن میں حقیقت و مجاز کے شاہکار ہیں، جس کی سورتوں کے آغاز و اختتام بے نظیر ہیں، جس کا حسن نظم اعجاز کے باوجود معتدل ہے، جس کے الفاظ فوائد و برکات کی کثرت کو سمیٹے ہوئے ہیں، عرب کے کسی شہنشاہ زبان و لسان کو کھڑے ہونے کی جرأت نہ دے سکا۔

قرآن کا اعجاز اس کا وہ اسلوب ہے جو کلام عرب کے اسالیب سے یکسر مختلف ہے۔ قرآن مجید نے نظم و نثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اور دلآویز اسلوب اختیار کیا جو بلغائے عرب کے تخیل میں بھی نہ تھا۔

جب ولید بن مغیرہ کے سامنے حضور اکرم ﷺ نے قرآن کی تلاوت کی تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ جب ابوجہل نے اس کی حیرانی پر اعتراض کیا تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے زیادہ کوئی شعر کا جاننے والا نہیں ہے، لیکن واللہ محمد (ﷺ) یہ جو کچھ کہتا اور سناتا ہے اس میں شعر کی ذرا بھی مشابہت نہیں ہے۔

الفوز الکبیر کے تیسرے باب کی آخری فصل میں شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اعجاز قرآن کی یہ وجوہ بیان کی ہیں۔

ا۔ اسلوب بدیع:

قرآن مجید کا انداز بیان دیگر فصحاء و بلغا کے طرز بیان سے بالکل مختلف ہے۔ آیات کے مقاطع و فواصل (مقامات وقف) بالکل نئے قسم کے ہیں، جو نہ تو قرآن مجید سے پہلے کسی کلام میں موجود ہیں اور نہ بعد ہی کے کسی کلام میں ملتے ہیں۔ کوئی شخص اس اسلوب کو اول تا آخر نباہ نہیں سکتا۔ چنانچہ اس نئے اور نرالے اسلوب کو دیکھ کر فصحائے عرب دنگ رہ گئے۔ الفاظ کی بندش، جملوں کی برجستگی، تراکیب کی چستی، عالمانہ انداز بیان، کوثر و تسنیم میں ڈھلے ہوئے جملے، موقع اور محل کے مطابق زور بیان، یہ ایسی چیز تھی کہ جس نے عربوں کو مبہوت اور ششدر کر کے رکھ دیا۔

Marfat.com

یہاں تک کہ عرب اپنی اس فطری زبان آوری کو جسے وہ بہت قوی سمجھتے تھے ضعیف سمجھنے پر مجبور ہو گئے اور کلام وخطابت کے اپنے مستحکم ملکے کو قرآنی اسلوب کے سامنے بہت پست محسوس کرنے لگے۔ان بلغاء کو اعتراف کرنا پڑا کہ اسلوب قرآن زبان و بیان کی وہ جنس گراں مایہ ہے جس تک ان کی پرواز ہو سکی ہے نہ ہو سکتی ہے۔اور نہ ہی عرب کے دل و دماغ کو اس بیان سے متاثر ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔اس لیے کہ یہ اسلوب عرب کے لسانی کمال کا وہ رخ ہے جسے سارے عرب کی روح جانتی ہے اور جو ان کے دلوں کی دھڑکن ہے۔

۲۔پیشین گوئیاں:

موجودہ زمانے میں علوم جدیدہ نے بہت ترقی کی ہے مگر آئندہ واقعات کے مطابق سو فیصد صحیح خبر دے دینا کسی بھی فرد و بشر کے لیے ممکن نہیں ہے۔البتہ قرآن مجید کے ذریعے سے مستقبل کی جو پیش گوئیاں کی گئیں وہ ٹھیک اپنے اپنے وقت پر اسی طرح وقوع پذیر ہوئی ہیں جس طرح قرآن حکیم نے خبر دی تھی۔حتیٰ کہ مخالفین کو بھی ان کی صحت کا اعتبار کرنا پڑا مثلاً اس طرح

☆ دین اسلام کے غلبہ واستحکام کی بشارت قرآن حکیم میں دی گئی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله

(سورۃ توبہ۔۳۳)

ترجمہ: اللہ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

لٰہذا یہ وعدہ خداوندی چند سال بعد حرف بحرف پورا ہو گیا۔

☆ جب بدر کے میدان میں تین سو تیرہ نہتے اور غیر مسلح مجاہد ایک ہزار دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے تھے اور حالات بظاہر قریش مکہ کے لیے سازگار محسوس ہوتے تھے تو اس موقع پر قرآن حکیم نے فرمایا:

وان یعدکم اللّٰه احدی الطائفتین انها لکم (سورۃ الانفال۔۷)

ترجمہ: جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آجائے گی۔

Marfat.com

یہ وعدہ خداوندی پورا ہوا اور بے سروسامان مسلمانوں نے اہل مکہ کے تجارتی قافلے اور کفار مکہ کے مسلح لشکر میں سے ایک مسلح مکی لشکر کو مغلوب کرلیا۔

☆ اہل روم کے غلبے کی بشارت اس طرح ہوئی کہ جب روم و فارس کی باہمی جنگوں میں فارس کا پلہ بھاری تھا اور اہل روم مسلسل ہزیمتیں اٹھا رہے تھے تو عین اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وهم من بعد غلبهم سيغلبون ٥ في بضع سنين (سورۂ روم۔۲۔۳)

ترجمہ: رومی مغلوب ہونے کے بعد چند ہی سال میں ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔

چنانچہ قرآن کی یہ پیش گوئی سچ ہوئی اور صرف چند سال میں رومی سلطنت ایران پر غالب آگئی۔

☆ رسول کریم ﷺ کی حفاظت کا وعدہ اس طرح ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کی طرف سے خطرہ رہتا تھا اور صحابہ کرام کو آپ ﷺ کی حفاظت کا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ عین اس حالت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ واللہ يعصمك من الناس (سورۃ المائدہ۔۶۷)

ترجمہ: اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اسی دن سے اپنی جسمانی حفاظت کے تمام ذرائع موقوف کردیے اور فرمایا خدا مجھ کو کبھی دشمن کے نرغے میں نہیں ڈالے گا۔

۳۔ سابقہ امتوں کے حالات کی تصدیق

قرآن حکیم ان اقوام اور ملتوں کا ذکر کرتا ہے جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرکے اپنے آپ کو مستحق عذاب ٹھہرایا۔ اس زمانے کے علماء یہود و نصاریٰ بھی گزشتہ اقوام کے حالات اس قدر شرح و بسط کے ساتھ نہیں جانتے تھے جس طرح قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔ اہل کتاب اکثر آپ ﷺ سے امتحاناً بعض قصوں کی صحت کے بارے میں سوال کرتے اور آپ ﷺ سے تسلی بخش جواب پاتے) چنانچہ قصہ اصحاب کہف، قصہ یوسفؑ، قصہ لقمانؑ، قصہ موسیٰؑ وخضرؑ اس کی بہترین مثال ہیں۔ ان سب امور کی تفصیل ایسے شخص کی زبان سے صادر ہوئی جس

Marfat.com

نے ایک ان پڑھ معاشرے میں پرورش پائی اور ایک دن بھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ (شاگردی) تہہ نہ کیا تھا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ کے مخالفین جھٹ سے کہہ دیتے کہ یہ باتیں تم نے فلاں سے سیکھی ہیں اور اس کا مقام بھی آپ ﷺ سے زیادہ ہوتا۔

۱۴۔ بلاغت

قرآن حکیم کا ایک اعجاز اس کی بلاغت کا وہ مرتبہ ہے جو کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ ہم لوگ چونکہ اولین عرب کے بعد پیدا ہوئے۔ اس لیے اس کے مرتبہ بلاغت کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے، لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ شیریں کلمات اور چست بندشوں کا استعمال جس لطافت، سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ جیسا کہ ہم قرآن حکیم میں دیکھتے ہیں وہ متقدمین اور متاخرین کے کسی قصیدے یا تحریر میں نہیں پایا جاتا اور یہ ایک وجدانی بات ہے جسے ماہرین ادب ہی سمجھ سکتے ہیں عامتہ الناس اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ علم تذکیر اور مناظرہ مخاصمہ جہاں کہیں معانی کو الفاظ کا دوسرا لباس سورت کے اسلوب خاص کے موافق پہناتے ہیں وہیں اس میں ایک عجیب کیفیت اور ندرت ہوتی ہے کہ ہماری عقل محدود وہاں تک نہیں پہنچ سکی۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے بیان بالا کو نہ سمجھا ہو تو اسے چاہیے کہ انبیاء کے ان قصوں میں جو کہ سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور سورہ شعراء میں آئے ہیں، اول تامل کر کے پھر انہی قصوں کو سورۃ الصافات میں اور بعد ازاں الذاریت میں دیکھے تا کہ اس میں باہمی فرق اسلوب ظاہر ہو جائے۔ اسی طرح گناہ گاروں کے عذاب اور فرماں برداروں کے ثواب کو ہر موقع پر ایک خاص رنگ دیا گیا ہے اور دوزخیوں کے جھگڑوں کا جلوہ ہر جگہ نرالی صورت میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کلام میں جو استعارات و کنایات استعمال کیے گئے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

(ان ساری وجوہ اعجاز کے علاوہ قرآن حکیم کے اعجاز کی ایک وجہ ایسی ہے جسے سوائے ان لوگوں کے جو اسرار شریعت میں تدبر و تفکر کرتے ہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ وہ یہ ہے کہ علوم پنجگانہ ہدایت انسانی کے اعتبار سے خود قرآن حکیم کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی مثال یہ

Marfat.com

ہے کہ کوئی طبیب اگر کسی ایسی طب کی کتاب کو دیکھے جس میں امراض کے اسباب، علامات اور علاج کی غرض سے ادویات کے خواص کی تحقیق نہایت اعلیٰ پیمانے اور بلند مقام پر کی گئی ہو تو اسے اس بات میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا کہ اس کا مصنف و مؤلف فن طب میں نہایت کامل ہے۔ اسی طرح شریعت کے اسرار و رموز کا عالم خوب واقف ہے کہ تہذیب نفس کے لیے کن کن چیزوں کی تعلیم انسان کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد وہ اگر علوم پنجگانہ میں غور کرے تو اسے بلاشک و شبہ یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ علوم پنجگانہ اپنے معانی و مفہوم کے لحاظ سے اس اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں جس کا کوئی دوسرا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

❀❀❀

Marfat.com

چوبیسواں باب

فنون تفسیر

الفوز الکبیر کے چوتھے باب کے مضامین

طبقات مفسرین

الفوز الکبیر کے چوتھے باب میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فنون تفسیر کے عنوان سے مفسرین کے درج ذیل مختلف طبقات اور ان کے تفسیری رجحانات پر بحث کی ہے اور واضح کیا ہے کہ مختلف مفسرین نے کون کون سے تفسیری نقطہ ہائے نظر اور رجحانات کو اپنی اپنی تفاسیر کا مرکزی موضوع بنایا ہے۔

ا۔ محدثین:

شاہ صاحب کے نزدیک مفسرین کی ایک جماعت وہ ہے جو صرف ان آثار و واقعات کی روایت سے شغف اور دلچسپی رکھتی ہے جو آیات کے مضامین سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواہ وہ آثار قوی احادیث سے تعلق رکھتے ہوں یا ضعیف، کسی تابعی کا قول ہوں یا اسرائیلیات سے ماخوذ، یہ سب کو جمع کر دیتے ہیں اور یہ محدثین کا طبقہ ہے۔

۲۔ متکلمین:

مفسرین میں ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے متعلق آیات کی تاویل کرتا ہے۔ یہی وہ طبقہ ہے جو قرآن حکیم کے متعلق مخالفین کے اعتراضات کا بھی جواب دیتا ہے اور اہل حق کے اعتقادات کی وضاحت بھی کرتا ہے۔ یہ طبقہ متکلمین کا ہے۔

۳۔ فقہا اور اہل اصول:

مفسرین میں بعض مفسر وہ ہیں جو آیات قرآن سے فقہی اور قانونی مسائل کا استنباط کرتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ فقہا اور اہل اصول ہیں۔

۴۔ اہل لغت:

ایک جماعت قرآن حکیم کے الفاظ کی لغوی تشریح کرتی ہے اور اس کے ہر محاورے کے بارے میں کلام عرب سے بکثرت سندیں دیتی ہے اور یہ اہل لغت ونحو کی جماعت ہے۔

۵۔ اہل ادب:

ایک گروہ قرآن حکیم میں سے علم معانی و بیان نکالتا ہے اور اس اعتبار سے کلام اللہ کے محاسن بیان کرتا ہے۔ یہ اہل ادب و معانی کا گروہ ہے۔

۶۔ اہل قرأت:

بعض لوگ قرآن مجید کی ان قرأتوں کو جو ائمہ سے مسلسل منقول ہیں، نہایت وضاحت وتفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور تجوید کے اصول و قواعد متعین کرتے ہیں اور یہ اہل قرأت ہیں۔

۷۔ صوفیا:

مفسرین میں بعض لوگ آیات قرآن سے علم سلوک اور علم الحقائق کے نکات نکالتے ہیں۔ یہ اہل تصوف ہیں اور صوفیا کا طبقہ ہے۔

حاصل یہ کہ تفسیر کا میدان بہت وسیع ہے اور اس میں جو مسلمان بھی گامزن ہو، ان کا مقصد قرآن حکیم کے معانی سمجھنا تھا۔ انہوں نے ایک خاص فن کے تحت اس میں غور و خوض کیا اور مطالب کو اپنی فصاحت اور سخن فہمی کی استطاعت کے مطابق بیان کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنی جماعت کے مسلک کو ہی مقدم رکھا اور ان وجوہات کی بنا پر فن تفسیر نے اس قدر وسعت حاصل کی کہ آج اس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

کتب تفسیر میں اختلافات تفسیر کے اسباب

الفوز الکبیر کے چوتھے باب میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کتب تفسیر میں اختلافات کا بھی

Marfat.com

جائزہ لیتے ہیں اور اس ضمن میں اختلاف کی بنیادی وجہ اسباب نزول کے یقین کو قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ بعض آیات کا تعلق بعض واقعات وحوادث سے ہوتا ہے اور ان کی تفسیر میں وہی واقعات درج کیے جاتے ہیں جن کے پس منظر میں ان آیات کا نزول ہوا۔ بعض اوقات تو وہ واقعات اسباب نزول ہی ہوتے ہیں اور بعض اوقات بعد میں کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا تھا جس کے مضمون کے متعلق آیات پہلے ہی نازل ہو چکی ہوتی تھیں۔ صحابہ کے طرز بیان سے مفسرین اپنے اجتہاد اور فہم وبصیرت کے مطابق ان آیات کا سبب نزول اخذ کر لیتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حوادث وواقعات کے بیان کے بغیر آیات کو عموماً پرکھ کر ان کی عام تفسیر کر دی جاتی ہے۔

اسرائیلی روایات کو بھی قرآن حکیم کے بعض قصوں کے اشارات کی توضیح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مفسرین کا کوئی طبقہ اسرائیلی روایات کو صحت سے مانتا ہے اور کوئی نہیں مانتا۔ یہ بھی اختلاف تفسیر کا سبب بنتا ہے۔

بعض اوقات کسی علمی نکتے کے بیان میں کسی صحابی یا تابعی کا قول آجاتا ہے اور اسے صحابی و تابعی کا مسلک یا قول ہی سمجھ لیا جاتا ہے، اس سے بھی اختلاف تفسیر ہو جاتا ہے۔

اسرائیلیات

اسرائیلیات ان روایات کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچتی ہے۔

متقدمین مفسرین کی عادت تھی کہ وہ کسی مضمون کی ذیل میں ہر قسم کی روایات درج کر دیتے تھے جو ان کو سند کے ساتھ پہنچتی تھیں۔ ان میں بہت سی روایات اسرائیلی بھی ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اہل کتاب کے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی تو انھیں قرآن کریم میں پچھلی امتوں کے بہت سے واقعات نظر آئے جو انھوں نے اپنی سابقہ مذہبی کتابوں میں بھی پڑھے تھے۔ چنانچہ قرآنی روایات کے سلسلے میں وہ ایسی تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے جو انھوں نے

Marfat.com

اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں۔ یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیری کتابوں میں داخل ہوگئیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اسرائیلیات کی تین بڑی قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ وہ روایات جن کی سچائی قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ مثلاً فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر تشریف لے جانا۔

۲۔ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے جب کہ اس کی تردید قرآن حکیم سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے۔

وما کفر سلیمن و لکن الشیٰطن کفروا (سورۃ البقرہ۔۱۰۲)

ترجمہ: اور سلیمانؑ کافر نہیں ہوئے بلکہ شیاطین نے کفر کیا۔

۳۔ وہ روایات جن کے بارے میں قرآن وسنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں، جیسے تورات کے احکام وغیرہ۔ ایسی روایات کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم یہی ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ ان کی تکذیب۔ اس مسئلے پر علماء کو اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کو نقل کرنا درست ہے یا نہیں۔

اسرائیلی روایات کا تفسیر پر اثر

اسرائیلی روایات (جن کو مفسرین نے اہل کتاب سے لے کر ان کی روشنی میں قرآن عزیز کی شرح اور توضیح کی تھی) نے تفسیر قرآن پر بہت برا اثر ڈالا۔ اس لیے کہ معاملہ وہیں ختم نہیں ہوا جہاں عہد صحابہ میں تھا بلکہ اس میں خاطر خواہ ترقی ہوئی اور روایات کرنے والوں نے تمام سنی سنائی باتوں کو بھی اس میں شامل کر دیا، قطع نظر اس کے کہ وہ جھوٹی ہیں یا سچی۔ اس پر طرہ یہ کہ ایسی تفاسیر کا قاری یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ شاید ان کتب میں مندرج کوئی بات بھی معیاری نہیں ہے۔ حق بات تو

Marfat.com

یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کی بھرمار کرنے والے مفسرین نے قرآن عزیز کی حقیقی شرح وتوضیح کرنے والوں کی راہ میں کانٹے بو دیے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان جھوٹے من گھڑت افسانوں کے سیلاب میں بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی بہالے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ ان میں سے بعض افسانوں کی نسبت چونکہ ان اہل کتاب کی جانب درست تھی جو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے لہٰذا بعض لوگوں نے ان سابقہ اہل کتاب مسلمانوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔

اسرائیلی روایات کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا موقف

اسرائیلیات کے بارے میں شاہ صاحب کا موقف یہ ہے کہ جب کسی حدیث صحیحہ سے کسی قصے کا قوی اشارہ مل جائے تو اہل کتاب سے کچھ نقل کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ ضروری چیز کو بقدر ضرورت ہی لینا چاہیے لہٰذا جہاں ضرورت پڑے اور توضیح وتشریح کا تقاضا ہو وہاں بقدر ضرورت ہی اسرائیل روایات سے استفادہ جائز ہوگا، زیادہ نہیں۔ قرآن حکیم کے کئی مضامین کی تشریح بعض اوقات خود قرآن کی دوسری آیات سے ہو جاتی ہے اس لیے ایک واقعہ جو جگہ جگہ بیان ہے اسے ہر جگہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

نوادر قرآن

نوادر قرآن غرائب قرآن کے تقریباً مترادف ہیں۔ خفیف سا فرق اگر ہے تو وہ یہ ہے غرائب قرآن سے مراد ہے قرآن حکیم کے بعض ایسے الفاظ جو عربی زبان میں کچھ غیر مانوس ہوں، عام بول چال یا لکھنے پڑھنے میں نہ آتے ہوں۔ جب کہ نوادر قرآن سے مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم کے وہ الفاظ جو زبان عربی میں شاید ہی کبھی کبھی استعمال ہوتے ہوں یعنی شاذ و نادر ہی کبھی دیکھنے میں آتے ہوں۔

قرآن حکیم میں صرف الفاظ ہی نادر نہیں ہیں بلکہ بعض آیات بھی نوادر میں آتی ہیں یعنی اس طرح کی آیات قرآن کریم میں شاید ہی کہیں کہیں ہیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ تذکیر بآلاء اللہ میں جس آیت کے اندر اللہ کی خاص اور بے مثال صفات کا بیان ہو وہ نادر کہلائے گی۔ مثلاً آیت الکرسی، سورہ اخلاص، سورہ حشر کی آخری آیات وغیرہ۔ تذکیر بایام اللہ میں کم بیان ہونے

Marfat.com

والا قصہ نادر کہلائے گا۔ جس واقعہ سے کوئی بہت بڑا فائدہ ہو یا جس میں عبرت کے کئی سامان ہوں وہ بھی نادر کہلائے گا۔ تذکیر بالموت و ما بعد الموت میں جامع آیات نادر ہیں۔ مثلاً احادیث کے مطابق سورہ تکویر قیامت کا بہت جامع انداز میں نقشہ پیش کرتی ہے، یہ نادر ہے۔ علم الاحکام میں وہ آیات نادر ہیں جن میں حدود کا بیان ہے یا جن میں عدت اور میراث کا بیان ہے۔ علم مناظر میں تمثیل اور ردشبہات کی آیتیں نادر ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ نوادر و غرائب قرآن صرف قرآن حکیم کے علم پنجگانہ تک ہی محدود نہیں ہیں، بعض اوقات فصاحت و بلاغت، بے ساختگی، اسلوب بیان اور اچھوتا پن بھی کلام کے اندر انفرادیت اور ندرت پیدا کرتا ہے۔ مثلاً سورۃ الرحمٰن جسے حضور اکرم ﷺ نے اپنی حدیث میں عروس القرآن فرمایا ہے، یہ ایک نادر انداز بیان کی سورت ہے۔

حروف مقطعات

قرآن مجید میں حروف مقطعات کا سلسلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ حروف مقطعات جو متعدد سورتوں کے شروع میں آتے ہیں یہ ہیں۔ الم، المص، المر، کھیعص، طه، یٰس، طس، حم، حمعسق، ق، ن، ص یہ چودہ حروف تہجی ہیں (ا، ل، م، ص، ر، ك، ہ، ی، ع، ط، س، ح، ق، ن) جو انتیس سورتوں کے آغاز میں آتے ہیں۔ ان کا کیا مقصد ہے اور یہ اپنے اندر کیا مفہوم رکھتے ہیں اس کے متعلق کئی اقوال بیان کیے جاتے ہیں۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ کے مخالفین سے یہ کہنا مقصود ہے کہ تم قرآن مجید کو اللہ کا کلام نہیں مانتے بلکہ اس کو رسول اللہ ﷺ ہی کی اختراع قرار دیتے ہو، تم میں بڑے فصیح و بلیغ اور ادیب و شاعر اور قادر الکلام لوگ موجود ہیں۔ اگر قرآن مجید تمہارے نزدیک فی الواقع آنحضرت ﷺ کے ذہن ہی کی اختراع ہے تو تم بھی اس قسم کا کلام بنا کر دکھاؤ۔ یہ کلام بھی تو انہی حروف یعنی الف، لام، میم وغیرہ سے ہی ترکیب پذیر ہے جنھیں تم ہر وقت اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہو۔ اگر حضرت محمد ﷺ اس قسم کا کلام بنا سکتے ہیں تو تم کو اس پر کیوں قدرت حاصل نہیں ہے۔

Marfat.com

۲۔ یہ کلام جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا جارہا ہے اللہ کا کلام ہے۔ اس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے یہ کلام انہی حروف کو اپنے دامن الفاظ میں سمیٹے ہوئے ہے جو ہر آن تمہارے استعمال میں آتے ہیں جیسے الف، لام، ی، اور حا میم وغیرہ۔

۳۔ یہ اللہ کے اسمائے گرامی ہیں جیسے الر، حم، ن۔ یہ علیحدہ علیحدہ حروف ہیں اگر ان کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تو یہ "الرحمن" بنتا ہے جو اللہ کا نام ہے۔

۴۔ یہ حروف مخفف ہیں اور ان کے کچھ معنی ہیں مثلاً "الم" کا مطلب ہے انا الله اعلم جب الم ذالك الكتب لا ريب فيه کہا جائے گا تو اس کا مطلب ہوگا انا الله اعلم۔ ذالك الكتب لا ريب فيه یعنی میں اللہ جانتا ہوں کہ اس کتاب (قرآن مجید) کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہے۔

۵۔ الم میں الف سے مراد اللہ، لام سے لطیف اور میم سے مراد ماجد یا مجید ہے۔ اسی طرح باقی حروف مقطعات کا معاملہ ہے۔

۶۔ الف سے مراد "الاء الله"، لام سے "لطف الله" اور میم سے "مجد الله" ہے۔ کھیعص میں ک "کاف" سے، ہ "ھاد" سے، ی "یمین" سے، ع "عزیز" سے اور ص "صادق" سے مخفف ہے۔

۷۔ الم سے مراد ہے انا الله اعلام، المص سے انا الله اعلم و افضل اور الر سے انا الله اعلم و اری

۸۔ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں۔

۹۔ جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو کفار نے اس سے اعراض کیا اور سننے سے پہلوتہی کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حروف مقطعات نازل فرمائے تا کہ اس سے متعجب ہو کر وہ قرآن مجید سنیں اور اس پر متوجہ ہوں، جب انھوں نے اس کو سننا شروع کیا اور اس پر توجہ کی تو آیات محکمات کا نزول شروع ہوا۔

۱۰۔ یہ حروف بطور قسم لائے گئے ہیں۔ ان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اور صحف خداوندی انہی حروف سے مرکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کا ذکر کر کے

Marfat.com

قرآن مجید کی حقانیت کی قسم کھائی ہے۔

۱۱۔ یہ سورتوں کے نام ہیں۔

۱۲۔ یہ حروف، رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر دلالت کناں ہیں اور علوم و معارف کا جو گنجینہ آپ ﷺ کو قرآن کی صورت میں عطا کیا گیا وہ انھیں حروف سے ترکیب ہے۔

حروف مقطعات کے بارے میں یہ مختلف طبقات اور اصحاب علم و فکر کے خیالات تھے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حروف عربی زبان میں انفرادی معنی رکھتے ہیں مگر جب یہ کسی کلمہ میں اکٹھے ہوتے ہیں تو ان سے مشترک معنی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً ''ج'' اور ''ن'' جب ایک لفظ ہیں تو ''جن'' ہو جاتا ہے جس کے معنی چھپنے، چھپانے اور پردہ کرنے کے ہیں۔ یہ معنی تو ان کے مادہ کے اعتبار سے ہیں لیکن مخارج کے اعتبار سے وہ جدا جدا ہیں۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں اور شاہ ولی اللہ بھی اس نظریے کے حامی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے خیال میں یہ نام ایک کل وصف کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان میں کسی فردی خصوصیت کو دخل نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ البقرۃ:۱۰۲۔

❁❁❁

Marfat.com

تاریخِ تفسیر و اُصولِ تفسیر

ڈاکٹر محمد طاہر مصطفیٰ

Marfat.com